جلد سوم

تہذیب الاخلاق

یعنی

عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خان صاحب مرحوم

فنانشل سکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

کے

تمام مضامین جو ابتدائے ۱۲۸۷ ہجری لغایت ۱۲۹۳ ہجری [illegible]

[illegible]

منشی فضل الدین ملک [illegible] لاہور

[illegible] ہجری

نایاب کتابیں

سیرۃ الفاروق

منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر جو د صدیقی کی تالیف کی ہوئی جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری جس میں آپکے بچپن کے زمانے سے لیکر وفات تک کے تمام حالات مع اُن فتوحات کے جو آپ کے زمانہ میں ہوئی ہیں بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کرکے درج کیگئی ہیں کسی مسلمان کو اس بے نظیر اور عدیم المثال اسلامی بزرگ ہیرو کے حالات کو شوق سے پڑھنے کے واسطے ترغیب دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس میں اسلامی سچی شان شوکت اور جاہ و جلال اور بے نظیر شجاعت اور تہور کی تصویریں ہیں جو اس کتاب میں کھینچی گئی ہیں۔ ضخامت تین سو صفحہ سے زیادہ اعلے قسم کے سفید کاغذ پر تیار ہے قیمت عـہ/

حیات سعدی

مصنفہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جس میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری اور جملہ حالات متعلقہ سیاحت درج ہیں اور آپ کی تمام تصنیفات نظم و نثر پر ریویو کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب میں ۲۸ دلچسپ مضامین ہیں . . . . . . عـہ/

تاریخ اسپین اردو

یہ تاریخ جس میں مسلمانان اسپین (اندلس) کی ترقی و تنزل کے مفصل حالات درج ہیں انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں نہایت خوش اسلوبی سے چھپ گئی ہے اس کتاب کے چودہ باب ہیں پہلے دس بابوں میں مسلمانوں کی ترقیات۔ فتوحات۔ طرز حکومت۔ جاہ و ثروت۔ اندلس کی ترقی۔ رعایائے اہل اسلام کی بہبودی سرسبزی وغیرہ کا سچا اور صحیح صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اور پچھلے چار باب میں عیسائیوں کے بے رحمانہ حملوں سے چمن اسلام کے سرسبز اور بار آور پودوں کی تباہی کا بیان نہایت درد آمیز اور سچے واقعات سے قلمبند کیا گیا ہے اسوقت ہندوستان بھر میں یہی ایک کتاب اردو چھپی ہے جس سے مسلمان اسپین کے عروج سے کل تک حالات ملسکتے ہیں ان تمام حالات کو پڑھتے پڑھتے انکے ساتھ آپ کو بہت سی اسلامی یادگاریں (عمارتیں) انجانے دکھائی دینگی جنکے فوٹو (نقشے) نہایت دقت سے بہم پہنچا کر ساتھ چھاپے گئے ہیں وہ مسلمان جو قومی محبت میں سرشار ہیں اور اپنے اسلاف کے گذشتہ کارناموں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انکا فرض ہے کہ اس بے نظیر تاریخ کو مطالعہ کریں اور وہ ہمدرد جواب تک ان مرحوم کی حالت زار پر دو آنسو آنکھوں سے رو رہے ہیں انکو چاہئے کہ ایک ایک کاپی اسکی لیکر وقف کریں ہر ایک اسلامی مجلس۔ ہر ایک محمڈن سوسائٹی۔ ہر ایک علمی انجمن۔ ہر ایک لائبریری کا فرض ہے کہ اس کتاب کو خریدے۔ یہ کتاب ۱۴۰ صفحہ پر مع نقشجات کے ہے اور نہایت عمدہ خوشخط چھپی ہے . . . . سـہ/

خلق الانسان

یعنی انسان کی پیدائش کے متعلق ہمیں کیا تعلیم دیتا ہے مضمون قرآن شریف سے لیکر آج کل کے فلسفہ دانوں کے اعتراضات کا جواب ہے۔ مصنفہ جناب سر سید احمد خانصاحب . . . ۲۰/

ازالۃ الغین عن ذی القرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق ایک نہایت درست کتاب متن میں ترجمہ اردو اور حاشیہ پر تفسیر کبیر کا عربی۔ مصنفہ سر سید احمد خانصاحب . . . ۵/

فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد سوم یعنی مضامین عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب مرحوم فنانشل سکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

شیخ ابن بطوطہ کا اُردو سفرنامہ

جو

اپنی طرز کی سب سے پہلی کتاب دنیا کے کُتب خانہ کو بہم پُہنچی تھی

اپنے زمانہ کی چشم دید تاریخ مُسلمانوں کی شاہنشاہی ۔ فتح و نصرت ۔ بزرگی اور حکومت
ترقی و تہذیب ۔ علمیت و فضیلت ۔ ایجاد و اختراع ۔ جاہ و جلال ۔ شان و شوکت
اُلوالعزمی اور ہمت ۔ ہمدردی و اُخوت ۔ رحم و انصاف ۔ بخشش و سخاوت
فیاضی و کُشادہ دلی ۔ اتفاق و یکجہتی اور دینداری ۔ اتقا و پرہیزگاری

کا

تصویرخانہ

یعنی

آٹھویں صدی ہجری کے مُسلمان مُسافر

شیخ ابن بطوطہ کا اُردو سفرنامہ

درخواست خریداری

بنام منشی فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور سے ہو

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم ان کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو (۹۰۰) برس پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی سلوبی کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور صرف ابوعلی سینا اور ابوریحان بیرونی اِس حکیم کے معصروں میں دو ایسے باکمال ہوگذرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اِسواسطے حکیم مذکور نے اِس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابوعلی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جُدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو۔ قینچی۔ بلکہ سُوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا اِن حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ۔

خُدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اَور ابوعلی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے سی ایس آئی ایل ایل ڈی۔ اس مرد خدا نے جب دنیا کی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہونچی ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُسکی

حلِ مشکلات میں مصروف ہو گیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مِل سکتی تھی وہ ساری اُسپر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کیئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبالمندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اُس کے حالات کو نظرِ عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر اِن سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اِس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدِّ نظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اِس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو** ٭

اب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آ کر چاہا کہ جو تجاربِ عظیمہ اِس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کیئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اِدْبار چھا گیا ہے۔ خوابِ غفلت میں پڑی اُونگھ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بُلند آواز۔ اَن تھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا۔ اُسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھر میں پہونچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدّس تہذیب الاخلاق**۔ جسکی اشاعت کا انتظام درپیش ہے ٭

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے:-

جس نے مُسلمانوں کی حُسنِ معاشرت کا بیڑا اُٹھایا ٭

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدن کا بارِ گراں اپنے ذمہ لیا ٭

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دُور کر دیا ❖
جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے ❖
جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے ❖
جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحان بنی آدم میں سے جسکی شریعت دنیا کی زندگی کے تمام وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے ❖

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب بیس برس کی مدت نے اسکو اور ناپید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو پھر عام کو اسکی خریداری اور نفیس طبائع کو اسکی گرانباری متعذر۔ غریب آدمی ۴۸ کہاں سے لائے اور امیر آدمی اسکی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اِسکی مقتضی ہوئی ہے۔ کہ کُل **اولڈ اڈیشن** (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پائے ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے:۔

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سیّد مہدی علیخاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین قیمت دو روپیہ (عہ) ❖

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے کُل مضامین قیمت تین روپے (سہ) ❖

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علیخاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین قیمت (۱؎۸) ❖

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سیّد محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین قیمت (۲؎۸) ❖

خادم قوم

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب **قومی** مالک اخبار **اشاعت**
لاہور۔ بازار کشمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسان عام

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك

۱۔ اپنے ہمجنسوں سے شفقت اور نرمی برتنی تمامی بنی نوع سے خیر اندیشی کرنی اُن کا بھلا چاہنا بلکہ اپنی منفعت پر غیر کی منفعت کو مقدم رکھنا۔ اپنے دشمنوں۔ مخالفوں اور بدخواہوں سے احسان و مروت اور عموماً دوستی کرنا بلکہ اپنے مخالفوں کی خطاؤں سے درگذر کرنا۔ اپنے دشمنوں کی بدخواہیوں کو معاف کرنا اُن کی عداوت اور رنجیدہی پر صبر کرنا اور بُرائی کے عوض ہمیشہ بھلائی کرنا۔ یہ عُمدہ اور افضل محاسن اخلاق ہیں جو ہمارے اسلام اور قرآن نے ہمکو سکھلائے ہیں۔ ہرچند کہ حکمائے سابقین کئی زمانوں کے تجربہ اور عرصہ دراز کی فکر و غور سے ایسے محاسن اخلاق کے قریب قریب پہنچے تھے اور نہ کوئی ایک ہی حکیم تھا جس نے یہ سب عُمدہ مکارم اخلاق کی باتیں سکھلائی ہوں بلکہ مختلف اور متعدد حکیموں اور فیلسوفوں نے بہت کچھ سرد و گرم زمانہ دیکھکر اُن میں سے بعض بعض باتیں محاسن اخلاق کی بیان کیں۔ اِلّا چونکہ انسانی خیالات تھے جن کا ٹھیک ہر ملک و مزاج کی مختلف طبیعتوں کے اندازہ کے موافق ہونا اُن حکیموں کی عقل کی دُور اندیشی سے

باہر تھا اور خیالات انسانی افراط و تفریط سے بھی خالی نہ تھے۔ لہذا اُن پر وثوق کلی اور اعتماد قطعی بغیر وحی کے انکشاف کے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ وحی الٰہی جس کا انکشاف تمام عالم پر قرآن کے ذریعہ سے ہوا اس وحی کامل نے ان سب اخلاق حسنہ کو تمام و کمال ہر ایک زمانہ اور ملک کے مناسب حال اور اندازہ کے موافق ہم لوگوں پر ظاہر و منکشف کیا +

۲- اس بارہ میں جو احکام ہمکو قرآن شریف کے ذریعہ سے ملے ہیں وہ ایسی وضع اور صورت میں نہیں ہیں کہ کسی خاص سورت یا رکوع میں بہ حیثیت مجموعی جمع کرکے رکھا ہو جو کہ تصنع اور تکلف سے خالی نہ ہوتا اور جس سے کہ ایک طرح کے دکھلاوے کی ترکیب اور ظاہری بندش پائی جاتی بلکہ تمام مصحف میں ان پاک احکام اور عمدہ اخلاق کو ہر ایک قسم کے ذکر میں ایسی سچی مصلحت سے متفرق بیان کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں کو ہر وقت اور ہر مضمون کے ساتھ اُن نیکیوں اور اخلاق کی تنبیہہ اور یاددہانی ہوتی رہی اور اس وحی کے جس مقام کو بلا قصد اور بلا تعیین پڑھا جاوے وہیں پر اُن میں سے کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور پائی جاوے +

۳- ہمکو قرآن مجید یہ بات سکھلاتا ہے کہ ہمکو لازم ہے کہ بدی کے عوض میں نیکی کریں اور خدا کا یہ حکم محکم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے بُرائی کے عوض میں بھلائی کریں +

(۱) ویدرؤن بالحسنة السیئة اولئک لہم عقبی الدار۔ (رعد - ۲۰)

جو لوگ بُرائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں اُنھی لوگوں کے لیئے دار آخرت ہے +

(۲) اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا۔ ویدرؤن بالحسنة السیئة (قصص - ۵۴)

اُن لوگوں کو دوھرا اجر ملیگا اس لیئے کہ اُنھوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے بدلے +

(۳) ادفع بالتی ھی احسن۔ (مومنون - ۴۸)

بُری بات کا جواب وہ کہہ جو کہ بہت بہتر +

یہ صاف سی بات ہے کہ قرآن مجید نے ہمکو محض حکماً یہ بات سکھلادی یا ہم اُس کو بلا تصدیق محض ایمان کی راہ سے تسلیم کرلیں۔ نہیں بلکہ ایسی نیکی کرنے کی بدیہی دلیل اور صریح نتیجہ بھی بتلادیا +

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک

وبینه عداوة کانه ولی حمیم وما یلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم - (حم سجدہ)

برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں تو کہہ اس سے بہتر پھر تو دیکھے کہ جسمیں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے انھیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اُسکو جسکی بڑی قسمت ہے +

(۴) پھر قرآن ہمکو یہی سکھلاتا ہے کہ بدلا لینا گو معروف یا مقتضائے عدالت ہو اور ایسا کرنا سہل بھی ہے مگر اس کے کریمانہ اخلاق کا یہی حکم ہے کہ مخالفوں کی خطاؤں اور بُرائیوں کو معاف کرو اور عموماً درگذر کرو +

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی واصلح فاجره علی الله - (شوریٰ - ۳۸)

بُرائی کا بدلا بُرائی ویسی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے تو اُس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ +

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر الصابرین - (نحل)

اگر بدلا لو تو بدلا دو اُسی قدر جتنی تمکو تکلیف پہونچے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لیئے +

ولمن صبر وغفران ذلك من عزم الامور - (شوریٰ)

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں +

فاعفوا واصفحوا حتی یاتی الله بامره - (بقر)

سو معاف کرو اور درگذر کرو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم +

فاعف عنهم واصفح ان الله یحب المحسنین - (مائدہ)

سو معاف کر اور درگذر کر اُن سے اللہ بیشک دوست رکھتا ہے نیکی والوں کو +

فاعف عنهم وقل سلام - (زخرف)

سو تو درگذر کر اُن کی طرف سے اور کہہ سلام +

ان آیات محکمات میں قرآن نے کئی طرح پر ہمکو نصیحت کی کہ بُرائی کرنے والوں کو معاف کرو بدلا نہ لو بلکہ صبر کرو بخشدو درگذر کرو اور مخالفوں سے نیکی کرو اُن پر احسان رکھو +

(۵) اوراس سے زیادہ اور بھی صاف صاف کہدیا ہے +

یاایھاالذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدو لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور الرحیم۔ (تغابن)

اے ایمان والو بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہاری سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان +

دیکھئے ہمیں دشمنوں کے حق میں بھلائی اور احسان کیواسطے کیسی تاکید سے الفاظ فرمائے ہیں۔ معاف کرنا۔ درگذر کرنا۔ بخش دینا۔ اور اُسپر بھی اخیر میں اشارہ کیا ہے کہ خدا غفور و رحیم ہے پس تم بھی اپنے دشمنوں سے ایسی خصلت بخشش اور رحم کی اختیار کرو +

(۶) قرآن نے ہمکو یہ بات بھی اچھی طرح سے واضح کردی کہ ہماری یہ خصلت کہ ہم اپنے دشمنوں سے مہربانی کریں اُنکی بُرائیوں سے درگذر کریں کیوں پسندیدہ ہے اور ہم کیوں ایسی رعایتیں اور عنایتیں اپنے مخالفوں سے کریں۔ چنانچہ لکھا ہے +

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم[۱]۔ (نور۔ ۲۳)

اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ معاف کرے تمکو +

اس میں صاف سمجھا دیا کہ چونکہ تم اپنے گنہگاروں خطاکاروں۔ دشمنوں اور مخالفوں سے یہ شیوہ عفو و غفران کا اختیار کروگے تو خدا بھی تمہاری خطاؤں سے درگذر کریگا +

اس نقرہ میں "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" بڑی حکمت بھری ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ

---

[۱] العفو والصفح من المسیئ حسن مندوب فربما وجب ذالک۔ ولو لم یجب علیہ الا ھذہ الآیۃ لکفی۔ الا تری الی قولہ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم فعلق الغفران بالعفو والصفح۔ وعنہ علیہ السلام من لم یقبل عذر المتفضل کاذباً کان او صادقاً لم یرد علی حوضی یوم القیمۃ۔ وعنہ علیہ السلام افضل اخلاق المسلمین العفو والصفح وعنہ ایضاً ینادی منادیوم القیامۃ الا من کان لہ علی اللہ اجر فلیقم الا اھل العفو ثم تلا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ وعنہ علیہ السلام ایضاً لا یکون العبد ذا فضل حتی یصل من قطعہ ویعفو من ظلمہ ویعطی من حرمہ۔ تفسیر کبیر

خداہماری خطاؤں کو معاف کرے تو لازم ہے کہ ہم بھی اپنے خطاکاروں کی تقصیریں معاف کریں اگر ہم توقع رکھتے ہیں کہ خدا ہمکو بخش دے تو ضرور ہے کہ ہم بھی اَوروں کی خطائیں بخشدیں یہ آیت ہمکو صاف یہ سکھلاتی ہے کہ ہم ہمیشہ خدا سے یہ دُعا کریں کہ جیسے ہم اپنے تقصیرواروں کو معاف کرتے ہیں ویسے ہی خدا بھی ہماری تقصیریں معاف کرے +

(۷) باہم کی معاشرت میں (خواہ ہمارے اہل معاشرت مسلمان ہوں یا غیر مسلمان - دوست ہوں یا مخالف) عدل اور احسان برتنا اور انصاف مدنظر رکھنا ایک حکم محکم اور امر لازم ہے +

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان - (نحل)

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کو اور بھلائی کرنے کو +

وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان - (مائدہ)

آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ پر اور زیادتی پر +

پھر اس سے بھی واضح کر کے صاف سمجھا دیا کہ کسی قوم کی عداوت تمکو عدل کرنے سے نہ باز رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تمکو انصاف کرنے سے نہ روکے - تم سب سے اپنے دوستوں سے اور دشمنوں سے عدل اور احسان اور انصاف برابر قایم رکھو +

یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ - (مائدہ)

اے ایمان والو کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے لیئے گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقوی سے +

(۸) بعضے نکتہ چین ظاہر بین مخالفان اسلام نے ان ظاہر اور روشن احکام سے تغافل کر کے ایسا گمان کرلیا کہ گویا قرآن ایسے احکام عفو عام بخشش تام اور محاسن اخلاق سے خالی ہے اور نہ اسیقدر پر اُنھوں نے اکتفا بلکہ اَور بھی ترقی کر کے یہ سمجھے کہ قرآن میں بعض احکام ان نیکیوں کے برخلاف ہیں - کبرت کلمۃ تخرج من افواھم ان یقولون الا کذبا +

تمام محاسن اخلاق کے پیشوا اور سب نیکیوں کے نمونے ہمارے پیغمبر خدا ہیں - ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - اور ہمکو اُن کے افعال کا کیا اچھا نمونہ ملا ہے کہ

وہ اپنے سب دوستوں اور دشمنوں سے کمال نرمی شفقت اور رحمت سے پیش آتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ اُسکی دلیل بھی بدیہی موجود ہے کہ اگر پیغمبر خدا کے اخلاق ایسے نہ ہوتے تو یہ جتنے لوگ اُن کے ساتھ جمع ہوئے تھے اور مخالفین تھے اُن سے ٹوٹ کر آملے تھے اُن میں سے ایک بھی نہ آتا کسی بدمزاج خشونت کرنیوالے کے پاس کوئی نہیں آتا بلکہ یہ شفقت اور اخلاق نرم دلی اور لینت ہے جو سب کو اپنا ہو یا بیگانہ کھینچ لاتی ہے۔ دیکھو وہ آیت قرآن جو ہمارے مضمون کی زیبندہ عنوان ہے اُسپر پھر نظر کرو اور پڑھو کہ خدا پیغمبر سے فرماتا ہے +

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم +

یہ کچھ خدا ہی کی مہربانی ہے کہ تو اُن کو نرم دل ملا اور اگر تو سخت اور سنگدل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے سو تو اُن کو معاف کر اور اُن کے لیئے دعا مغفرت کر +

پس ہمکو قرآن کے احکام اور پیغمبر کے نمونہ سے بھی واجب و لازم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے بھی بہ نرمی و محبت پیش آویں ان سے بھی نیکی اور بھلائی کریں اور باہم برادرانہ برتاؤ کریں تاکہ بدگمانوں کی غلط فہمی ہمارے قول اور فعل سے دور ہو جاوے +

(۹) مگر اس میں شک نہیں کہ فرق مراتب ضرور ہے گو ہمکو عام محبت کا حکم ملا ہے مگر یہ مراد نہیں کہ جو اخلاص اور محبت خاص اہل ایمان سے کی جاتی ہے اور جس کا مرتبہ عام محبت سے زیادہ ہے ویسی ہی محبت اور اخلاق غیر ایمان والوں سے بھی برتے جاویں چنانچہ جو شدت کفار کی سرزنش اور تنبیہ میں اُن کے عصیان نافرمانی فساد اور ناخدا ترسی کی وجہ سے (مگر وہ بھی نرمی اور سلامتی کے ساتھ) اُن سے برتی جاتی ہے اور جو محبت ایمانی اور خاص دوستی جس کے ایمان کی حیثیت سے مومنین مستحق ہیں (علاوہ اُس عام دوستی کے جو مقتضائے فطرت الٰہی ہر ایک انسان کو کرنی چاہیئے) ان دونوں باتوں کی تفاوت پر اس آیت میں اشارہ ہوا ہے +

محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم +

محمدؐ رسول اللہ کا اور جو اُسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر اور نرم دل ہیں آپس میں +

پس یہی فرق اور امتیاز ہے جواب مندرجہ بالا اور اُسکے ہم مضمون آیتوں میں بیان

ہوا ہے اور اسی فرق اور امتیاز کے اعتبار پر قواعد جنگ و قتال کے متعلق مقاتلین مخالفین کی نسبت یہ حکم ہوا کہ جو لوگ مُسلمانوں سے دین کی بابت لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہونچاتے ہیں اُن سے ایسی حالت میں دوستی نہ کیجاوے کیونکہ حالت جنگ اور قتال میں نامناسب ہے کہ مُسلمانوں کے گروہ کے آدمی مخالفین اور مقاتلین سے محبت کرکے اپنے ضعف اور شکست کا باعث ہوں مگر صاف صاف کہدیا کہ جو دشمن اور مخالف تم سے دین کی بابت قتال نہیں کرتے اُن سے نیکی اور انصاف کرنے کو خدا منع نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے مخالفوں سے نیکی اور انصاف کرو کیونکہ خدا نیکی کرنے والوں اور انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے - صرف اُنھیں لوگوں سے ایسی حالت میں دوستی منع کی گئی ہے جو کہ دین کی بابت مسلمانوں سے لڑتے تھے اور جنھوں نے مسلمانوں کو گھر سے نکالا اور اسپر ایک دوسرے کی مدد کی ؛

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین - انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون - (ممتحنہ)

اللہ تمکو منع نہیں کرتا اُن سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تمکو تمہارے گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو اللہ صرف منع کرتا ہے تمکو اُن سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تمکو تمھارے گھروں سے اور مدد کی تمھارے نکالنے پر کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے تو وہ لوگ ہیں گنہگار ؛

پس جنگ و قتال کی حالت کا ایک خاص قاعدہ ہماری معاشرت کا دستور العمل نہیں ہے بلکہ ہماری حسن معاشرت کا حکم عام یہی ہے ؛

" لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین " ؛

(۱۰) یہ بات کہ منافقوں اور کافروں سے اُن کی شرارت اور فساد کی وجہ سے اُن کی سرزنش اور تنبیہ اور غلظت فی القول کرنے میں وہ رعایت عام دوستی اور صلح و آشتی کی

ہونی چاہیئے اور یہ سرزنش نرمی و سلامتی کے ساتھ کرنی چاہیئے - اس کے ثبوت میں قرآن کے یہ احکام ہیں +

۱ - فاصفح عنہم وقل سلام +

سو درگذر اُن سے اور کہہ سلام ہے +

۲ - اذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما - (فرقان)

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت +

۳ - ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن - (نحل)

بُلا اپنے رب کی راہ پر پکّی بات سمجھا کر اور نصیحت کر کر بھلی طرح اور بحث کر اس طرح جو احسن ہو +

۴ - ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن +

نہ جھگڑو تم اہل کتاب سے مگر اس طرح سے جو سب سے بہتر ہو +

۵ - واعرض عنہم وعظہم وقل لھم فی انفسہم قولا بلیغا - (نساء)

اور اُن سے درگذر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن کے حق میں پکّی بات کہہ +

اِن آیتوں کے حکم سے ہمکو لازم ہے کہ جب ہم اہل معاصی اور کفار سے سرزنش کریں اور اُن کے فساد اور ناخدا ترسی پر ملامت کریں تو اُس کو نیک طریقہ سے نرمی کے ساتھ کمال اخلاق سمجھا دیں +

(۱۱) اس مقام پر ہمکو مسئلہ اکراہ کا بیان بھی ضرور ہے کہ آیات قرآن مجید میں تو مخالفوں سے ایسی نیکیاں اور نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اور فہمایش اور سرزنش میں بھی اخلاق کی رعایت پُر ضرور ہے تو ایسی صورت میں مسلمان ہونے پر مجبور کرنا کیونکر جایز ہو سکتا ہے - مگر ہمارے پاس ایک ذخیرہ عدم اکراہ کے احکام کا موجود ہے جس سے یہ شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کے باب میں زبردستی کا حکم ہوا ہو یا کبھی جبر کیا گیا ہو +

۱ - فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر - (غاشیہ)

پس تو سمجھا تیرا کام سمجھانا ہے تو اُن پر کروڑا نہیں +

۲ - قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم

ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین - (نور)

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم سونھ پھیر وگے تو اُس کا ذمہ ہے جو اُسپر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو تم پر رکھا اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہونچا دینا +

۳ - فان تولوا فانما علیک البلاغ +

پھر اگر وہ پھر جاویں تو تیرا ذمہ صرف پہونچا دینا ہے +

۴ - من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً - (نساء)

جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا اور جو اُلٹا پھرا تو ہمنے تجھکو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان +

۵ - اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الٰہ الا ھو واعرض عن المشرکین - (انعام)

تابعداری کر تو خدا کے بھیجے ہوئے حکم کی جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مت التفات کر مشرکوں کی طرف +

۶ - افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین - (یونس)

اَب کیا زور کریگا تو لوگوں پر کہ ہو جاویں با ایمان +

۷ - وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید - (ق)

اور تو نہیں اُن پر زور کرنے والا سو تو ڈرا قرآن سے اُسکو جو ڈرا میرے وعیدسے +

۸ - اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین - (تغابن)

کہا مانو اللہ کا اور رسول کا پس اگر وہ پھر جاویں تو ہمارے رسول کا ذمہ صرف پیغام پہونچا دینا ہے +

۹ - ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا - (دھر)

یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے +

۱۰ - لکم دینکم ولی دین - (کافرون)

تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین +

۱۱۔ لا اکراہ فی الدین ؛ (۲ ع ۵ ع ۹)

دین میں کچھ زبردستی نہیں ؛ (بقر)

۱۲۔ یہ سب آیات محکمات ہیں جو مکہ اور مدینہ میں ظاہر ہوئیں یعنی اُس زمانہ کے لیئے ہیں جب اسلام میں ضعف تھا اور اُس وقت کی بھی ہیں جب اسلام کو تمکنت اور شوکت حاصل ہوئی۔ مگر چونکہ کسی حالت میں جبر و اکراہ جائز نہیں رکھا گیا اس لیئے وُہی ایک بات ہر جگہ صاف صاف بیان کی گئی۔ اور ایسا ہی برتا بھی گیا چنانچہ عین جدال و قتال کی حالت میں بھی باوجود طرفین کی مخالفت کے جو مشرک طلبگار امن ہوکر جماعت اسلام کی طرف چلا آتا تو اُسکو صرف قرآن کے پاک احکام اور نصایح سُنا دینے کا حکم تھا اور جب وہ سُن چکے تو اُسکو وہیں پہونچا دیں جہاں اُس کے امن کی جگہ ہے۔ حالانکہ یہ موقع اکراہ و جبر کا تھا مگر ایسی بات تو کبھی قرآن میں روا نہیں رکھی گئی ؛

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون (برأة - ۵)

اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے جب تک وہ سُن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اُسکو جہاں وہ نڈر ہو یہ اسواسطے کہ وہ لوگ جانتے نہیں ؛

یہ آخری فقرہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں کو اسلام کے محاسن اور قرآن کے مکارم اخلاق کی خبر نہیں اس لیئے وہ جانتے نہیں ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے پس اُن کو مسلمان کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ اُن کو قرآن سنایا جاوے اور اُسکی فضل تعلیم اور عُمدہ نصایح سُننے والے کے دل میں اثر کریں ؛

۱۳۔ یہاں ذکر مقاتلات اسلامی کا آگیا اور ہمکو اُسکے ضمن میں یہ لکھنا مناسب معلوم ہوگا مقاتلات اسلامی کی منشا صرف مدافعت تھی اور یہی غرض تھی کہ مشرکین کے ظلم و عدوان سے ضعفا مسلمین کو نجات ملے اور اُن کو بے روک ٹوک خدا کی عبادت کا موقع ملے اور مخالفوں کی زیادتی اور موذی کفار کا ظلم و ستم دور کیا جاوے اور اُن کی لڑائی بند ہوجاوے۔ یہ غرض نہیں ہے کہ وہ جبراً مسلمان ہوجاویں ؛

لولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد (حج)

اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے سب تکئے اور مدرسے اور عبادتخانے اور مسجدیں؟

مالکم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها (نساء)

کیا وجہ کہ تم خدا کی راہ میں نہ لڑو حالانکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ یارب ہمکو اس شہر سے جسکے لوگ ظالم ہیں نکال لے ٭

عسی ان یکف باس الذین کفروا - (نساء)

قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی ٭

اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مدافعت کی لڑائی میں ابتدا مخالفوں کی طرف سے ہونی چاہیئے کیونکہ انھیں کے ظلم و عدوان پر بناچاری مدافعت کی ضرورت پڑی اور یہی بات قرآن میں بھی منصوص ہے ٭

هم بدؤکم اول مرة - اور مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ تم ہرگز ابتدا نہ کرو ولا تعتدوا (بقرہ)

۱۴- مخالفوں سے تو علی العموم قرآن میں ایسی نیکیاں اور احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عین حالت جنگ و جدال کی وہ شفقت اور کریمانہ برتاؤ ہے جو سورہ براءۃ کی پانچویں آیت سے نقل کیا گیا کہ جو مشرک مسلمانوں کی پناہ میں آوے تو اسکو قرآن کے احکام و نصایح سُناکر یہاں تک اُس سے رعایت کیجاوے کہ جہاں اُسکی امن کا مقام ہو وہاں اُسے بخیر و عافیت پہونچا دیا جاوے اب لڑائی کے بعد مغلوب اور مقید و مخالفوں کیواسطے عام حکم دیدیا کہ یا انہیں احسان رکھکر مفت چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو ٭

حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها ذلك ولو يشاء الله لانتصر منهم ولكن ليبلو بعضكم ببعض (محمد)

پھر جب خوب قتال کرچکو تو قید کرلو اور بعد اسکے یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو جبتک کہ لڑائی بند ہوجاوے پھر خدا چاہے تو بدلا لے اُن سے مگر وہ تمکو جانچتا ہے ٭

غرض کہ مقید کرلینے کے بعد کا معاملہ منحصر ہے احسان رکھکر چھوڑ دینے میں یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے میں - اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں نہ اُن کو غلام بناکر رکھنا نہ اُن کو قتل کرنا۔ چنانچہ ضمیمہ آیت اسی نکتہ پر اشارہ کرتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو اُن قیدیوں سے بدلا لیوے یعنی

انھیں قتل کر دیئے جانے کا حکم دیوے مگر ترک مکافات پر ہر جگہ ترغیب دی گئی ہے اس لیئے وہ تمکو اسی معاملہ میں آزماتا ہے کہ کون احسان رکھکر چھوڑتا ہے اور کون فدیہ لیکر چھوڑتا ہے ٭ (بعض علما نے اس آیت میں یہ دوراندیشی کی ہے کہ قیدیوں کو اگر چھوڑ دیں تو وہ پھر جا کر دہی مفسدہ پردازی اور مسلمانوں کی اذیت شروع کرینگے اس لیئے انھیں قتل ہی کیا جاوے مگر یہ رائے تو صاف اِس حکم کے خلاف ہے اور اس اندیشہ سے یہ تدبیر بھی مناسب نہیں ہے بلکہ اس کا علاج تو پہلے ہی قرآن میں فرمادیا ہے وان تعودوا نعد (انفال) یعنی اگر تم پھر وہی ظلم و زیادتی شروع کروگے تو ہم پھر اپنا بچاؤ کرنے کو تمہاری زیادتی دفع کریں گے اور تمہیں روکیں گے) ٭

غرض کہ قرآن کا اخلاق تمام اور احسان عمیم ہر ایک شخص سے عفو اور بخشش اور درگذر کرنیکا ہے اور خصوصاً مخالفوں کو معاف کرنا علے الخصوص حالت جنگ میں بھی رعایت اور بعد جنگ بھی کمال عنایت اسلام کا طریقہ پسندیدہ ہے۔ اور ایسی الہامیہ تعلیم اور انسان کی ہر حالت اور حاجت کی مقدار اور اندازہ کے موافق اسکی تفصیل سے اسی شریعت کاملہ میں ہی اور بس ٭

اسلام کی دنیوی برکتیں

FOR OBVIOUS EFFECTS WHICH ISLAM HAS PRODUCED UPON THE WELFARE OF MANKIND.

ہم اس مقام پر اسلام کی دنیوی برکتیں بیان کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی اصلاح معاش کی باتیں کیونکر سکھلائیں اور یہ کہ ہمکو اپنے ہمجنسوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہیئے اور باہم کے معاملات میں کس طرح پر برتاؤ عمل میں لانا چاہیئے اور حسن معاشرت کی ترقی کیونکر اسلام کی وجہ سے ظہور میں آئی اور بنی نوع کی بہبودی اور سلامتی اور کافہ انام کی جان و مال کی حفاظت کی کیا وصیتیں فرمائیں اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک کیسے سب کو آزاد قرار دیا اور جملہ

بنی آدم کے امن و امان سے رہنے اور خدا کی برکتوں سے فایدہ مند ہونے کی کیا کیا سبیل ہوئی - اس مضمون کو ہم پہلے حفاظت اطفال سے شروع کرتے ہیں +

۲ - دختر کشی کی بدرسم تو قدیم زمانہ سے تقریباً تمام جہان میں پھیلی ہوئی تھی یونان اور روم کبیر میں جہاں بڑے بڑے حکیم اور اہل ناموس گذرے ہیں یہ رسم پسندیدہ اور معروف تھی - مگر ملک عرب میں خصوصاً اور اَور ملکوں میں عموماً قرآن

Abolished Infanticide.

نے ہی لڑکیوں کی جان بچائی اور تمام جہان میں جہاں تک اسلام کی دسترس ہوئی اُسی نے اُن بے رحم والدین کو جو لڑکی کو مار ڈالتے تھے خدا کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا - اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے دختر کشی کی رسم اسلامی ملکوں سے مٹ گئی اسی کی پُرتاثیر اور خوف خدا دلانے والی تقریر سے قتل موؤدہ کی بیخ کنی ہوئی - اور جہاں اب اسلام پھیلتا جاتا ہے وہاں یہ رسم نسیاً منسیاً ہوتی جاتی ہے - شروع ہی سے قرآن نے اس مہلک رسم کے دفعیہ کا وعظ کہا +

" اذا الموؤدة سئلت باي ذنب قتلت " [۱] - (تکویر) +

۳ - عرب میں جہالت اور حمیت کے غلبہ سے لڑکیوں کا رکھنا ایک سخت ذلت اور اہانت تھی وہ کمبخت اُن لڑکیوں کو یا تو ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا پال پروس کے جیتا گاڑ دیتے تھے +

" اذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هون ام يدسه في التراب [۲] " (نحل)

علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں واعلم انهم كانوا مختلفين في قتل البنات فمنهم من يحفر حفيرة ويدفنها فيها الى ان يموت - ومنهم من ترميها من شاهق جبل - ومنهم من تغرقها - ومنهم من يذبحها -

---

[۱] اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو پوچھے کس گناہ پر ماری گئی +

[۲] اور جب خوشخبری ملے ایسی کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے مونہ اُس کا سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی اور اُسکو رہنے دے ذلت قبول کرکر یا اُسکو داب دے مٹی میں +

وهم کانوا یفعلون ذالک تارۃ للغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ ۔

۴۔ یہ تو ایک خاص صورت لڑکیوں کے قتل کی تھی الا عموماً قتل اولاد بھی قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا۔ افلاطون اور ارسطو یہ دونوں نامی حکیم قتل اولاد کے حامی تھے! ۔ ارسطو کا قول ہے کہ لنگڑے لڑکوں کا پرورش پاجانا قانوناً روکنا چاہیئے اور جب کثرت بنی آدم کو کم کرنا منظور ہو تو جنین میں جان پڑنے سے پیشتر اسقاط حمل کرانا چاہیئے۔ ملک اسپارٹا (یونان) میں یہ قانون تھا کہ جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ شخص اُس کو قوم کے وجوہ و اعیان کے پاس لے جاتا وہ لوگ اُسکو ملاحظہ کرکے دیکھتے کہ وہ تام الخلقت اور تندرست ہے تو اُسے حکم دیتے کہ اس کی پرورش کرے اور اگر اس میں کوئی نقص دیکھتے تو کوہ طیجیتوس کے قعر میں گرا دیتے تھے۔ اہل روما میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ بچے کی پرورش اس کے باپ کی رائے پر موقوف تھی۔ قوم لورش میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ اگر بچے کا باپ چاہے تو اُسے پرورش کرے ورنہ اگر اس میں ضعف و نقص پاوے تو جنگلی جانوروں کو کھلا دے۔ فیجی قوموں میں بھی یہ ہنوز ایک رسم عام ہے۔ ایک سیاح نے بیان کیا کہ ملک وانوالیود کے بعض اضلاع میں تو قتل اولاد کی تعداد کل باشندوں کی ایک نصف سے بڑھکر دو ثلث تک پہونچتی ہے۔ چین اور ہند میں اس کا عام رواج تھا اور ہنوز باقی ہے قرآن نے اس رسم قبیح کی اصل بنیاد برگزشتہ کی اور فرمایا" لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیراً" (اسری) ۳۳+

اولاد کی جان کو ایک اور آفت یہ تھی کہ بے رحم ماں باپ اپنے عزیز ننھے بچوں کو بتوں کی نذر چڑھاتے اور قربان کرتے تھے Human sacrifices۔ علاوہ اور ملکوں کے (مثل انگلستان و ہندوستان وغیرہ) جہاں superseded انسانی قربانی عمل میں آتی تھی عرب میں بھی ایسے حادثات پائے جاتے ہیں۔ پروکوپیوس (مورخ سنہ ۵۰۰ء) کہتا ہے کہ المنذر شقیق بادشاہ حرانی (جسکو یونانی لہجہ میں المنذاروس ھوسکیکی کہتے ہیں) بادشاہ غسان کی ایک بیٹی کو قید کرکے لات یا عزیٰ کی قربانی چڑھا دیا تھا۔ اور یوگرک (مورخ سنہ ۵۰۰ء) نے اسی بادشاہ کی ایک کیفیت لکھی ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے قتل کے کفارہ میں ہر سال

یوم نحس کو آدمیوں کی قربانی کیا کرتا تھا اسی مورخ اور نیز ایواگریوس (سنہ ۶) نے ایک نعمان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں کی قربانی کیا کرتا تھا اور پورفری نے (۳۰۰ ء) مقام دمیتہ میں جسے دومۃ الجندل قیاس کیا جاتا ہے ایسی ہی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور دور کیوں جاؤ۔ عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کو قربانی چڑھائے جانے کی نذر کرنا اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور غالباً بالکل بے اصل نہیں ہے اس قسم کی نذر یہود سے عرب میں آئی ہوگی اُن میں یہ دستور تھا کہ بعض اولاد کو صرف دینی کام کے لیئے مخصوص کر دیتے تھے حضرت مریمؑ بھی اسی قسم سے تھیں ” قالت امراة عمران رب انی نذرت لك ما في بطنی محررا “ (ع ۳) مگر عرب تو اس نذر میں کام ہی تمام کر دیتے تھے[1]۔ اور غالباً اس آیت میں اسی رسم بد پر اشارہ ہے ” وکذلك زین لكثیر من المشركین قتل اولادھم شركائهم لیردوھم ولیلبسوا علیهم دینهم “[2] (انعام - ۱۳۸)

۶ - جب اس طرح لڑکوں کی جان بچانے کا سامان کر دیا تو اب اسلام نے اُن کے مال کی حفاظت اور یتیموں کی جائداد اُن کے متولیوں کی خورد بُرد سے محفوظ رکھنے کے لیئے یہ احکام صادر کیئے اور عموماً اُن سے شفقت اور اکرام کرنے کا حکم دیا۔

Orphans protected against injustice.

ا - ” کلا بل لا تکرمون الیتیم “[3] (فجر)

ب - ” فاما الیتیم فلا تقهر “ (ضحی)

---

[1] اور ایڈورڈ گبن مورخ نے پچاسویں باب میں لکھا ہے (ص ۲۱۳ سنہ ۱۸۶۲ء) کہ انسان کی جان کسی عام آفت کے دفعیہ کے لیئے سب سے عمدہ قربانی ہے۔ فنیقا اور مصر اور روما اور قرطاجنہ کے مذبح انسانی خون سے آلودہ رہتے تھے اور عربوں میں بھی یہی بے رحم رسم مدت سے جاری تھی اور تیسری صدی میں ہر سال ایک لڑکا قبیلہ دسیاتیہ کا قربان ہوا کرتا تھا۔ الخ

[2] اور اسی طرح بھلی دکھلائی تھی مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ اُن کو ہلاک کریں اور اُن کا دین غلط کریں ؏

[3] ا - پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کی ؏

ب - سو جو یتیم ہو اُسپر قہر نہ کر ؏

ج "واتوا اليتامى اموالهم ولا تتبدلوا الخبيث بالطيب ولا تاكلوا اموالهم
الى اموالكم انه كان حوبا كبيرا "[1] - (نساء)

د "ان الذين ياكلون اموال اليتامى ظلما انما ياكلون في بطونهم
نارا " (نساء)

ﮦ "ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي احسن حتى يبلغ اشده" (انعام)

و "وابتلوا اليتامى حتى اذا بلغوا النكاح فان انستم منهم رشدا فادفعوا
اليهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا وبدارا ان يكبروا ومن كان غنيا فليستعفف
ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف " (نساء)

ز "وما يتلى عليكم في الكتاب في يتامى النساء التي لا تؤتونهن ما كتب
لهن وترغبون ان تنكحوهن والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان
وان تقوموا لليتامى بالقسط " (نساء - ۱۹ ع)

۷ - اس پچھلی آیت سے یہ پایا گیا کہ جو لوگ نابالغ اور یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے ولی ہوتے
تھے وہ اُن سے اَور اَور طرح سے تو جور و ظلم کرتے ہی
تھے مگر ایک صورت خاص اور رواج عام یہ بھی تھا کہ
یتیم لڑکیوں سے شاید اُن کی نابالغی ہی کے زمانہ میں

Guardians interdicted to marry their minors

[1] ج - اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کے مال اور نہ بدلو گندہ ستھرے سے اور نہ کھاؤ اُن کے مال
اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بہت بڑا وبال ؀

د - جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں ؀

ﮦ - اور پاس نہ جاؤ مال یتیم کے مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہونچے اپنی قوت کو ؀

و - اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہونچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ
کرو اُن کے مال اور کھا نہ جاؤ اُن کو اڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی غنی ہے تو چاہیے
بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے موافق دستور کے ؀

ز - اور جو تمکو سناتے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا (جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کا مقرر ہے اور چاہتے
ہو کہ نکاح میں لو) اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ کہ قایم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر ؀

نکاح بھی کر لیتے تھے اور اُس میں اُن یتیموں کی کئی طرح سے حق تلفی ہوتی تھی اور جبکہ اُن سے مقصود صرف اُن کا مال لے لینا ہوتا تھا[1] تو حقوق زوجیت کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے لہٰذا اُن لوگوں کو جن کی ولایت میں یتیم لڑکیاں تھیں منع کر دیا تھا کہ جن کے ولی ہوں اُن سے نکاح نہ کریں چنانچہ جس مقام سابقہ کا حوالہ اس آیت کے الفاظ "وما یتلی علیکم فی الکتاب" میں ہے "فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب[2] لکم من النساء مثنٰی وثلث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم" (نساء)

یعنی اگر تمکو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لینے سے ان میں انصاف نہ کروگے تو نکاح کرلو بالغ عورتوں سے دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھوگے تو ایک ہی یا جن کے (یعنی جن یتیموں کے) تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے (نکاح سے)۔

چونکہ یہ ہر ایک صاحب شریعت وناموس و اہل قانون کا دستور ہے کہ قانون کے خلاف جو صورتیں ظہور میں آچکی ہیں اُن کو اکثر تو بحال و برقرار رکھا جاتا ہے اسیطرح گو اُن کو یتیموں یا نابالغوں سے نکاح کرنا (ان قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے جن کا بیان ہوا ہے) منع کیا مگر جو یتیم لڑکیاں ان کی ملک نکاح میں آچکی تھیں اُن کو ویسے رہنے دیا اور اسی آیت کے

---

[1] وکان الرجل منهم یضم الیتیمة الی نفسه ومالها وان کانت جمیلة تزوجها واکل المال وان کانت ذمیمة عضلها عن التزوج حتی تموت فیرثها ۔ مدارک التنزیل۔

صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اپنی سند سے روایت کی ہے اخبرنا عبد الواحد الملیحی انا احمد بن عبد اللّٰه النعیمی انا محمد بن یوسف انا محمد بن اسمٰعیل انا ابو الیمان انا شعیب عن الزهری قال کان عروة بن الزبیر یحدث انه سال عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء قالت هی الیتیمة تکون فی حجر ولیها فیرغب فی جمالها ومالها ویرید ان یتزوجها بادنی من سنة نسائها فنهوا عن نکاحهن الا ان تقسطوا لهن فی اکمال الصداق وامروا بنکاح من سواهن من النساء الخ۔

[2] وقیل ان خفتم الا تقسطوا فی نکاح الیتامٰی فانکحوا من البالغات یقال طابت الثمرة ای ادرکت (مدارک)

اخیر میں علاوہ اور تقییدوں کے پھر بھی ان ملک نکاح میں آئی ہوئیں یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف کی وصیت فرمائی ۔ وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط ؎

اَب یہاں پر عموماً دو اعتراض وارد ہونگے ۔ (۱) یہ کہ ماملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد ہیں ۔ (۲) یہ کہ اس تقریب سے جیسے ہم نے معنی لیئے ہیں او بمعنی اِلّا ہوا جاتا ہے ؎

پہلے شبہ کا جواب تو ہم یہ دیتے ہیں کہ جبکہ ملک یمین کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے اور نساء کے لفظ میں تو لونڈیاں بھی آگئیں اسلیئے اب مکرر اس لفظ سے لونڈیاں لینی فضول ہیں ۔ اور یہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ حرف ما صرف غیر ذوی العقول کے لیئے آتا ہے اور لونڈیاں کچھ انوثیت کی وجہ سے اور کچھ خرید و فروخت ہونے کی وجہ سے بہائم کی قسم میں ہیں کیونکہ اسی جگہ نساء پر بھی ما کا حرف آیا ہے "ماطاب لکم من النساء" اور اس کے علاوہ خدا پر بھی یہی لفظ آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے "ولا انتم عابدون ما اعبد" ؎

اور دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ اوّلاً یہاں پر اوْ بطریق تخییر بین المعطوفین ہے جیسکہ اور جگہ بھی قرآن میں اسی صورت سے آیا ہے چنانچہ "ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک" پس ایسے ہی اُن لوگوں کو جو اپنی ولایت کی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرچکے تھے اختیار تھا کہ یا اُن کو رہنے دیتے اور آیندہ کو پرہیز کرتے یا چاہتے تو انھیں سے کنارہ کرتے ۔ اور ثانیاً اَوْ استثنا کی صورت میں بھی تو آتا ہے چنانچہ بقر ۳۱ ع میں "ولاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ" ؎

Polygamy curtailed and restricted not on one side but on many sides.

۸ ۔ ہرچند کہ کثرت ازدواج قانون قدرت اور نظام الٰہی کے خلاف نہیں اور بعضے ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر اور وہاں کے رہنے والوں کی طبیعت کا مقتضا اس کے جواز کا باعث ہے مگر عرب میں یہ اکثار بھی بہت بے موقع اور حد کے درجہ پر تھا ۔ اور چونکہ ازدواج کا معاملہ انسان کی تہذیب معاش اور حسن معاشرت میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے لہذا اسلام نے اُس میں بھی اصلاح ضروری تصور کی اور کلام الٰہی میں بڑی حکمت سے "فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع" کہکر کثرت ازواج کے عدد کو بہت کم کرکے گھٹا دیا ۔ اور نیز "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" میں عدالت کی ایسی سخت اور مضبوط قید لگادی جو درحقیقت ہر ایک کو کثرت

ازواج پر جرأت نہ کرنے دیگی اور بعد اس کے خود تنزیل میں ایسی عدالت کے قایم نہ رکھ سکنے اور اس کے قایم کرنے کی حرص کرنے پر بھی قاصر رہنے کا مذکور فرما دیا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقہ" لہ + (نساء)

Polygamy discouraged.

اور آیت " ذلك ادنی ان لا تعولوا " میں بھی ممانعت کثرت ازواج پر حسب تفسیر امام شافعیؒ اشارہ پایا جاتا ہے - تفسیر بیضاوی میں ہے وفسر بان لا یکثر عیالکم + + + ولعل المراد بالعیال الازواج - اسی صورت میں اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تمھاری بیبیاں بہت نہ ہو جاویں چنانچہ جس شخص کی عورتیں زیادہ ہوں تو کہتے ہیں اعال الرجل - مگر اس محاورہ پر باب اعال یعیل سے تعیلوا ہونا چاہیئے - کہتے ہیں کہ حمیر کی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں یعنی تعولوا بمعنی تعیلوا - یہی تفسیر امام شافعیؒ نے اختیار کی ہے اور طلحہ بن المطرف نے بھی اس آیت کو تفسیر کے طور پر تعیلوا بیان کیا ہے اور ایسے ہی طاؤس نے بھی +

تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال الشافعي ان لا یکثر عیالکم وما قاله احد انما یقال اعال یعیل عالة اذا اکثر عیاله - وقال ابو حاتم کان الشافعي رضي الله عنه اعلم بلسان العرب منا فلعله لغة - ویقال هي لغت حمیر - قرء طلحة بن المطرف ان لا تعیلوا - وهي حجة لقول الشافعي رضوان الله +

اور تفسیر کبیر میں ہے نقل عن الشافعي رضي الله عنه انه قال " ذلك ادنی ان لا تعولوا " معناه ادنی ان لا یکثر عیالکم + + + ومن المشهور ان طاؤس کان یقرء ذلك ادنی ان لا تعیلوا - اور نیز امام فخر الدین رازیؒ نے اچھی طرح رد کیا ہے ان اعتراضوں کو جو بعضے مقلدین نے اس بحث میں امام شافعیؒ پر کیئے تھے (دیکھو تفسیر سورہ نساء آیۃ ۳) +

لہ اور تم ہرگز عدالت یعنی برابری نہ رکھ سکو گے عورتوں میں اگرچہ اس کا شوق بھی کرو سو بہرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی +

[redacted]

مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو یہ سمجھتے ہونگے کہ اسلام نے کثرت ازدواج میں ایسی اصلاح فرمائی ۔

ساواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے سورہ نساء کے ذیل میں لکھتا ہے کہ "جب یہ آیت " فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ " نازل ہوئی تو عرب کے لوگوں میں اکثر پاس آٹھ آٹھ اور دس دس عورتیں تھیں اور وہ اُن سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے کثرت ازدواج کا ممالک مشرق میں ہمیشہ دستور رہا ہے ۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسے گھٹا کر بہت کم کردیا " انتہی ۔ اور ہمارے ہیاں کی روایتیں بھی اسی کی مؤید ہیں ۔ احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کی ہے ۔ ان غیلان بن سلمۃ الثقفی لما اسلم ولہ عشر نسوۃ فی الجاھلیۃ فاسلمن معہ فقال النبی صلعم امسک اربعاً وفارق سائرھن ۔ اور شرح السنۃ میں روایت ہے عن نوفل بن معاویۃ قال اسلمت وتحتی خمس نسوۃ فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فارق واحدۃ وامسک اربعاً [1] ۔

ٹامس کارلئل ایک مشہور عالم محقق کا قول اس مقام پر نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا ۔ وہ لکھتے ہیں اسلام کی میل الی الشہوات کی نسبت بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہ اعتراضات انصاف کی حد سے بڑھکر ہیں ۔ وہ پروانگیاں جو ہمکو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جنکی اجازت انہوں نے دی وہ خاص اُن کی ایجاد نہ تھیں اُنھوں نے ان باتوں کو عرب میں قدیم الایام سے مروج اور غیر معیوب پایا مگر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ کیا وہ یہ کیا کہ اُن کو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے (لکچر ۲ صفحہ ۶۴ مطبوعہ ۱۸۷۱ء) ۔

[1] یہ روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں ۔ اِن کا مطلب یہ ہے کہ غیلان کے پاس دس عورتیں تھیں تو نبی صلعم نے فرمایا کہ چار رہنے دو باقی کو جُدا کرو اور نوفل کے پاس پانچ تھیں ان سے بھی ایسا ہی کہا گیا ۔

نحمیا اور عزیر نبیوں نے بھی اس قسم کے حکم دیئے چنانچہ جن یہودیوں نے خلاف توریت اجنبی عورتوں سے نکاح کرلیئے تھے وہ چھوڑوا دیئے (صحیفہ عزرا باب ۱۰ ورس ۱۱ و ۱۲ و ۱۹)

۹- سورہ نسا کی ۳- آیت جو پچھلی دفعہ میں نقل ہوئی اور جسکی بحث ۷ دفعہ میں ہو چکی ہے چار عورتوں تک کے حکم میں بہت صاف ہے اور عورتوں میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں- اور ہر ایک شخص جس کو بیہودہ کے مسائل مخترعہ اور ایام جاہلیت کی رسم کی تقلید اور سبق ظن نہو وہ قرآن کے لفظوں سے تو ایسا ہی سمجھیگا- چنانچہ جارج سیل مترجم قرآن (مات ۱۷۳۶ء) نے مقدمہ کتابت اور ذیل سورۂ نسا میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ ازواج اور سراری یعنی بیبیاں اور لونڈیاں یہ دونوں اس قید اربع بدیں محدود ہیں فقط مگر اب رسم تو یہ پڑی کہ لونڈیوں کیواسطے کوئی تعداد ہی نہیں!! تاہم ہمکو فقہا اور اہل الرائے کا اسقدر شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اُنھوں نے آزاد عورت پر لونڈی کو جمع کرنا جائز نہیں کیا- امام ابوحنیفہ اسی کے قایل تھے چونکہ اجتہادی بات قرار پائی اس لیئے اور علما شیعہ و سنی نے کچھ انکار کچھ اقرار کیا مگر آؤ ہم قرآن کو تو دیکھیں اُس میں کیا ہے- پانچویں پارہ کے شروع میں لکھا ہے-

Concubinage discouraged.

"ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات * * * * * ذلك لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم[۲]"

اسمیں فتیات مومنات سے نکاح کی اجازت تو ہے مگر تین شرطوں سے- (۱) جبکہ

---

[۱] ان الآیۃ صریحۃ فی انحصار سبب الاباحۃ فی القسمین المذکورین وهما الزواج وملك الیمین علی سبیل انفصال الحقیقی ای اما زواج او ملك یمین بحیث لا یجتمعان ولا یرتفعان"

کنز الدقائق تفسیر آیات الاحکام- کتاب النکاح
(ذیل آیت والذین هم لفروجهم حافظون)

[۲] یعنی جس کو مقدور نہو آزاد بیبیوں سے نکاح کرنے کا تو مسلمان لونڈیوں کو ملک نکاح میں لے آوے * * * یہ اس کے واسطے جو کوئی ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں *

آزاد عورت سے نکاح کا مقدور نہو (۲) بے نکاح رہنے میں زنا میں پڑجانے کا اندیشہ ہو[له]
(۳) وہ لونڈیاں مسلمان ہوں +

پہلی شرط تو وہ بات جاتی رہی کہ بیبیاں بھی ہوں اور لونڈیوں کا بھی ریوڑ بھرا جاوے اور تیسری شرط سے وہ بات جاتی رہی کہ لڑائی میں مشرک عورتوں کا گلا پکڑ لائے اور انپر تصرف کیا +

پس لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ عین حکمت و مصلحت ہی تھا اور بعہذا اسکی قباحتیں بہت واضح اور صاف ہیں اسی لیئے ضرورت شدید اور ناچاری کا یہ علاج ہی تھا +

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں الایۃ دالۃ علی التحذیر من نکاح الاماء و انہ لا یجوز الاقدام علیہ الا عند الضرورۃ والسبب فیہ وجوہ[سله] ++ فلهذہ الوجوہ ما اذن اللہ فی نکاح الامۃ الا علی سبیل الرخصۃ +

[له] ولم یختلفوا فی ان ذلك راجع الی نکاح الاماء فکانہ قال فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ذلك لمن خشی العنت منکم وهو الضرر الشدید[لشیاق] السباق قال فیما رخص فیہ من مخالطہ المناهی " واللہ یعلم المفسد من المصلح ولوشاء اللہ لاعنتکم ای یشدد الامر علیکم والزمکم التمیز طعامکم من طعامهم تلحقکم بذلك ضرر شدید - وقال ودوا ما عنتم فقد بدت البغضاء من افواههم - اے احبوا ان تقعوا فی ضرر الشدید - وللمفسرین فیہ قولان - احدهما ان الشبق والشدید والغلمۃ العظیمۃ ربما یحملہ علی الزنا فیقع فی الحد علی الدنیا والعذاب العظیم فی الاخرۃ فهذا هو العنت +

والثانی ان الشبق الشدید والغلمۃ عظیمۃ قد یتادی الی اختناق الرحم واما فی حق الرجال فقد یتادی الی اوجاع الورکین والظهر والاکثر علی الوجہ الاول لانہ هو الالیق ببیان القرآن + تفسیر کبیر

[سله] لونڈیوں سے نکاح کی مضرتوں میں پانچ وجہیں امام رازی نے لکھی ہیں جن کو ہمنے متن میں چھوڑ دیا ہے - اُن کا خلاصہ یہ ہے (۱) جو اولاد ہوگی وہ بھی رقیق ہوگی (۲) وہ لونڈی باہر نکلنے پھرنے اور

مگر پھر بھی کلام الٰہی میں یہی حکم ہے کہ ان تین شرطوں کی رعایت پر اگر لونڈیوں سے نکاح نہ کیاجاوے تو بہتر ہے" وان تصبروا خیر لکم" تفسیر کبیر میں ہے (مسئلہ) المراد ان نکاح الاماء بعد رعایۃ الشرایط الثلثۃ اعنی عدم القدرۃ علی التزوج بالحرۃ وخوف العنت وکون الامۃ مومنۃ الاولی ترکہ لما بینا من المفاسد الحاصلۃ فی ھذا النکاح - اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں ہے وصبرکم عن نکاح الاماء متعففین خیر لکم لان فیہ ارقاق الولد ولانھا خراجۃ ولاجۃ ممتھنۃ مبتذلۃ وذلک کلہ نقصان یرجع الی الناکح ومھانتہ والعزۃ من صفات المومنین وفی الحدیث الحرایر صلاح البیت والاماء ھلاک البیت +

۱۰ - یہاں پر فوراً یہ اعتراض پیش ہونگے کہ جب لونڈیوں کی اولاد میں ایسی ذلت اور اہانت ہے تو کیا گمان کیا جاوے اُن بزرگوں کے حق میں مثلاً حضرت اسمٰعیل جو ہاجرہ سے تھے حضرت ابراہیم بن النبی جو ماریہ قبطیہ سے تھے یا محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ یا شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا مادر ایمہ البیت تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کو لونڈی سمجھنا بے وجہ ہے وہ کسی طرح پر لونڈی نہیں ہوسکتیں - عوام یہود تو ضرور اس امر میں تعصب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی روایتیں اس امر خاص میں اس وجہ سے اعتبار کے قابل نہیں کہ اصل لفظ اصحاب یا آیمہ نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کچھ ہی فرمایا ہو مگر چونکہ راویوں کی عقل اور دماغ میں ملک یمین سمارہا ہے اور یہود نے بھی ایسا مشہور کر رکھا ہے پس وہ خواہ مخواہ روایت بالمعنی میں لفظ جاریہ یا ملک یمین ہی کہینگے - مگر یاد رہے - کہ ربانیین یہود کی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں اور اُسنے ابراہیم علیہ السلام

غیروں سے میل جول رکھنے میں ناشایستہ ہوجاویگی (۳) اُس لونڈی کے مالک کا حق اسپر اُسکے شوہر سے زیادہ ہے پس وہ اپنے شوہر سے باخلاص نہیں مل سکتی (۴) اگر اُس کا مالک اُس کو کسی اَور کے ہاتھ بیچڈالے تو یا تو نکاح ٹوٹ جاویگا یا مالک جدید کہیں کا سفر کرے تو وہ ساتھ جاویگی بہرحال شوہر کو بڑی مضرت پہونچیگی (۵) اگر اُس کا مہر مقرر ہوا ہوگا تو اُسے اختیار نہوگا کہ مہر بخشدے ان وجوہ پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی + بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲

کی کرامت اور بزرگی دیکھکر اُن کو اُنھیں دیا تھا۔ (دیکھو کتاب برشیت رباہ ۱۵) علاوہ ازیں جن عورتوں کی نسبت کتب عہد عتیق میں لکھا ہے کہ حرم تھیں (جیسے ہاجرہ) تو وہ لفظ فقہ کی اصطلاحی ملک یمین کے ہم معنی نہیں ہے۔ وہ تو شرعی بیبیاں تھیں جو حقوق زوجیت میں پہلی بی بی کے برابر ہوا کرتی تھیں۔ فرق اتنا ہی تھا کہ انتظام خانہ داری میں پہلی ہی بی بی کو دخل رہا کرتا تھا۔ اور اگر یہ دوسری بی بی جو حرم کہلائی پہلے خادمہ تھی تو بعد نکاح بھی بدستور خدمت کرتی رہتی تھی (دیکھو تفسیر پارن جلد ۳ صفحہ ۴ ب ۳) +

Maria the coptic was not a concubine-rather an imaginary personage.

اور ماریہ قبطیہ سے ابراہیم بن النبی کا پیدا ہونا ایسا تاریخی واقعہ اور قطعی مثال نہیں ہے جس سے وہ ذلت اور خرابی لازم آوے جو اولاد ام ولدیں لازم آتی ہے کیونکہ (۱) ماریہ تین عورتوں کا نام روایتوں میں ہے اور یہ تینوں یا دونوں خادم النبی کہلاتی ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے تین نام لکھے ہیں۔ ابن مندہ نے ایک ماریہ جسکی کنیت ام الرباب ہے اور دوسرے ایک اَور ماریہ خادم النبی الگ الگ لکھی ہیں اور ان سے روایت کی ہے مگر ابو نعیم نے دونوں کو ایک کر دیا ہے اور ماریہ قبطیہ ہنوز علیحدہ ہیں۔ ایسے اختلافوں سے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کیا تھا (۲) یہ بھی قطعی نہیں کہ ماریہ کے پیٹ سے ابراہیم بن النبی پیدا ہوئے ہوں علی ابن الحسین جنید الرازی نے اپنی تاریخ میں ابراہیم کو بطن خدیجہ سے لکھا ہے اور ماریہ کا ذکر بھی نہیں کیا اور ابن مندہ نے لکھا ہے۔ "واستسرے جاریۃ قریظیۃ فولدت لہ ابراھیم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کسی قید کی ہوئی لونڈی یہود قریظیہ سے پیدا ہوئے تھے (۳) ماریہ کی بعض مخصوص رعایتیں از قسم ضرب حجاب وغیرہ جو روایتوں میں ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ ماریہ سے لونڈیوں کی طرح پیش نہیں آیا جاتا تھا بلکہ بیبیوں کی طرح (۴) ایک عیسائی بادشاہ کا ایک نبی کو دو چھوکریاں تحفہ میں بھیجنی محض خلاف قیاس اور تعجب انگیز ہے (۵) ماریہ قبطیہ از قبیل عامہ اماء نہیں ہو سکتیں وہ کسی لڑائی میں قید نہیں ہوئیں اور نہ وہ خریدی یا فروخت ہوئیں بلکہ مدینہ میں آنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں (دیکھو ابن سعد کی روایت کتاب الاصابہ میں) ان وجوہ پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ماریہ ایک خادمہ ہونگی اور انھیں کی کنیت بھی ام الرباب بھی ہوگی اور اسی کو ابن سعد وغیرہ نے اپنے خیال سے کہدیا کان یطاھا بملک یمین +

زیادہ تعجب کی چند وہ غیر صحیح روایتیں ہیں جن کو اصحاب صحاح نے روایت نہیں کیا مگر اَور لوگوں نے روایت کی ہے کہ نزول سورہ تحریم کا سبب ماریہ قبطیہ کو ایک مرتبہ حرام کر لینا تھا ❊

That a Chapter of the Koran was revealed in the affair of maria the coptic is utterly wrong.

یہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سخافت اور اسارت ادب سے خالی نہیں ہے۔ مگر ہمکو نقلاً بھی اُس کی صحت میں کلام ہے (۱) اس وجہ سے کہ عمائد اہل صحاح مثل بخاری و مسلم صاحب الصحیحین نے اس قصہ کی روایت نہیں کی اور اُن کا باوجود ضرورت اور حاجت کے اس قصہ کو طرح دینا اُس کی بے اعتباری کی دلیل ہو سکتا ہے۔ (۲) انھیں اہل صحاح نے اسی سورہ تحریم کی شان نزول میں نہ صرف یہی کیا کہ اس قصہ کو باوجود احتیاج چھوڑ دیا ہو بلکہ اسکے معارضہ میں ایک اَور ہی سبب یعنی تحریم عسل کی روایت کی ہے (۳) تحریم ماریہ کی سب روایتیں اخبار احاد ہیں (۴) معنعن ہیں (۵) بعضی مرسل بھی ہیں (۶) کوئی بھی ان میں سے مرفوع نہیں۔ اور ایسی روایتوں سے گو فقہی احکام کا استنباط ہوا کرے مگر قطعیت واقعہ اور تاریخی حالات کے ثبوت میں یہ اخبار بالکل غیر مفید عام ہیں ❊

اَب ہم اس میں تھوڑی سی توضیح تفصیلی بھی کرتے ہیں (۱) نسائی نے جو انس سے روایت کی ہے اُسمیں ماریہ کا نام نہیں (كانت له امة يطأها فلم يزل به حفصة وعايشة حتى حرمها) بس کچھ مفید نہیں (۲) طبری نے زید بن اسلم تابعی سے روایت کی ہے مگر اس روایت میں قطع نظر اس سے کہ ام ابراہیم کی کنیت میں اختلاف ہے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ روایت مرسل ہے اور اسی لیئے ضعیف ہے۔ علامہ سیوطی نے تدريب الراوي شرح تقريب النواوی میں لکھا ہے۔ ثم المرسل حديث ضعيف لا يحتج به عند جماهير المحدثين كما حكاه منهم مسلم في صدر صحيحه وابن عبد البر في التمهيد وحكاه حاكم بن مسيب ومالك والشافعي وكثير من الفقها واصحاب الرسول والنظر للجهل بحال المحذوف لانه يحتمل ان يكون غير صحابي واذا كان كذلك فيحتمل ان يكون ضعيفا وان اتفق ان يكون المرسل لا يروي عن ثقة فالتوثيق مع الابهام غير كاف كما سياتي۔ ولان اذا كان المجهول المسمى

لایقبل فالمجهول عیسنا وحالا اولی - (۳) طبرانی نے اور ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے معنعن روایت کی ہے جس میں تحریم ماریہ کا ذکر ہے مگر وہ خبر معنعن ہے اور وہ ویسی ہی غیر معتبر ہے جیسی مرسل (۴) طبرانی کی ایک اَور روایت میں طریق الضحاک عن ابن عباس الخ ہے اور ضحاک کثیر الارسال ہے اور اُسکی روایت ابن عباس سے بلا واسطہ نہیں ہے قال الزین العراقی والضحاک لم یسمع من ابن عباس - اور علامہ سیوطی نے اتقان فی علوم القران میں لکھا ہے وطریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاک لم یلقه - پس روایت منقطع غیر صحیح ہے + (۵) سعید بن منصور نے ابی مسروق اور حضرت عمرؓ سے جو روایت کی ہے اُسمیں ماریہ قبطیہ کا نام نہیں اور وہ روایتیں معنعن ہیں - پس ضعیف ٹھہرینگی اور نیز اصل راویوں نے اپنا ماخذ نہیں بیان کیا +

ایک تالیف جدید میں قصہ تحریم ماریہ کے ثبوت میں بڑا اہتمام کیا گیا مگر حاصل کچھہ نہیں ہوا صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں صحیح بخاری میں ہے باب "لم تحرم ما احل الله لك" عن سعید بن جبیر انه اخبرہ انه سمع ابن عباس یقول اذا حرم امراته لیس بشیئ وقال لکم فی رسول الله اسوة حسنة - قال الشارح واشار ذلك الی قصة ماریہ انتہی - مگر اسمیں سارا زور وشور مستدل کا شارح کے قول پر ہے مگر وہ شارح کا صرف خیال ہے ممکن ہے کہ تحریم عسل کی طرف اشارہ ہو +

دوسری روایت اُنھوں نے نقل کی روی النسائی عن سعید بن جبیر ان رجلا سال ابن عباس فقال انی جعلت امراتی علی حراما فقال کذبت لیست علیك الحرام ثم تلی یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لك +

مگر اس میں تو قصہ ماریہ کا کہیں سان وگمان بھی نہیں - ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسمیں عموم لفظ قرآن سے استدلال کیا - یہ کچھہ ضرور نہیں کہ سبب بھی خاص کر یہی ایک ہو - علامہ سیوطی لکھتے ہیں اختلف اهل الاصول هل العبرة لعموم اللفظ او بخصوص السبب والاصح عندنا الاول وقد نزلت ایات فی اسباب واتفقوا علی تعدیتها الی غیر اسبابها الخ +

اب ان روایتوں کے سوا اگر اَور کوئی سند اس قصہ باطل کی پیش ہوگی تو اس میں بھی انھیں ضوابط اور قواعد سے نظر کی جاویگی +

اور والدہ محمد بن حنیفہ کی مثال بھی بالکل غلط ہے کیونکہ وہ لونڈی نہ تھیں اور نہ اُنپر حضرت
علیؑ نے لونڈی کے طور پر تصرف کیا چنانچہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی تصنیفات میں
صاف لکھا ہے "لم یستبحہا بالسبی بل نکحہا و مہرہا" +

اور حضرت شہربانو بھی ملک یمین نہیں تھیں بلکہ وہ مدینہ میں آتے ہی قید سے رہا ہو گئیں
تھیں دیکھو مناقب ابن شہراشوب اور بحار الانوار کی ۱۴ جلد +

(۱۱) عورتوں کے حق میں آزادی بہبودی تہذیب اور عفت لباس میں احترام
(سورہ نور) اور اُن سے گفتگو میں ادب (ولا تواعدوا
هن سراً الا ان تقولوا قولاً معروفا - ۲ ح) کے
احکام جاری کیے اور ایسے احکام ان کی حالت کے
موافق اور مناسب صادر کیے جو حکماء سابقین سے نہ ہو سکے تھے اور ایسے ایسے احکام
جن کو بجز اُس خالق حقیقی کے جو مرد اور عورت کی فطرت اصلی سے واقف اور اُن کا بنانیوالا
ہو اور کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا - جو بدرسمیں اور قبیح رواج عورتوں کی نسبت تھے اور جو کچھ
اُن کے حق میں ظلم و زیادتی مردوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی ان سب باتوں کی اصلاح کی

Islam elevated and improved the state of female sex

جاہلیت کی بدرسموں میں سے ایک یہ رسم عام تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اُسکی
سب بیبیوں کا جبراً اور کرہاً وارث ہوا کرتا تھا اور اُن سے نکاح بھی کر لیتا تھا مگر ان سب
قبیح اور مکروہ دستوروں کو قطعاً موقوف کیا +

" یا ایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرہا " اور " ولا تنکحوا ما نکح
اٰباؤکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا " + (نساء)

ایک مقام پر آنریبل ولیم میور صاحب اپنی سیرت محمدی (جلد ۳ صفحہ ۳۰۳) میں اس کا
اعتراف کرتے ہیں کہ ایک امر خاص میں محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے
چھڑایا وہ یہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کا وارث ہوا کرتا تھا +

یہ رسم جیسکہ قدیم سے ہوتی آئی تھی اُس وقت میں بھی اسکی ایک مثال ہے یعنی زید
بن آمر بن نفیل اور حضرت عمر ابن خطاب بن نفیل باہم چچیرے بھائی اور ایک حساب سے
چچا بھتیجے تھے یعنی آمر نے اپنے باپ کی بیوہ جیدہ سے نکاح کیا اور اُس سے زید ہوا جو آمر کا
بیٹا اور نفیل کی بیوی کا بھی بیٹا ہوا (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۲) جو جو ایسی صورتیں ہوئیں اور جو

اور بھی اُس وقت موجود ہونگی وہ ماقد سلف کے حکم میں ہیں بنی اسرائیل بھی ایسا کرتے تھے ۔ (۲۔صمو ۲۲)

۱۱۔ عورت کو قرآن نے جملہ حقوق اور اختیارات میں مرد کے ہم مرتبہ اور تمام قابلیتوں میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے ؛

"لھن مثل الذی علیھن بالمعروف"[1] (جلد ۲)

"للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن"[2] (نساء ۵ ع)

بجز اس ایک قدرتی فوقیت کے جو صانع مطلق نے مرد کو عورت پر دی ہے ؛

"الرجال قوامون علی النساء"[3] (۵ ح ۳ ع)

"وللرجال علیھن درجۃ"[4] (بقر ۲ ح ۲۸ ع)

عورتوں کے حقوق کے باب میں قدیم رسوم سے قطع نظر کر کے صرف انگلستان کے قانون کو دیکھا جاوے کہ ان لوگوں نے باینہمہ اصلاح و تہذیب عورتوں کے حق میں کیسے جور اور حیف کو جایز رکھا ہے اور مردوں کی خودرائی کے تابع کر دیا ہے ۔ نکاح کے بعد بہت سے احکام میں عورت کی ذات ہی نہیں قایم رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستہلک ہوگئی وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی اور اُسکی ذاتی جائداد جو قبل نکاح سے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک میں آتی ہے اور اُسے اختیار رہتا ہے جیسے چاہے اُسے صرف کر دے ۔ عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لیئے ضروریات خرید کرلے یا منگوا بھیجے ۔ گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر رسم انگلستان میں اسکی تعمیل کرا پانے کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ عورت کو روٹی کپڑے کی نالش کر سکنے کا حق ہے مگر کچھ ضمنی صورتیں نکالی گئی ہیں ۔ اور نیز بہت سے مدارج بدسلوکی اور اذیت کے ایسے ہیں جن کا کچھ چارہ نہیں نہ عورت کی کوئی فریاد سُنتا ہے نہ عدالت کچھ کر سکتی ہے ۔

---

[1] عورتوں کا بھی حق ہے جیسا اُن پر حق ہے موافق دستور کے (بقر ۲۸ ع)

[2] مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے (ح ۵)

[3] مرد حاکم ہیں عورت پر ؛

[4] مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے ؛

گو عورت اپنے شوہر سے مفارقت کرکے عرصہ سے الگ رہے مگر جو کچھ جائداد وہ حاصل کریگی وہ شوہر ہی کی ہوگی اگر عورت پیشتر سے کچھ بندوبست نہ کرلے تو عورت کا وہ مال و اسباب جو اُس نے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرض خواہ اُسے لے سکتے ہیں۔ مرد کو اپنی کُل جائیداد کا اختیار حاصل ہے چاہے وہ اپنے حین حیات غیروں کو دیجاوے عورت کو کچھ نہیں مل سکتا۔ جب ایسے دستور جاری ہوں اور مرد تنک مزاج اور موم کی ناک ہو تو عورت کی بڑی حق تلفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بعضی باتوں میں عورتوں کی رعایت اور مردوں کی حق تلفی بھی ہے۔ جرائم سنگین میں تو نہیں مگر اور جرموں میں اگر عورت اور مرد دونوں اُس کے مرتکب ہوئے ہوں تو عورت سزایاب نہوگی احصان کی وجہ سے عورت کو یہاں تک پروانگی ہے کہ زنا کی سزا سے بھی محفوظ ہے!! اور اگر عورت اپنے شوہر کا کیسا ہی مال و متاع لیجاوے تو اکثر صورتوں میں تو دونوں میں سے ایک بھی سزا نہ پاوے۔ غرض یہ سب افراط اور تفریط کے بے موقع قانون ہیں جن کی مہذب قومیں پابند ہیں گو اب اُس کے ابطال کے لیئے بہت کچھ زور مارتی ہیں۔ اور اُسکی شناعت اور قباحت رفع کرنے کو حیلے بھی پیدا کیئے ہیں مگر وہ امیروں کے لیئے۔ اوسط اور ادنےٰ درجہ کی قومیں اُن سے محروم ہیں البتہ اسکاٹ لینڈ کے قانون بعض باتوں میں کچھ معقول ہیں مگر پھر بھی سب کے سب احکام الٰہی اور وحی کی اصلاح کے محتاج ہیں ۔

۱۳۔ تمام ممالک ایشیا میں خصوصاً یہودیوں اور یونانیوں میں نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا تھا کہ بیاہ کرنیوالا لڑکی کے باپ کو ایک رقم معین دیتا تھا پیدایش ۳۴ و ۱۲۔ اصول ۱۸ و ۲۵۔ اور ہوسیع نبی نے اپنی بیوی پندرہ روپیہ اور ڈیڑھ حمر جو کو خریدی تھی (ہو ۳) اور اب تک بھی یہ رسم ڈروس ترک اور ملک ماوراں کے عیسائیوں اور بعض اعراب میں ہے مگر قرآن نے نکاح ایک عقد قرار دیا جو طرفین کے اختیار اور رضامندی سے ہوتا ہے اور زرِ مہر عورت کے باپ کو نہیں ملتا بلکہ خود عورت کا حق ہوتا ہے ۔

" و اٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ " لہ (نساء ۱ ع)

لہ اور دے ڈالو عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے ۔

"فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ"[1] (نساء ۴ ع)
بعضے اعتراض کرنیوالوں نے لفظ اجر پر اک گونہ تعریض کی ہے گویا اُسکو نامناسب لفظ سمجھے مگر در اصل اُسمیں اشارہ ہے اسپر کہ زرِ مہر عورت کا اجر ہے جس کی وہ مستحق ہے نہ کہ اُسکی قیمت جو اُسکا باپ لیلیے +

Social affection and comfort of domestic life.

۔ قرآن نے عورت اور مرد کی باہمی گزران میں کمال عدالت اور محبت کو برابر قایم رکھنا ضرور قرار دیا ہے اور مہر کا تقرر اور نکاح فسخ ہونیکی صورت میں واجب الادا اور ناقابل نقصان ہونیکی وجہ سے عورت کو خوشدل مطمئن رہنے اور مرد کو اُس کا نیازمند اور محتاج الیہا ہونے اور ہمیشہ کو ملے رہنے کی تدبیر کردی - اتحاد زوجین کی برکت اور مسرت اور اُسکے نتیجہ میں حسن معاشرت کی حالت سے قرآن خوب واقف ہے +

"وخلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"[2] (روم ۳ ع)
اور پھر اسی طمانیت اور محبت نرم دلی کو جو باہم زوجین میں ہونی چاہیئے ایک دائمی اور غیر قابل انتزاع اور لازوال اور غیر لائق انفصام تشبیہ میں بیان فرمایا +
"ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"[3] (بقر ۱۸۲)
اور چونکہ اصلی غرض تجویز نکاح سے اقامت تدبیر منزل اور تعاون باہمی انتظام خانہ داری اور تحصین فرج ہے اور یہ باتیں بغیر دایمی نکاح اور آپسمیں مثل لباس ایک دوسرے کے محتاج رہنے اور ملے رہنے کے نہیں ہوتیں اس لیئے ضرور ہوا کہ فطرت کی راہ سے اُن میں باہم مودت اور رافت خلق کیجاوے - اور یہ سب مصلحتیں جو نکاح کے دائمی قایم رکھنے میں خیال میں آسکتی ہیں ان دو لفظوں میں بیان کردیں +

[1] پھر جو تم کام میں لائے اُن عورتوں میں سے اُن کو دو اُن کے حق میں جو مقرر ہوئے +
[2] بنادی تمکو تمہاری قسم سے جوڑی کہ چین پکڑو اُن کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر +
[3] وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو اُن کی +

"محصنین غیر مسافحین" [لہ] (نساء)

اس جملہ کی پہلی جز محصنین میں تمام حکمتیں اور بھلائیں جو نکاح سے متصور ہیں داخل ہیں اور جزو دوم غیر مسافحین میں تمام قباحتیں جو چند روزہ نکاح اور غیر منضبط طریق سے باہم معاشرت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں منع کردی گئیں۔ درحقیقت یہ فقرہ عجب جامع اور مانع ہے اور اسمیں اثبات اور نفی سے تمام حکمت منزلی کے مصالح اور مفاسد سکھلادی ہیں +

Divorce discouraged.

۱۵- جبکہ اس بیان سے نکاح کی مصلحتیں معلوم ہوئیں تو اسکی مقتضا سے طلاق کی ممانعت بھی (الا بعض ناگزیر حالتوں میں) ثابت ہوئی کیونکہ برابر نکاح اور طلاق کی رسوم جاری رکھنے میں صرف عورتوں سے لذت حاصل کرنی ہے حالانکہ اسلام نے نکاح کی اصل علت محصنین قرار دی نہ کہ مسافحین۔ پھر جبکہ نکاح کی بنا تعاون پر ہے۔ اور مرد و عورت باہم باعث اطمینان اور ایک دوسرے کے مددگار دینی اور دنیاوی باتوں کے ہوئے (جیسا کہ لباس کی تشبیہ سے ظاہر ہے) تو پھر جب طلاق کی رسم نکلی تو یہ بات جاتی رہی۔ علاوہ ازیں اس رسم سے دونوں کے دلوں پر اس عقد اور نظم کی عظمت بھی جاتی رہتی ہے ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد نہیں رہتا باہم کا اخلاص اور نیاز جاتا رہتا ہے۔ دلوں میں نفاق پیدا ہوجاتا ہے اور طلاق کے اندیشہ میں خیانت اور اضطراب اور تربیت اولاد میں بالکل بے ترتیبی اور اصلاح منزل میں ابتری پڑجاتی ہے۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں نکاح کا ذکر اور زنا سے ممانعت ہے انھیں مقامات میں ان سب قباحتوں پر بھی اشارہ ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۲۵) +

اعلم ان في الاكثار من الطلاق وجريان الرسم بعدم المبالاة به مفاسد كثيرة وذلك ان ناسا ينقادون لشهوة الفرج ولا يقصدون اقامة تدبير المنزل ولا التعاون في الارتفاقات ولا تحصين الفرج ۔ وانما مطمح ابصارهم التلذذ بالنساء وذوق لذة كل امراة فيهيجهم ذلك الى ان يكثروا الطلاق

[لہ] قید میں آنے کو نہ مستی نکالنے کو +

والنکاح - ولا فرق بینہم وبین الزناۃ من جہۃ ما یرجع الی نفوسہم - ولا تمیزوا
عنھم باقامۃ النکاح والموافقۃ لسیاسۃ المدینۃ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم
لعن اللہ الذواقین والذواقات - وایضاً ففی جریان الرسم بذلک اہمال لتوطین
النفس علی المعونۃ الدائمۃ او شبھہ الدائمۃ وعسی ان فتح ھذا الباب ان یضیق
صدرہ وصدرھا فی شیء من محقرات الامور فیندفعان الی الفراق - وان ذالک
من احتمال اعیاء الصحبۃ والاجماع علی ادامۃ ھذا النظم وایضاً فی اعتیاد
ھذا ذالک وعدم مبالاۃ الناس وعدم حزنھم علیہ فتح باب الوقاحۃ - وان لا یجعل
کل منھا ضرر الآخر ضرر نفسہ - وان یخون کل واحد الآخر یمھد لنفسہ ان وقع الافتراق - وفی ذالک ما لا یخفی

۱۶ - طلاق کی رسم تو یہودیوں میں عام اور بکثرت تھی اور موسوی شریعت میں اُسکو شاید
مطلقاً جائز کر دیا تھا - حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُس کا عذر کرنا پڑا (متی $\frac{19}{8}$) -
حضرت مسیح سے کچھ پیشتر نکاح کے باب میں فقہاء یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے شماعی اور
اُسکے مقلدوں کی یہ رائے تھی کہ صرف فعل قبیح کے ارتکاب پر یا فاحشہ مبینہ پر طلاق دیجاوے
اور ہلل اور اُسکے مقلدین کا یہ مذہب تھا کہ ادنیٰ سی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیئے
اُن لوگوں کا یہ قول تھا کہ اگر کسی کو اپنی عورت بری معلوم ہو تو اُسے نکال ڈالے (استثنیات
۲۴ و ۱) ربی عقبہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی عورت سے خوبصورت پاوے
تو اپنی عورت کو نکالدے کیونکہ لکھا ہے کہ اگر وہ اُسکی نظر میں اچھی نہ معلوم ہو الخ قرآن صریح
اسکے خلاف کہتا ہے " فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ
خیراً کثیراً[1] " (نساء ۳ ع) معلم ہلل کہتا ہے کہ اگر کسی کی عورت اپنے شوہر کا کھانا

[1] پھر اگر وہ تمکو نہ بھاویں تو شاید تمکو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ رکھے اُسمیں بہت خوبی +

والمعنی فان کرھتموھن فلا تفارقوا ھن بکراھۃ الانفس وحدھا ربما کرھت
النفس ما ھو اصلح فی الدین وادنی الی الخیر واحب ما ھو بضد ذلک
ولکن النظر فی اسباب الصلاح وانما صح قولہ فعسی ان تکرھوا جزاً للشرط
لان المعنی فان کرھتموھن فاصبروا علیھن مع الکراھۃ فلعل لکم فیما تکرھون
خیراً کثیراً لیس فیما تحبونہ - مدارک التنزیل نسفی +

بہت نمک ڈال سکے خراب پکاوے یا اُسے زیادہ بھون دے تو وہ عورت طلاق دیدیجاوے
مگر قرآن کہتا ہے ۔ لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امرا" لہ (طلاق)

یورپ کے مُلکوں میں رومن کیتھلک مذہب کی رو سے تو جیساکہ کونسل آف ٹرینٹ سنہ ۱۵۶۲ء میں قرار پایا زنا کے بعد بھی طلاق نہیں ہوسکتی ۔ انگلستان وغیرہ ملکوں میں جب سے اصلاح ہوئی ہے تب سے قاعدہ طلاق میں کچھ تبدیل ہوئی نیویارک میں صرف زنا پر طلاق ہوتی ہے اور اَور ملکوں میں زنا پر اور نہایت ظلم سے بدسلوکی پر اور قصداً مفارقت اختیار کرنے پر اور عرصہ دراز تک نامعلوم غایب رہنے پر بھی طلاق ہوتی ہے اور انگلینڈ میں طلاق کا باعث زنا اور ایذارسانی ہی ہوتا ہے اور اسکاٹ لینڈ میں زنا یا قصداً چھوڑ کر چلے جانے سے طلاق ہوجاتی ہے ۔ انگلستان میں قانون وکٹوریا جاری ہونے سے پہلے ایسی عورت کے لئے جسے اُس کے خاوند نے قصداً چھوڑ دیا ہو چارہ جوئی اور دادرسی کی سبیل نہ تھی ۔ اب ایسی صورت میں عدالت سے افتراق ہوجاتا ہے اور اگر مفارقت کے ساتھ زنا بھی ہمردیف ہو تو طلاق بھی ممکن ہے ؎

Texts of the Koran discouraging divorce.

۱۷ ۔ قرآن نے مرد کو کبھی اختیار نہیں دیا کہ بلا وجہ شدید اور بغیر پیشتر کی اطلاع کے دفعۃً واحدۃً اور مطلقاً اور فوراً اور بلا کسی شرط کے طلاق دیدے اور معاشرت اور تمدن کی خوبی اور خوشی اور برکت کو اپنی تنک مزاجی یا شکر رنجی سے کھو ڈالے اور برباد کرے ۔ میں یہاں پر چند اشارے کلام مجید سے طلاق کی ممانعت پر نقل کرتا ہوں ؎

(۱) وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیرا" (نساء ۳ ع)

یعنی گزران کرو عورتوں کے ساتھ اخلاق سے پھر اگر تمکو وہ بری معلوم ہوں تو اسپر صبر کرو اور اُن کو جُدا نہ کرو) شاید تمکو نہ پسند آوے کوئی چیز مگر خدا نے اسی میں اصلاح اور خیر اور برکت رکھی ہو ۔ دیکھو تفسیر مدارک مندرجہ دفعہ سابق ؎

لہ اُسکو خبر نہیں شاید نیا نکالے اللہ اُسکے پیچھے کوئی کام ؎

(۲) "وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحاً" (بقر ۲۲۸)
یعنی عدت کے زمانہ میں اُن کے خاوندوں کا حق ہے اُن کا پھیر لینا اگر چاہے صلح
کرنی - اسمیں ترغیب ہے اسپر کہ ملے رہنے میں اصلاح ہے اور الگ ہو جانے میں فساد ✤
(۳) "لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئاً" الایۃ (بقر ۲۲۹)
یعنی تمکو حلال نہیں کر لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو الخ اسکو ملاؤ اُس آیت سے
جہاں مہر کو قنطار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی ڈھیروں بلا تعداد پس اس میں یہی مصلحت
ہے کہ جب زر مہر سے کچھ بھی لے لینا حرام ٹھہرا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں تھی تو یہ اسی
ممانعت طلاق کا بندوبست ہے ✤
(۴) "فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره فان طلقها فلا جناح
علیهما ان یتراجعا" یعنی اگر کوئی تیسری بار بھی طلاق دیدے تو پھر وہ اسپر حلال
نہیں ہو سکتی مگر اس صورت میں کہ وہ عورت کسی اَور سے نکاح کر لے اور پھر شاید
وہاں سے ایسی ہی نا اتفاقی ہو کر طلاق تک نوبت آوے تب ہو سکتا ہے اس میں
ہمیشہ حرام ہو جانے کی دھمکی ایسی ممانعت طلاق کی تدبیر ہے - اور جب ایسی ایسی تحریریں
اور تدبیریں منع طلاق کی ہیں تو دوسری جگہ سے طلاق کیوں ہونے لگی تھی ✤
(۵) زید نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعاً منع
فرمایا "وامسک علیک زوجک واتق الله" (احزاب ۲۲ ع)
(۶) "والصلح خیر" (نسا ۱۹ ع) یعنی عورت اور مرد میں باہم صلح کر لینی خوب
چیز ہے ✤
(۷) "لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالك امراً" (طلاق)
یعنی کیا معلوم ہے کہ خدا اسکے بعد نیا کام نکالے یعنی اُن میں صلح کی توفیق اور ترک
ارادہ طلاق کی سبیل کر دے ✤
۱۸ - قرآن میں دو ہی تین موقع طلاق کے جائز ہو سکنے کے پائے جاتے ہیں اور
وہ صورتیں وہی
ہیں جو اصلی اور
قدرتی عقد کی

Divorce permitted not to gratify the levity, caprice or profligacy of either party but only in the case of unfaithfulness of nuptial vow.

غرض اور نکاح کے مقصود کے خلاف ہیں اور ایسی صورتوں میں طلاق کو جائز رکھنا عین حکمت اور مصلحت ہے ؛

(۱) ایک صورت طلاق کو بے الزام جائز رکھنے کی یہ ہے کہ عقد کے بعد اور خلوت ہونے سے پیشتر طلاق دیدیجاوے تو اس میں کوئی گناہ یا قباحت غلطی نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح کوئی لغوی نکاح نہیں ہے بلکہ اصطلاحی نکاح ہے یعنی وہ ایک معاملہ ہے قول و قرار کا اور اس سے وہ غرض جو فطرت الٰہی میں خلق ازواج سے ہے حاصل نہیں ہوئی ہے ؛

"لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن" (بقرا ۳۱ ع) یعنی اگر عورتوں کو جن سے عقد ہوا ہو ہاتھ لگنے سے پہلے طلاق دیدو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے الخ۔ ایسے ہی احزاب کی ۴۹ آیۃ ۶ ع ایسے اصطلاحی نکاح میں بھی عورت کے لیئے بڑی رعایت اور احسان کیا ہے یعنی جب ایسی صورت میں مہر نہ مقرر ہوا ہو تو دستور کے موافق اُسکو خرچ دینا چاہیئے اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو نصف مہر دینا چاہیئے اس قدر تو ضروری ہے اِلّا عورت سب چھوڑ دے یا مرد سب دیدے تو اَور بھی بہتر ہے۔ (دیکھو اُسی آیت کے بعد کی آیتیں) ؛

(۲) دوسری صورت امکان طلاق کی یہ ہے کہ عورت زنا کرے چونکہ خدا نے نکاح کو تحصین کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر جگہ محصنین غیر مسافحین اور ولا متخذی اخدان کے لفظ فرمائے ہیں[۱]۔ تو جب اسکے خلاف کوئی فعل ہوگا وہ فطرت الٰہی وضع ربانی اور شرع اسلامی کے خلاف ہوگا[۲]۔ "ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینہ" (نسا ۳ ع) یعنی جائز نہیں کہ تم اپنی بیبیوں کو بند کر رکھو تاکہ اُن سے کچھ مہر میں چھوڑ والو مگر اس حالت میں کہ جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں۔ عن الحسن الفاحشۃ الزنا فان فعلت حل لزوج ان یسالہ الخلع (مدارک) یعنی حسن کہتا ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور جب عورت زنا کرے تو مرد کو جائز ہے کہ اُس سے خلع چاہے۔ اور یہی مضمون سورہ طلاق کی پہلی آیت میں بھی ہے۔" ولا تخرجوھن من

---

[۱] نسا ۴ ع (مکرر) اور مائدہ ۱ ع ؛

[۲] اسکے پہلے کرھا پر وقف موجود ہے اور یہ جملہ مستانف اور جدید ہے ؛

بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" - یعنی مت نکالو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی ؛

(۳) تیسری صورت امکان اور جواز طلاق کی مگر نہ خواہ مخواہ طلاق کی یہ ہے کہ نشوز اورایذا اور بدخلقی عداوت نفاق سوء العشرۃ اور فساد منزل کی صورتیں پیش آویں اسکا علاج طلاق ہی نہیں بلکہ اسکی تدارک اسطرح پر چاہیئے ؛

(ا) "واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً" (نساء ۶)

یعنی جن عورتوں کی بدخوئی کا تمکو ڈر ہو تو اُن کو سمجھا دو اور جدا کرو سونے میں اور اگر اسپر بھی نہ مانیں تو مارو (آہستہ سے تادیبا) پس اگر مان جاویں تو اُن پر الزام نہ تلاش کرو (یعنی طلاق نہ دو)

(ب) "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ" ؛

یعنی اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں (منصف) چاہینگے صلاح تو خدا ملاپ کردیگا ان میں ؛

(ج) "وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا" (نساء ۱۹ ع)

یعنی اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو وہ دونوں آپسمیں صلح کرلیں اور صلح خوب چیز ہے اور جیوں کے آگے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو ان عورتوں سے (اس طرح پر کہ گو وہ تمھیں ناگوار ہوں مگر تم صبر کیئے رہو اور اُنکی صحبت کی رعایت کرو) اور بچو (لڑنے سے اور جی پھر جانے سے) تو خدا کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے ؛

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صرف حرامکاری کی صورت میں طلاق جائز رکھی ہے مگر جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری کیا جاتا ہے وہ نہ صرف زنا ہی کیواسطے ہے بلکہ

اس سے نشوز اور بیوفائی اور غدر جو عورت کی طرف سے ہو مراد ہے چنانچہ سلڈن اور ملٹن نے رسالۂ گزو رعبریہ اور اعتقادات عیسویہ میں بہت سی اسناد ربانیاں یہود کے محاورے اور کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے ؛

۱۹۔ جبکہ مرد اور عورت میں جو ایک بڑی مضبوط زنجیر اور پکّے عہد سے باندھی گئی اور فطرت الٰہی کے قانون کے محکوم ہیں کوئی وجہ شدید اور باعث قوی نہ بسر ہو سکنے یا غرض اصلی کے نہ حاصل ہو سکنے کا ہو تو نا اتفاقی شدید اور بے لطفی ناقابل برداشت کیجاتیں یا زوج کے ترش مزاج یا تلون طبع ہونے کی صورت میں اس عہد موثق اور عقد دائمی کا ایسی آسانی سے دفعتہً اور بغتہً ٹوٹ جا سکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ علاوہ ان تدارک اور تدبیروں کے جن کا بیان پچھلی دفعہ میں مفصل گذرا جب بناچاری و مجبوری ارادہ طلاق اور قصد مفارقت کی نوبت آجاوے تب بھی ایک مدت دراز کی مہلت فکر اور غور کرنیکو دی گئی اور اس عرصہ میں بھی کئی ایک تدبیریں صلح کی قائم کر دیں ؛

(۱) "اذا طلقتم النساء فطلقوا هن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله"[له] (سورہ طلاق ۱) عدت کے مقرر ہونے میں ایک خاص اور بڑی مصلحت یہی ہے کہ باہم صلح ہو جاوے اور بعولتهن احق بردهن في ذالك کا بیان اسی پچھلی دفعہ میں گذرا ؛

(۲) پھر اس عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ جانے دینا چاہیئے اور نہ وہ عورت خود جاوے الّا یہ کہ زنا کی صورت ہو ؛

لا تخرجوا هن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة (طلاق)

(۳) پھر جہاں مرد خود رہے وہیں عدت والی عورت کو بھی جگہ دے ؛

"واسكنوا هن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن"۔ (طلاق)

یہ سب تدبیریں اس مصلحت سے ہیں کہ اُن کے باہم سے رنجش دور ہو اور باہم رغبت کریں۔ اور ہر کوئی ناعاقبت اندیش ذرا سی سوء مزاجی یا اختلاف پر طلاق نہ دے بیٹھے ؛

(۴) بالآخرہ سورہ طلاق میں یہی ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ کچھ ضرور

له جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو اُن کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے ؛

نہیں ہے کہ طلاق ہی دیجاوے اور مفارقت ہی اختیار کیجاوے بلکہ یہ حکم ہے +

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف"۔

یعنی جب وہ پہونچیں اپنے وعدہ کو تو یا رکھ لو دستور سے یا جانے دو دستور سے +

۲۰ - اکثر مخالفوں نے قرآن میں طلاق کے احکام مکرر دیکھکر سمجھا کہ صاحب قرآن کی نظر میں یہ ایک ہلکی سی بات ہے اور عدم مبالات کی نظر سے دیکھکر سمجھتے ہیں کہ قرآن نے عموماً طلاق کے جواز سے حسن معاشرت کی خرابی تدبیر منزل کا فساد اور باہم آسایش کی گزران میں بدنظمی اور ترتیب اولاد میں ابتری روا رکھی مگر اُن لوگوں نے ان حکموں میں کبھی غور سے نظر نہیں کی کسی فقیہہ سے احکام پوچھ لیئے یا احکام قرآنی کو اُسکی رائے پر حمل کر لیا اور ظاہر ہے کہ فقیہہ کا منصب حمایت اسلام و دفع مطاعن نہیں ہے اُسکو ہر ایک صورت اور ضرورت کے احکام جو احکام قرآنی اور رائے اور قیاس سے نکل سکیں بتا دینے سے کام - البتہ متکلمین اسلام کا یہ کام ہے +

طلاق کو ایسے ناگزیر اور سخت موقع پر جن کا ہمنے بیان کیا ہے جایز رکھنا انسان کے حق میں بڑی بہبودی اور احسان کا کام ہے ایسے ازدواج سے جس میں دونوں کی زندگی حرام اور عیش تلخ ہو مخلصی دلانا عین حکمت ہے - جو لوگ طلاق کے باب میں بہت سخت ہیں وہ بھی دو ایک صورت طلاق کی جایز رکھتے ہیں - پھر جب کسی ضرورت شدید سے اُسکا جواز ماننا پڑا تو پھر اُسکے احکام قلمبند نہ کرنے بے عقلی ہیں اور نہ اُن احکام کے بیان سے طلاق کی اباحت ایسی بے پروائی - آزادی اور مطلق العنانی سے ثابت ہو سکتی ہے اگر ایام جاہلیت کی رسوم ازدواج و طلاق کو دیکھا جاوے تو ثابت ہووے کہ جملہ احکام طلاق ان بد رسموں کی اصلاح اور تہذیب میں صادر ہوئے ہیں جن کی حرکتیں بہایم اور درندوں کی مانند تھیں یا ان شدید التعصب کے وہم باطل کی درستی کے لیئے تھے جو وقوع زنا پر بھی طلاق کو جایز نہ سمجھتے تھے پس ان سب افراط و تفریط پر نظر کرکے اُسکی قباحتیں رد کی گئیں اور برائیاں دفع کی گئیں نہ کہ از سر نو اجازت دی گئی ہو یا ابتداً جاری کیا ہو" +

۲۱ - اب ہم پھر اُن احسانات اسلام کا بیان کرتے ہیں جو بنی نوع انسان پر مبذول فرمائے گئے +

Beneficial ordinances in the favor of female sex.

ایام جاہلیت میں طلاق کے حیلہ سے بہت

ظلم کیا کرتے تھے مثلاً عورتوں کو حبس میں کر رکھتے تھے یا معطل چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ زر مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں یا طلاق کے بعد بھی اُن کو اس غرض سے روک رکھتے تھے کہ کسی اَور سے نکاح نہ کریں تاکہ زوج سابق کی ذلت نہ ہو مگر قرآن نے ان سب باتوں کو منع کیا اور زن طلقہ سے کچھ واپس لینا کیسا اُلٹا اسے کچھ دینا واجب ٹھہرایا +

(۱) "ولا تمسکوا ھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ"
یعنی عورتوں کو بند نہ کرو ستانے کے لیئے اور جو کوئی ایسا کرے اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا + (بقر - ۲۹ع)

(۲) " فاذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوا ھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف" - یعنی جب طلاق دی تم نے عورتوں کو اور وہ پہونچ چکیں عدت کو تو اب نہ روکو اُن کو کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں موافق دستور کے + (ایضاً - ۳۰ع)

(۳) اس میں اس بات کا بھی اشارہ نکلتا ہے کہ عورت کے میکے کے لوگ اُسکو بعد عدت اپنے شوہر سے پھر ملجانے کو نہ روکیں +

(۴) "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" - (بقر - ۳۱ع)

(۵) اگر طلاق پانے والی عورت پیٹ سے بھی ہو تو جب تک وہ بچہ نہ جنے اُسکو کھانا کپڑا اپنی حیثیت کے موافق دینا ضرور ہے - اور اگر بچے کو دودھ بھی وُہی پلاوے تو پھر اُسکی اجرت جُداگانہ +

(۶) "وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاتوا ھن اجورھن" + (طلاق)
یعنی اگر وہ عورتیں پیٹ سے ہوں تو اُن کو نفقہ دو جب تک بچہ ہو اور اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر تو اُن کو دو اُن کے نیگ +

۲۲ - بَنیوؤں کے نکاح اور لونڈی اور غلاموں کے نکاح کا عام حکم عرب کی رسم کے خلاف اور رومن کیتھلک کے علی الرغم جاری کیا چنانچہ فرمایا ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم و

(Objections refuted).

اما ءکم - ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ"[1] + (نور ۴ ع)
اس آیت کا آخری فقرہ کہ اگر وہ لونڈی اور غلام محتاج ہونگے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے مالدار کر دیگا اسپر دلیل ہے کہ غلام بھی اپنے مال کے مالک ہوتے ہیں اگلے زمانہ میں اور اب بھی غلاموں کی یہ خرابی ہے کہ وہ آپ کسی جائداد کے مالک نہیں تصور کیئے جاتے اور اسی وجہ سے غلاموں کے مالک اُن کو ازدواج سے بھی محروم رکھتے تھے +

اہل عرب اپنے باپ کی جوروؤں کے نکاح میں مضائقہ کرتے تھے اس طرح کہ وارث خاندان اپنی سوتیلی ماؤں کو روک رکھتا تھا تاکہ وہ دوسری شادی نہ کریں اور عیسائیوں میں ایک قسم ایسی عورتوں کی تھی جو تمام عمر بے شوہر رہتی تھیں اور ایک فرقہ ایسے مردوں کا تھا جو مذہبی امور کی پابندی سے تمام عمر نکاح نہیں کرتے تھے - اور پوپ اور کونسل کے فتوے اس باب میں بہت سی قباحتوں کے باعث ہوئے - اور اُن کی بنا نہ صرف پوپ کی بدعات اور رسوم پر تھی بلکہ پولوس مقدس کی رائے کا رجحان بھی باوجود طمطاؤس $\frac{۱۵}{۱۴}$ کے اسیطرف تھا دیکھو اوّل کرنتھیون باب ۷ ورس ۸ و ۲۶ و ۲۷ و ۳۸ و ۴۰ +

اور جو جو قباحتیں ان بدرسموں کے پیدا ہونے میں اور جو جو قاعدے کلیسا میں بڑے بڑے عہدے پانے والوں کے تجرد کے لیئے مقرر ہوئے اُن کی ایک بڑی تاریخ ہے - عیسوی مشائخ میں سے جیروم (سنہ ۴۲۰) اور امبروس (سنہ ۳۹۷) اور رومانی اسقفوں میں سے داماسیوس (سنہ ۳۸۴) اور سری سیوس (سنہ ۳۹۹) اسکے بڑے حامی تھے اور سنہ ۳۰۵ء کی کونسل البرس میں ہر بشپ اور ڈیکن اور پادریوں کو تجرد کا عام حکم ملا اور تولیدو کی کونسل سنہ ۵۸۹ء میں یہ حکم نکلا کہ کلرجی (پادری) کسی عورت سے مشتبہ پایا جاوے تو قاضی اس عورت کو بیچ ڈالے اور اسکی قیمت مسکینوں کے صرف میں لاوے - اسقف جرجیس اکبر تجرد کے مسئلہ کا بڑا حامی تھا اور ایک نقل مشہور ہے کہ جب اُس نے اپنا تالاب صاف کرایا تو اسمیں چھ ہزار بچوں کی کھوپریاں

[1] اور بیاہ دو رانڈوں کو جو تم میں ہوں اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہونگے مفلس اللہ اُن کو غنی کریگا اپنے فضل سے +

نکلیں۔ یہ نتیجہ اُس قانون کا تھا جسمیں اُس نے دینی عہدہ داروں کو مناکحت سے ممانعت کی تھی۔ اس نتیجہ میں جو جو خرابیاں ہوئیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پادریوں کے لڑکے جو باوجود اس تجرد کے ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے کالعدم قرار دئے گئے اور بینڈکٹ ۸ نے کونسل پنوپیا ۱۰۲۲ء میں ان لڑکوں کو کالعدم قرار دے کے ہمیشہ کی غلامی میں دیدیا۔ اور شہنشاہ ہنری ۲ نے ان احکام کی تعمیل میں سیاست بھی ہمردیف کردی آخرالامر سینکڑوں برس کے بعد ان خرابیوں کی اصلاح شروع ہوئی۔ اور لوتھر گو سب سے اوّل تو نہیں مگر وہ بھی منجملہ منکرین مسئلہ تجرد تھے اور ۱۵۲۵ء میں کھترین دین بورا سے جو دائمی تجرد کی نذر کرچکے تھے مگر پھر اس سے پھر گئے تھے نکاح کیا۔ قرآن میں اس رہبانیت کی اصلاح ان لوتھر وغیرہ لوگوں سے صدہا سال پیشتر ہوچکی تھی۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اسکی منشا اور کیفیت تھی۔ اسپر اشارہ ہوا ہے +

” ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا علیھم الا ابتغاء رضوان اللّٰہ فما رعوھا حق رعایتھا “ (حدید ۲۷)

یعنی عیسائیوں نے دنیا چھوڑنا نیا نکالا ہمنے ان پر واجب نہیں کیا تھا یہ اُنھوں نے خدا کی رضامندی کے لیئے نکالا مگر جیسے نباھنا چاہیئے تھا نہ نباھا۔

اور لا رھبانیۃ فی الاسلام بارہ سَو برس سے مشہور ہے +

۲۳۔ اس مقام پر چند اعتراضات متعلق مسائل نکاح و طلاق نقل کرکے اُن کا جواب لکھنا بہت ضرور ہے گو میں دیکھتا ہوں کہ مضمون طول ہوا جاتا ہے۔ مگر ان اعتراضوں سے یہ فائدہ ہے کہ عوام ملاؤں کی آنکھیں کھلیں اور جواب سے یہ فائدہ ہے کہ اسلام یا قرآن پر سے بیجا تہمتیں دفع ہوں اور اُس کے احکام کی خوبیاں ظاہر ہوں اور نیز جو کچھ خالص احکام قرآن اور رسوم باطلہ میں فرق ہے وہ بھی عیاں ہوجاوے +

(Objections refuted).

اعتراض	جواب
لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے	ہمنے اپنی نویں دفعہ میں بیان کیا ہے کہ

اُن سے ہر کوئی مسلمان بلالحاظ اپنی چار عورتوں کے اور بغیر کسی رسم ماقبل یا ضمانت مابعد تصرف کرسکتا ہے اور لونڈیاں بنانے کی رسم اس نامحدود اجازت کے لیئے ایک ضروری شرط ہے اور کوئی مسلمان اپنے دل سے یا خوشی سے اس کے بند ہونے پر راضی نہوگا ❖

قرآن مجید کے لفظ نساء میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں پس ہم کے عدد سے محدود ہیں ۔ اور یہ بھی وہیں بیان ہوچکا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح اس صورت میں تھا جب کہ آزاد سے نکاح کا مقدور نہو پس جبکہ ایک کا وجود دوسرے کی نفی پر موقوف ہے تو دونوں کے جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں ۔ اور ہمنے بعض فقہا کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اذا کان تحته حرة لم یجز له نکاح الامة (ابوحنیفۃ امام ۔ تفسیر کبیر) پس یہ اعتراض قرآن پر بیجا ہے ۔ اور بغیر کسی رسم کے اُن کا تصرف بھی میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ فانکحوھن باذن اھلھن میں صاف نکاح کا حکم ہے اور پھر دوسرا فقرہ محصنات غیر مسافحات[1] اور ولا متخذی اخدان اور یہی صورتیں مداومت کی ہیں ۔ اور ضمانت کے واسطے مہر کا تعین کنیزکوں سے ویسا ہی ہے جیسا کہ آزاد سے وَاٰتوھن اجورھن بالمعروف اور دیدو اُن کو اُن کے مہر موافق دستور کے (نساء ۴ ع) اور یہ بات کہ مسلمان کبھی اس رسم ملک یمین کے بند ہونے پر راضی نہ ہونگے اسکا جواب فقہا کے ذمہ ہے ❖

۲ - اعتراض

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی حالت میں تہذیب اور اصلاح کی ۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے ازدواج کی صورت میں بہ نسبت زمانِ جاہلیت کے عورت کی حالت زیادہ تر ذلیل اور پست

جواب

شریعت اسلام کے اصلاحوں کی خوبی اور خصوصاً منزلی تدبیروں کا حسن تب ہی خوب معلوم ہوتا ہے جب جاہلیت کی رسوم اور آداب نکاح اور ملکوں کے بلکہ بلادِ فرنگ کی اب تک کی رسوم ازدواج کو

[1] یعنی وہ لونڈیاں قید میں آتیاں نہ مستی نکالیں اور نہ چیٹی بازی کرتیاں ❖

کردی ہے البتہ ایک امر خاص ہیں تو یعنی بیٹے کا اپنے باپ کی بیووں کا وارث ہونا اس میں تو اسلام نے عورت کو ایک سخت اور شدید خراب حالت سے چھڑا لیا ہے اور کوئی آزاد عورت شریعت اسلام کی رو سے اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہوسکتی۔ مگر ازدواج کی صورت میں جو حیثیت عورتوں کی اسلام نے قرار دی ہے وہ ایک ایسی کمینی اور ذلیل مخلوق ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لیئے مخلوق کی گئی ہے اور بغیر ایک گھنٹہ کے پیشتر سے خبر دینے کے نکال دیجاتی ہے اور خاوند کو ایسا اختیار مطلقاً فوراً بے غور و تامل طلاق دینے کا دیا ہے مگر عورت کے لیئے کوئی رعایت اس قسم کی نہیں رکھی وہ تو اپنی مرضی کے خلاف اور معطل ہمیشہ اپنے خاوند کی لونڈی بنی ہوئی اور معلق رہتی ہے۔ جب کہ درحقیقت طلاق ہوجاوے تو وہ اپنے مہر کا دعویٰ کرسکتی ہے گو اس بات کا علم کہ عورت ایسا دعویٰ

بلا سبب ظن اور تعصب قرآن کے احکام سے مقابلہ کیا جاوے ÷

جواباً جو باتیں معترض نے سنکوصہ عورتوں کے حق میں قرآن سے منسوب کی ہیں وہ بے بنیاد ہیں ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ قرآن نے ازواج کی پیدایش مردوں کی تسکین اور محبت اور رافت کیواسطے کی ہے[1]۔ اور پھر اُن کو باہم ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے[2] اور اس میں اُن کے عزیز اور گرامی اور بالکل محتاج الیہا ہونے پر اشارہ کیا ہے اور اُن سے نیک طریق پر معاشرت کرنے اور صلح قایم رکھنے کی مکرر وصیت فرمائی[3] ہے اور اُن کے حقوق کو آزادی اور اختیار اور جملہ تصرفات میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے[4] اور جہاں تک نیچر اور عرف نے اجازت دی ہے جیسے عورتوں پر حق ہے ویسا ہی اُن کا بھی حق ہے[5] اور تعجب ہے کہ معترض نے طلاق کو ایسا سمجھا کہ بغیر ایک گھنٹے کی نوٹس کے بھی مطلقاً

[1] سورہ روم ۳ ع -
[2] سورہ بقر ۱۸۲ آیت -
[3] نساء ۵ ع -
[4] بقر ۲۸ ع -
[5] نساء ۳ ع -

کرسکتی ہے دفعتاً مرد کی رائے نہ بدلنے کی ایک ناخوش روک تو ہے مگر لونڈیوں کے حق میں یہ ناقص قید بھی نہیں ہے اور مرد کو صرف طلاق ہی کا اختیار نہیں ہے بلکہ حبس کرنے اور مارنے کا حکم بھی صاف صاف دیا گیا ہے۔ دیکھو سورہ نسأ کی ۳۴ - آیت" ؛

اور فوراً موثر ہوجاتی ہے یا کوتہ اندیشی اور غصہ کی حالت میں فوراً نافذ ہوجاتی ہے حالانکہ جو وجوہ اور اسباب نکاح کے قرآن میں لکھے ہیں وہ خود ہی مانع طلاق ہیں اور پھر صورت ناگزیر اور واقع لاعلاج جو باعث فساد منزل اور موجب انفکاک نظم ہو اسمیں ایک یا دو مرتبہ کی طلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ایک بڑی مدت فکر اور تامل کے واسطے مقرر فرمائی اور اُس میں صلح کی ترغیب دی اور پھر عدت اور رجعت اور تیسرے مرتبہ میں اسبات کی تخویف فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره سب تدبیریں طلاق کے حفظ اور ضبط کیواسطے ہیں۔ اور مرد کی رائے بدل جانے کا تدارک طلاق نہیں قرار دیا بلکہ جھگڑے اور ناخوشی کے رفع دفع کرنے کی تدبیریں اَور ہیں جو ۱۸ دفعہ کی ۳ ضمن میں بیان ہوئی ہیں ؛

اور یہ بھی عجب ہے کہ معترض نے اس بات سے انکار کیا کہ گویا طلب طلاق کا عورت کو اختیار نہیں دیا گیا حالانکہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به میں صاف مسئلہ خلع کا بیان ہے ؛

اور جو عورت کے معلق رہنے یا عموماً معروض علیہا ہونے میں لکھتے ہیں وہ بھی خلاف تصریحات قرآنی ہے کیونکہ ہر جگہ حسن معاشرت پر تاکید ہے فعاشروهن بالمعروف (۴ ح ۱۴ ع) اور بالتخصیص اسی مقدمہ میں یہ بھی فرمایا فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة اور یہ بھی عجب ہے کہ لونڈیوں کے حق میں ادائے مہر کی شرط نہیں حالانکہ واٰتوهن اجورهن بالمعروف (۵ ح ۲ ع) ہر کوئی قرآن میں پڑھ سکتا ہے ؛

اور نشوز کی حالت میں کمال حکمت اور مصلحت ہے پہلے نصیحت کردینا اور اگر اس سے اصلاح نہ ہوسکے تو ہجرت فی المضاجع اور جب یہ تدبیر بھی فساد منزلی کی اصلاح کو کافی نہ ہو تو بناچاری اور مصلحتاً تادیب بھی مناسب ہے اور یہ سب صورتیں طلاق کی تدبیر سے بہت ہی نرم اور کم ہیں نہ کہ خوردہ گیری کے لایق ؛

پس ایسا مارنا جس کی تفسیر ضرب غیر مبرح سے کی گئی ہے اور گویا طلاق کا بدل ہے عورتوں کی حالت کو نقصان اور مضرت نہیں پہونچا سکتا اور اور جگہ قرآن میں عورتوں کو ضرر پہونچانے کی صاف ممانعت ہے۔ چنانچہ۔

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (بقر ۲۹ ع)

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (طلاق)

۳۔ اعتراض

استبدال زوج یعنی ایک عورت کو طلاق دینا اس غرض سے کہ دوسری سے نکاح کریں قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اس شرط سے کہ مہر پورا ادا کیا جاوے پس جب کہ مابہا السرور سطح پر مجبور اور مقہور اور مقید اور مہجورا ور فی الفور دفعۃً غصہ میں یا اضطراراً نکالدی جاوے تو یہ کیونکر کہا جاوے کہ شریعت اسلامی نے عورتوں کے حق میں بہبودی کی۔ مجھے اس کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ زمان جاہلیت میں عورت کو زیادہ آزادی تھی صحت و تندرستی زیادہ عفت سے اختیار حاصل تھا۔

جواب

ان اردتم استبدال زوج کو ایک حکم ابتدائی اور جواز استبدال کی پروانگی سمجھنا خلاف مراد کلام الٰہی ہے کیونکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ طلاق کی حالت میں زر مہر میں سے کچھ بھی لے لینا کسی طرح درست نہیں اور اس طرح کے واپس لینے کو امر ناحق اور صریح گناہ قرار دیا اور نیز اسے خلاف عہد بھی بتلایا پس اس آیت میں گو ضمناً جواز طلاق کو تسلیم کیا مگر مقصود ممانعت طلاق ہے کیونکہ جب مہر کامل ادا کرنا اور اسمیں سے کچھ بھی نہ لینا ایک حکم محکم قرار دیا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی۔ بلکہ قنطار کے لفظ سے اسکی تعداد کا بے شمار ہونا ظاہر کیا تو ایسی صورت میں طلاق کے مقدمے بہت ہی کم نکلینگے گویا کہ طلاق کو ایک بڑی مشکل شرط پر موقوف رکھا تو اس کا مقصود منع طلاق ٹھہرا نہ کہ جواز اور ایک لطف یہ ہے کہ ان اردتم کا لفظ فرمایا ہے جس سے وقوع طلاق کی تسلیم و تجویز نہیں نکلتی۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت سے جواز طلاق (اور وہ بھی ناپسندیدہ اور قبیح طریقے سے) میں پیش کرنا ایک ناقص شہادت ہے۔ اور اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے طلاق کو ترویج دی ایک بڑی بے باکی ہے کیونکہ اسکا

مقصد یہ نہیں کہ تم طلاق دیا کرو بلکہ محل کلام یہ ہے کہ زر مہر میں سے کچھ نہ لیا کرو۔ گو ایسا موقع اسی وقت پیش آویگا جبکہ طلاق ہوگی۔ مگر اس حکم کی منشاء دیکھنی چاہئیے کہ طلاق کے جواز کو صرف ضمناً تسلیم کرلیا ہے نہ یہ کہ اس سے اسکو بالاستقلال جائز کیا ہو اور اسی لیئے آمادہ تم کا لفظ بھی کہا اور محاورات میں بسا اوقات ایسا بول جاتے ہیں کہ نتیجہ میں گفتگو کرنی منظور ہوتی ہے تو سبب کا ذکر فرض و تسلیم کی صورت میں ہوجاتا مگر اس سبب کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔

اور درحقیقت اس آیت میں اس متلون مزاج ناعاقبت اندیش کی چھچھوری حرکت پر جو گھڑی میں گھر بناوے اور گھڑی میں بگاڑ سے تنبیہ کردی ہے تاکہ وہ بلا سبب اور بغیر ضرورت محض لذت حاصل کرنے کے لیئے استبدال زوج چاہتا ہو۔ اس صورت میں یہ حکم اس ارادہ کا قوی مانع ہوگا۔ پس ان سب تقریروں کے خلاصہ میں ہم کہتے ہیں کہ زمان جاہلیت کے آداب میں بلکہ یہود اور رومن کی رسوم میں بھی عورت کی ذات بہت بدتر کمتر ذلیل تر حالت میں کشہ بے اختیار اور قیدی کی طرح بسر کرتی تھی اور حسن معاشرت کے بہت سے فائدے اور زوجیت کے بہت سے حقوق سے محروم رہتی تھی اور انگلستانی رسمیں ابتک اسکے حق میں سخت اور شدید ہیں مگر اسلام کے شارع نے احکام قرآن میں عورتوں کی حالت کو ایام زوجیت اور بیوگی میں اگلے زمانہ کی حالتوں سے کہیں بڑھکر بہتر اور برتر کردیا۔ اور عدالت کے حکم اور عاشروھن بالمعروف کی وصیت اور امسکوا بالمعروف کے فتوے سے اس سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال کردینے سے اس اصلی غرض کو جسپر محصنین غیر مسافحین میں اشارہ کیا ہے اس قدرتی تسکین اور باہمی اطمینان کو جو ھن لباس لکم سے مراد ہے بڑے کامل طور سے پورا کیا۔

۴۔ اعتراض

اور لونڈیوں کے حق میں جو مسلمانوں کی غلامی میں ہوں دشوار ہے کہ اُن کی حالت مذلت سے زیادہ جنس انسان کی اَور کوئی حالت قیاس میں آسکے ان سے تو کمترین مخلوقات

جواب

لونڈی اور غلام کی کامل آزادی اسلام میں ہوچکی ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے مگر یہاں پر اسیقدر کافی ہے کہ اس وقت میں کنیزکوں سے تجویز کی تجویز ایک شاذونادر صورت تھیں

کی حیثیت سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قید و بند
تو ان پر ایسی ہے گویا کہ وہ منکوحہ ہیں
مگر حقوق زوجیت سے وہ صاف صاف
محروم ہیں وہ بالکل اپنے مالکوں کے اختیار میں
ہیں صرف ایک صورت مخلصی کی یہ ہے کہ
جب وہ ام ولد ہو جاوے تو بک نہیں
سکتی اور مالک کی وفات پر آزاد ہو جاتی
ہے سو بھی قرآن شریف میں نہیں ہے
ماریہ قبطیہ کی مثال پر قیاس کیا جاتا
ہے ؎

ہے اور وہ بھی مصلحت سے خالی نہ تھی
یعنی جس شخص کو نکاح آزاد کا مقدور نہ ہو
اور بے نکاح رہنے میں زنا کا اندیشہ ہو
مگر باایں ہمہ پھر بھی لونڈیوں کے نکاح سے
اجتناب ہی بہتر قرار دیا چنانچہ فرمایا کہ
"وان تصبروا خیر لکم" +
(دیکھو اس مضمون کی ۹ دفعہ)

۵۔ اعتراض

طلاق کے قاعدوں میں ایک قاعدے
کی نسبت بے بولے رہا نہیں جاتا کہ ایک
خاوند دو مرتبہ طلاق دیدیکر تو پھر سکتا ہے
مگر تیسری مرتبہ کے بعد پھر نہیں سکتا اور
یہ فعل کیسا ہی ناحق اور مضر ہو اور کیسے ہی
غصہ کا نتیجہ ہو اور اس سے کیسا ہی کچھ نہ
اس بے جرم عورت کو۔ نہیں بلکہ اس کے
معصوم بچوں کو اثر پہونچتا ہو اور وہ شوہر
بھی کیسا ہی کچھ اس ظلم کی اصلاح چاہتا ہو مگر
اب وہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ
وہ طلاق دی ہوئی عورت ایک سخت شرط
پر پھر آسکتی ہے کہ پہلے اسکا کسی اور سے
نکاح ہو اور وہ بھی اسے طلاق دیدے (بقر ۲۳۱) ؎

جواب

طلاق بائن کی جو اخلاقی اور منزلی اور
تمدنی قباحتیں بیان ہوئی ہیں وہ احکام قرآنی
پر عاید نہیں ہوتیں۔ قرآن میں پہلے ہی اس
کوتہ اندیش تنگ مزاج تلون طبع خفیف الحرکت
سبکسر مرد کے غیظ و غضب اور جوش و خروش
اور عدوان کا علاج کر دیا ہے اور کئی تدبیریں
اسکے روک تھام کی مثلاً عدت کا مقرر
ہونا اور ظاہر ہے کہ اتنے عرصہ دراز میں
وہ شخص اچھی طرح اپنے ارادہ سے پشیمان
ہو کر باز آسکتا ہے اور نیز یہ کہ مدت عدت
تک دونوں ایک ہی جگہ ایک ہی مکان
میں رہیں جو خاص اس غرض سے تھی کہ دونو
میں باہم صلح ہو جاوے۔ پھر اس عدت کے

مسلمانوں کی حیا وغیرت کا اسی پر قیاس
کرلیا جاوے کہ مطلقہ بائن کے پھر جائز
ہونے کے لیئے ایک مستحل یعنی عارضی شوہر
گویا اجرت پر رکھ لیا جاتا ہے اسکی ایک
مثل مشہور ہوگئی ہے الف عشق و لا
مستحل +

بعد یہی ضرور نہیں کہ طلاق ہی دیجاوے
بلکہ اختیار رہے کہ یا رخصت کریں یا رہنے
دیں تو کیا اتنے عرصہ میں اور ان تدبیروں
پر بھی تلون مزاج کی دفعتاً طیش اور غضب سے
باز آنے کا موقع نہ ملیگا اور کیا اب بھی
وہ اپنی مجبوری اور بے سببی کا عذر
کرسکتا ہے اور کیا اتنی مدت تک اسکی
بدخوئی مستمر رہیگی - پس ان تینوں طلاقوں میں (الطلاق مرتان) اے علی التفریق
دون الجمع + + + + + فان طلقها (اے ثالثة) (فلا تحل له) جو جدا جدا اک
عرصہ معتدبہ کے بعد ہوں شریعت نے کوئی عذر اور حیلہ ناگہانی قصد اور فلتة ناخوشی کا
اٹھا نہیں رکھا کہ جس سے اب جلد بازی اور تیز مزاجی پر ندامت اور افسوس ہو بلکہ اک
اختیاری فعل ہے کہ اس کا الزام اپنی ہی عقل و تمیز پر ہوسکتا ہے +

اور حلالہ کا حکم بھی اس رسم طلاق کے گھٹانے اور کم کرنے کی نظر سے ہوا ہے اور
بیشک اسکی رسوائی کسی صاحب غیرت کو ایسے ارادہ پر جرأت نہ کرنے دیگی یعنی کوئی حمیت
نہ طلاق بائن دیگا نہ حلالہ کی رسوائی اٹھائیگا - اور محلل له اور محلل کی شناعت
پہلے ہی بیان ہوچکی ہے - ابھی ہم حجة الله البالغہ میں دیکھتے ہیں لعن رسول الله صلعم
المحلل والمحلل له +

اور یہ تو ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ گویا شریعت نے اس بے جرم صاحب عفت
کی پردہ دری اس رسم کو گوارا کی ہو کیونکہ مستحل صرف اس عورت کو اس غرض سے کہ وہ اگلے
شوہر کو اس حیلہ سے حلال ہوجاوے پہلے ہی سے ارادہ کرکے تھوڑی دیر کے لیئے
نکاح کرے تو وہ ہرگز درست نہوگا کیونکہ نکاح میں تو مداومت اور تحصین اور عدم سفاح
اور تعاون فی العشرت اور باہم کی تسکین اور اتحاد مراد اور مقصود ہے تو ایسی صورت میں
محلل کا نکاح دائمی ہوگا جبتک کہ کوئی ایسی ہی ناگزیر ضرورت طلاق کی جن کا بیان
آگے ہوچکا ہے پیش نہ آوے - پس اس عورت کا بائن ہونے کے بعد حلال نہ ہونا اس
مرد کے لیئے سزا ہے کہ اس نے عہد الٰہی اور قانون قدرت کی رعایت نہ کی سو سوی

شریعت میں بھی مطلقہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی - مؤبداً (سمار ۲۴/۴) مگر قرآن کی نظر میں اتفاق کو ترجیح ہے افتراق پر ٭

۲۴ - حیف ہے اگر اس مقام پر جناب پیغمبر صلعم کی خاص ازواج طیبات کے احکام نہ بیان کیئے جاویں گو اس تحریر کی وضع سے یہ بحث خارج ہو ٭

ہر ایک انسان کی عقل ضرور اس امر کی طلبگار ہو گی کہ مصلح قوم اور ہادی انام نے جیسے ایسی حکمت اور مصلحت کے احکام جاری کیئے اور زمانہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ اور عادات ضارہ کو روکا اور رحم کیا) خود اپنا نمونہ کیسا دکھلایا - اور بالضرور ہر ایک شخص کا وجدان اسپر گواہی دیگا کہ ناصح ملت اور مہذب مذہب خود بھی ایک نمونہ ہونا چاہیئے - تمام اخلاق اور حسنات اور خیرات کا تاکہ لوگ اُس سے نفرت نکریں اور یہی امر اصل ہے مسئلہ عصمت کی ٭

جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام ازدواج عجب حکمت کے احکام تھے جن سے ہم اب بھی اس بات پر استدلال کر سکتے ہیں کہ کسی متنبی سے ایسے احکام صادر ہونے کی توقع اور احتمال نہیں کیونکہ یہ احکام بڑی تنگی اور قید نفس اور حرمان شدید کے ہیں - اوائل سورہ نساء کی آیت (جس میں عورتوں کی حد مقرر ہے) نازل ہونے سے پیشتر[1] جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ حکم ہوا تھا کہ ازواج موجود (جن کا عدد بعد کی مقررہ کی ہوئی نصاب سے زیادہ تھا) حلال ہیں (تنزیل میں بھی ان کی حلت کو ظاہر

---

[1] یہ بات کہ سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی نساء سے اُس کے ثبوت میں یہ دلیلیں ہیں (۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری کا ایک شعر یہ ہے -

لاحزاب مایدۃ امتحان النساء ٭ مع زلزلت ثم الحدید تا ملا

(۲) ابن ضریس نے فضائل القرآن میں ابن عباس سے روایت کی ہے اسمیں مدنی سورتیں اس طرح پر ترتیب دی ہیں " ثم البقرۃ ثم الانفال ثم آل عمران ثم الاحزاب ثم الممتحنۃ ثم النساء الخ "

(۳) بیہقی نے عکرمہ سے روایت کی ہے دلائل النبوۃ میں اس میں مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح پر ہے " ویل للمطففین والبقرۃ وآل عمران والانفال والاحزاب والمائدۃ والممتحنۃ والنساء الخ

فرمایا گیا)[1] - اس طرح پر یا ایھا النبي انا احللنا لك ازواجك التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینك مما افاء الله علیك[2] وبنات عمك و بنات عماتك[3] وبنات خالك وبنات خالاتك التی ھاجرن معك[4] وامراۃ مومنۃ ان[5] وھبت نفسھا للنبي ان اراد النبي ان یستنکحھا

[1] اس اظہار تحلیل سے یہ نہیں لازم آتا کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ غیر حلال تھا کیونکہ اب تک جو ہوا تھا اس کی حلت سنت یعنی فعل رسول اور انبیاء سابقین کے دستور اور قوم کی رسم اور قانون قدرت کی مطابقت سے ہوا تھا اور اب اسی تحلیل کا اظہار ہوا باین معنی کہ ہم حلال کر چکے ہیں ان کو مگر آیندہ الخ -

اور ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں نزول حکم متاخر ہے اور عمل متقدم مثلاً آیۃ وضو جو بالاتفاق بعد ہجرت نازل ہوئی مگر اس کا حکم مکی ہے ایسی ہے آیت جمعہ جو مدنی ہے مگر جمعہ کی فرضیت مکی ہے ایسے ہی فرضیت زکوٰۃ کا حکم بہت متاخر ہے اور اسکا عمل اوایل ہجرت سے ہے دیکھو اتقان میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے ما تاخر نزولہ عن حکمہ (نوع ۱۲)

اور یہاں تو سب صیغے ماضی کے ہیں اور وہ بھی امر کی صورت میں نہیں ہیں بلکہ خبر کے طور پر ہیں پس یہ آیت سابق ہی کی حلت ظاہر کرتی ہے - آیندہ کیواسطے کوئی حکم نہیں دیتی -

[2] تفسیر جلالین میں مما افاء اللہ کی تفسیر میں صفیہ اور جویریہ کا نام لکھا ہے اور یہ دونوں مشہور ہے کہ آزادی کی حالت میں نکاح میں آئیں +

[3] بنات عم سے نساء قریش مراد ہیں -

[4] بنات خال سے نساء بنی زہرہ مراد ہیں -

[5] "ان وھبت" - کوئی ایسی عورت مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہتی عن عبداللہ ابن عباس ومجاھد لم یکن عند النبي امراۃ وھبت نفسھا منہ (معالم التنزیل) اور نہ اس میں کوئی حکم مستقبل کا ہے - کچھ ضرور نہیں کہ ان شرطیہ ہو محتمل ہے کہ "قد" کے معنی میں ہو اور تعلیل کے واسطے ہو - پس حضرت خدیجہ مراد ہونگی اور نکرہ ممکن ہے کہ تعظیم کے لیئے ہو +

خالصۃ لک من دون المومنین[1] قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم لکیلا یکون علیک حرج ط (احزاب ۳۹) یعنی ہمنے حلال کیں تجھ کو تیری عورتیں (یا ہم جائز کر چکے ہیں تجھ کو تیری عورتیں) جن کے مہر تو دے چکا اور جن کا تو مالک ہو چکا فی کے ذریعہ سے (اب جو مہر دے چکنے کی وجہ سے حلال نہیں اُن کی تفصیل ہے) تیری چچا زاد اور پھوپی کے قبیلہ کی عورتیں اور ماموں زاد اور خالہ کے قبیلہ کی عورتیں جنھوں نے ہجرت کی تیرے ساتھ۔ اور وہ عورت جس نے اپنے آپ کو عرض کیا فیئی پر اور نبی نے بھی چاہا اُس کو نکاح میں (مراد خدیجہ رضی اللہ شاید) (یہ احکام جن میں اس وقت موجود عورتوں کے جائز رکھنے کا حکم ہے اس طرح پر کہ عین ان عورتوں کا اور ذوات شخصیہ اُن عورتوں کی حلال ہو چکی اس حیثیت سے کہ اُن میں تغیر اور تبدل نہو سکے) خاص تیرے ہی لیئے (تاکہ تو ضبط اور قید میں نمونہ ہو اوروں کو اور تاکہ اُس سے ظاہر ہو تیری عدم متابعت نفس اور مجبوری احکام الٰہی کی گو وہ خلاف ہوں خواہش ہائے بشری کے) سوائے سب مسلمانوں کے (کیونکہ) ہمکو معلوم ہے جو اُن پر حکم ہوا ہے اُن کی نسبت جو اُن کی عورتیں ہیں اور اُن کے ہاتھ کے مال ہیں (مسلمان لونڈیاں) (وہ یہ کہ اُن کے لیئے ذات معین نہیں اور اُن میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی معروف طور پر ہو سکتی ہے مگر تیرے لیئے خاص اُن عورتوں کی تخصیص ہے جن میں کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا) تاکہ تجھ پر گناہ نہو (اُن خوردہ گیروں کی نظر میں جو محض کثرت پر نظر کر کے طعن کریں کہ نبی نے متابعت نفس کے لیئے ایسا کیا حالانکہ اصل حقیقت اُن کی فہم کے خلاف ہے چنانچہ پھر فرمایا) مگر۔

---

[1] یعنی سورہ فرقان اور مومنون اور بقر میں جو کچھ ازواج کی نسبت احکام اور وصیت ہوئی۔ اور یہ سورتیں متقدم ہیں احزاب پر دیکھو قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول اور ابن ضریس کے رسالہ فضایل القرآن میں ابن عباس کی روایت۔

"لا یحل لک النساء من بعد[1] ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک

[1] من بعد التسع وھو فی حقہ کالاربع فی حقنا او من بعد الیوم حتی لو ماتت واحدۃ لم تحل لہ نکاح اخری (بیضاوی)

بعضے لوگوں کو اس آیت میں بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔یعنی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ نسخ قرآن میں ہوا ہے یا نہیں ایک اَور لطف یہ ہے کہ اس کا ناسخ اس سے پہلے ہے۔ان ھذا لشئ عجاب۔ حالانکہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اُسپر اجماع بھی ہے۔اور یہ بتواتر ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے قرآن پڑھتے تھے جس طرح اب آیتیں مرتب ہیں۔پس ممکن نہیں کہ اُن آیتوں کی ترتیب میں ایسی صریح تاریخی غلطی ہوگئی ہو۔علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔الاجماع والنصوص المترادفۃ علی ان ترتیب الایات توقیفی لاشبھۃ فی ذلک اما الاجماع فنقلہ غیر واحد منھم الزرکشی فی البرھان وابوجعفر بن الزبیر فی مناسباتہ وعبارتہ ترتیب الایات فی سورھا واقع بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین۔انتھے۔اور پھر قاضی ابوبکر (الباقلانی) کا قول نقل کیا ہے۔ان الایۃ ضبطت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب ای کل سورۃ ومواضعھا وعرفت مواقعھا کما ضبط عنہ نفس القرآن وذات التلاوۃ الخ۔

علاوہ ازیں جس آیت کو اُس کا ناسخ ہونا تفسیر بیضاوی کمالین اور معالم میں نقل کیا ہے یعنی ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء اس میں ایک حرف بھی اسپر دلالت نہیں کرتا کہ ازواج موجودہ کے سوا اُن کے غیر سے نکاح کیا جاوے۔بعض نے اَور بھی ترقی کرکے یہ کہا ہے کہ اس ۵۱۔آیت کی اَور بھی پہلے کی یعنی ۴۹۔آیت اسکی ناسخ ہے۔لاحول ولاقوۃ۔نسخ کیا ہوا ایک ویا ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔بلادلیل اور بغیر ضرورت اُلٹی کھٹی باتیں خلاف تحقیق جوجی میں آتا ہے صرف بات کی پچ پر کہدیتے ہیں۔البتہ رجابالغیب ایک قول حضرت عائشہ کا نقل کرتے ہیں کہ ما مات رسول اللہ حتی احل لہ النساء یہی الفاظ ہیں تفسیر کشاف وکبیر اور صحیح ترمذی کے اور اس سے کوئی حرف زیادہ نہیں ہے اور یہ سچ ہے آئیں اشارہ ہے اسپر کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی حلت تنزیل میں ظاہر ہوچکی ہے پس نسخ کا مذکور تو کہیں خواب وخیال میں بھی نہیں ہے۔اب اگر اسپر بھی نہ مانیں اور حضرت عائشہ

حسنہن الاماملکت یمینک[1]" ط (احزاب ۴۱) ◆

یعنی اسوقت سے سب عورتیں تجھ پر حرام ہیں اور اس لیئے اُن عورتوں سے (جن کا ذکر ہوا) بدلے اور عورتیں کرنی بھی (ایسی حالت میں کہ اُن میں کوئی مرجاوے یا

کے قول کو پھیر پھار کر اپنے ہی مطلب پر لاویں تو اُس کے معارضہ میں ہم انس کا قول پیش کرینگے جو کہتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتے تک وہی حرمت کا حکم جو لایحل لك النساء من بعد میں تھا قائم رہا چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال انس ومات علی التحریم ٭

تائید الاسلام مطبوعہ ۱۸۷۳ء کے ص ۱۰۸ و ۱۰۹ میں دو روایتیں ترمذی سے اس مطلب کیلیئے نقل ہوئی ہیں کہ سورہ احزاب کی ۴۱ آیت کے بعد ۴۹ آیت نازل ہوئی یہاں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں مگر اسقدر تنبیہ کرنی ضرور ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن ہیں اور حسن صحیح سے کمتر ہے۔ اُس کے راوی درجہ عدالت تک نہیں پہونچے گو فاسق بھی نہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ روایتیں صرف عبدالحمید بن بہرام کے واسطے ہیں اور اُس نے عبداللہ بن موسیٰ سے روایت کی ہے مگر عبد بن حمید کی روایت جو منقول ہے وہ وہ ہے جو شہر بن حوشب سے ہو چنانچہ ابو عیسےٰ ترمذی نے ان روایتوں کے بعد لکھا ہے سمعت احمد بن الحسن یذکر عن احمد بن حنبل قال لاباس بحدیث عبد الحمید بن بہرام عن شہر بن حوشب انتھی۔ پس وہ روایتیں کبھی اس لائق نہونگی کہ وہ نظم و ترتیب قرآن کو مختل کردیں یا کسی واہیات اور منکر مضمون کی اُن سے تائید ہوسکے ٭

[1] ایک مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ گو اس آیت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج کی اجازت نہوئی مگر ملک یمین میں تو آزادی حاصل ہے۔ اس مقام پر جو لفظ اڈلیبی ٹم اصل اعتراض میں ہے وہ تو ایک تیر جگر دوز ہے۔ مگر عامہ مسلمین کو اسکی کیا پروا ہے۔ الا در حقیقت کوئی یہ پوچھے کہ حضرت ملک یمین لغت کی رو سے لونڈی کو کہتے ہیں یا یہ لفظ منقول شرعی یعنی فقہا کی اصطلاح ہے۔ پہلی صورت کی سند لائیے اور دوسری صورت میں قرآن کے الفاظ کو فقہا کی اصطلاح پر محدود و محمول نہ فرمائیے۔ ابی العالیہ اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی متقدمین مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ملک یمین نکاح میں پائی جاتی ہے (دیکھئے تفسیر مجمع البیان اور نیز تفسیر کبیر) پس چونکہ مضمون عدم

طلاق پالے) حرام ہوئیں گو اَوروں کی صورت پسند بھی ہو (تب بھی تحدید کو یہ سخت قید اور بند اور شتہیات نفس کے خلاف بلکہ میلان قلب کے بھی خلاف حکم دیا گیا جس میں نبی کا ضبط اور سائر مسلمین سے عفت اور مخالفت نفس میں استقلال اور برتری ظاہر ہو اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوئی جھوٹا آدمی ایسے احکام اپنی غرض کے خلاف صادر نہیں کرسکتا) - مگر یہ حرمت اُن عورتوں سے متعلق نہیں ہے جو نیری ملک نکاح میں آچکی ہیں (کیونکہ پہلے سے فعل نبی اور عطاے مہر سے نکاح میں بطور معروف آچکی اور پچھلی آیت میں ان کی تحلیل بھی ظاہر ہو چکی ہے) ؛

پس اب اس بیان سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ اس پہلی آیت میں (احزاب ۴۹ آیۃ) نہ تو کسی نئی بات کی ایجاد ہے اور نہ کسی امر غیر موجودہ کے پیدا ہونے کا حکم اور نہ آیندہ کو کسی نئی بات کا استحقاق ہے اور نہ کوئی مفید مطلب پروانگی ہے اور جو کچھ تخصیص من دون المومنین ہے وہ ممانعت اور قید کی صورت ہے نہ کہ آزادی اور بے قیدی کی کیونکہ عوام مسلمین کے لیئے صرف عدد کا تعین تھا نہ کہ منکوحات کا اور ممکن ہے کہ موت یا طلاق کی صورت میں ہمیشہ ادل بدل ہوتا رہے مگر جناب پیغمبر صلعم کی نسبت تخصیص تھی منکوحات کی کہ نہ تو ان عورتوں سے زیادہ کوئی اَور نکاح کرسکتے تھے اور نہ اُن کے بدلے میں نکاح کرسکتے تھے - پس ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کو نکاح کے باب میں اَور

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۵۳

حلت نسوان زنان موجودہ و منکوحہ پر بھی حاوی تھا کہ اس وقت کے بعد سے تمہیں عورتیں حلال نہیں - اس لیئے الا ما ملکت یمینک کہنا ضرور ہوا کہ جو عورتیں ملک نکاح میں آچکی تھیں وہ مستثنیٰ رہیں -

اور ملکت جو ماضی کا صیغہ ہے وہ تو حقیقت میں ماضی پر دلالت کرتا ہے اُسکو مستقبل پر حمل کرنا مجازی طور پر ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لیئے کوئی قرینہ صارف عن الظاہر ضرور ہونا چاہیئے - ایک صاحب فارسی کا یہ شعر توڑتے ہیں - چار جا ماضی بیاید معنیش مستقبل الخ - مگر کوئی صاحب حقیقت سے عدول کرنے کی ضرورت شدید اور مانع قوی اور قرینہ واضح بیان نہیں کرسکتے - اور ظاہر ہے کہ صرف بیاید کچھ کام نہیں آسکتا - فتدبر ولا تکن من الجاھلین وتامل حتی یاتیک الیقین -

مسلمانوں کی نسبت زیادہ وقت اور قید اور ممانعت تھی اور ایسا ہی شان نبی کے
لایق بھی تھا - پس یہ صریح امتناعی احکام اور قہر نفس اور تحصین شدید کے جو مقتضائے
بشریت پر صبر اور میلان قلبی پر جبر کرنے کے ہیں اُن سے صاف ثابت ہے کہ جناب
پیغمبر صلعم نے جیسے اُن احکام تنزیل وحی کے مسلمانوں کی عفت اور پرہیزگاری کے
بیان فرمائے اُن سے زیادہ اپنی مخالفت نفس کے احکام ظاہر فرمائے +

اس تقریر سے ڈین پریڈو اور فانڈر صاحبوں کے اعتراضات تو باطل ہو
ہی گئے مگر بعض نافہم مسلمان جو اسلام کے نادان دوست ہیں اُن کی رکیک توجیہات
اور خام خیالات بھی باطل ہو گئے وللہ الحمد علی ذالك +

۲۵ - اور منجملہ برکات اسلام ایک یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت اور مہلکوں سے
صیانت کا حکم ہے +

(۱) ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[1] - (بقر ۱۹۱)

Suicide and gladatorial shows mitigated.

(۲) ولا تقتلوا انفسکم - (۵ ح ۲ ع) +

خودکشی جیسا اس پچھلی آیت میں اشارہ ہے

جاہلیت کے زمانہ میں عرب و روم وغیرہ آباد ملکوں میں جہاں سیاست اور قانون بنے
تھے بے روک ٹوک جاری تھی اور بعضی صورتیں آپ سے آپ مرجانے کی عبادت میں
داخل تھیں +

ایک ڈو ـ ایل کی رسم ممالک فرنگ میں عجیب رسم تھی کہ دو آدمی باہم مقاتلہ کرتے
تھے اور گواہ بھی حاضر رہتے جو اُن کے ہاتھ میں آلات حرب دیتے اور انتظام کرتے
تھے - اور اسکی بنا یہ اعتقاد ہوا کہ ضرور ہے کہ خدا ظالم کو بلا واسطہ سزا دے اور مظلوم
کی نصرت کرے - چنانچہ یہاں تک یہ رسم بڑھی کہ مقدمات حقیت میں اسی رسم کو محک
عدالت اور عیار حقیقت قرار دیا - اگر ایک اُفتادہ زمین پر تنازع ہے تو اُنھوں نے کہا

---

[1] افضل العلما راڈویل صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت
ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے بالکل رائے کی آزادی کی تعلیم دی - انتہی - درحقیقت رائے کی آزادی
بہت بڑی نعمت ہے اور اُس کا ثمرہ قوم اور ملک کی اصلاح پر بہت مفید ہے +

کرا اُولڑلیں جو مرجاوے وہ غیرحق پر تھا۔کیا خوب عدالت تھی اور کیا اچھا فیصلہ ہوتا تھا اسلام میں شروع سے اُسکی اصلاح ہوئی اور صرف گواہوں پر یا قسم پر عیار عدالت قرار پایا اور نیز ذاتی تنازعات خارج از عدالت بھی اسی ڈوایل سے طے ہوا کرتے تھے۔ اسلام میں بہت اُڑ کے ہوا تو مباہلہ ہوا ❖

کہتے ہیں کہ ۱۰۰۰ء میں جرمن گنڈیبالڈ بادشاہ نے اس رسم کو قسم کی جگہ فصل خصومات میں مقرر کیا۔ ان دونوں قسم کے ڈوایل یعنی ایک تو عدالت کی حیثیت سے دوسری مغایر عدالت کئی طرح پر جاری رہی یعنی تلواروں سے لڑنا اور پستولوں سے گولی مارنا۔ اور دوا پیٹی ایک زہر آلود ایک روٹی کی بنی ہوئی کھلانا۔انگلستان کے بادشاہوں نے آخر زمانہ میں اس رسم کے بند کرنے کا بڑا اہتمام کیا لیکن فرانس میں اُس کا رواج کثرت سے رہا ❖

۲۶- اور کئی ایک احکام بڑی تاکید سے ہر ایک طبقہ کے انسان سے نیکی اور رعایت کرنے کے قرآن میں بکثرت ہیں۔

(ا) وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ع ۵)

پھر سورہ بقر میں ہے۔

(ب) "واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"۔ (۲-ح)

Islam inculcates to show kindness to parents, to kindred, to orphans, to poors, to neighbours whether kinsmen or strangers, to a fellow traveller, to wayfarers, to slaves and captives &c.

اس میں (۱ و ۲) والدین سے نیکی کرنی (۳) رشتہ داروں سے (۴) یتیموں سے (۵) محتاجوں سے احسان کرنا (۶) پروسی ناتے والے سے (۷) اور بیگانے پروسی سے (۸) اپنے رفیق سے (۹) مسافر سے (۱۰) غلاموں سے خادموں سے (۱۱) قیدیوں سے نیک سلوک کرنا اور اُن کو اپنا مال دینا بڑی تاکید سے واجب قرار دیا ہے ❖

اس میں کوئی جنس انسان کی ایسی باقی نہیں رہی جس پر اسلام نے شفقت کرنے اور نیکی سے پیش آنے کا حکم نہ دیا ہو۔ نہ صرف ایک یا دو ہی جگہ بلکہ مختلف طور سے اور جُدا جُدا تقریب سے ان احسانات اور خیرات کو بیان فرمایا ہے۔

(ج) "ما انفقتم من خیر (۲) فللوالدین (۳) والاقربین (۴) والیتامیٰ (۵) والمساکین (۶) وابن السبیل"۔ (۲ ح)

(د) "(۲) وبالوالدین احسانا واما یبلغن عندك الكبر احدهما او كلهما فلا تقل لهما اُف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما۔ واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیراً"۔ (۱۵-ح)

اور ماباپ سے نیکی کرو اور جو کوئی ان دونوں میں سے بڈھا ہو جاوے تو نہ گھرک اور نہ جھڑک اُن کو اور اُن سے ادب کی بات کہہ۔ اور جھکا اُن کے آگے کندھے عاجزی کر کے پیار سے اور کہہ اے رب اِن پر رحم کر جیسا پالا اُنھوں نے مجھے چھوٹا سا"۔

(لا) "وات (۳) ذي القربىٰ حقه (۵) والمساکین (۹) وابن السبیل"۔
یعنی اور دیوے پالنے والوں کا حق اور محتاج کا اور مسافر کا (ایضاً)

(و) "ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا (۴) اولی القربیٰ (۵) والمساکین (۹) والمهاجرین فی سبیل الله"۔ (نور)

اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں سے اور کشایش والے کہ ناتے والوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو مال نہ دیویں۔

(ز) "ووصینا الانسان (۲) بوالدیه احسانا حملته امه کرها ووضعته کرها"۔ (احقاف ۲ ع)

اور ہمنے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماباپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا اُسکو اُسکی ماں نے تکلیف سے اور جنا اُسکو تکلیف سے۔

(ح) "فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبه (۱۱) فك رقبة او اطعام فی یوم ذی مسغبة (۴) یتیما ذا مقربة او (۵) مسکینا ذا متربة"۔

او رانسان نہ ہچک سکا گھاٹی کو اور وہ گھاٹی کیا ہے۔ آزاد کرنا غلام کا یا کھانا کھلانا بھوک کے دن میں بے باپ کے لڑکے کو جو ناتے دار ہے یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا

ہے " (بلد)

(ط) "فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر" (ضحیٰ)

سو جو یتیم ہو اُسکو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اُسکو نہ جھڑک۔

ان احکام کو جو جملہ طبقات ناس کی ہر ایک قسم پر حاوی ہیں توریت اور انجیل اور حکما سلف کی وصیتوں سے مقابلہ کرلو ایسی جامعیت اور تفصیل ایسی عمدہ ترتیب اور قدرتی نظام کی رعایت اور عموماً احسان کے احکام نہ پاؤگے ؛

۲۷۔ غلاموں کی حالت بالتخصیص بڑی اصلاح کی محتاج تھی اُن کی آزادی اور آیندہ کے سدباب کے لیئے بڑی کوشش اور اہتمام ہوا اور کتاب کا امر محکم اور حکم لازم صادر کیا۔

Islam liberated slaves not as only a merit, but as strict and an indispensable duty.

" والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً واتوھم من مال اللہ الذی اٰتاکم"۔ (نور)[1]

یعنی جو کوئی لونڈی یا غلام یہ کہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپیہ کما دوں گا مجھے

---

[1] داؤد الاصفہانی وغیرہ (جن کو یہ اہل الرائے اصحاب الظواہر کہتے ہیں) اور اَور علما ریہ کہتے ہیں کہ یہ امر کتابت کا ایجاب کے واسطے ہے یعنی جب غلام درخواست کرے اپنی آزادی کی اقرار نامہ پر اور مالک سمجھے کہ اس میں اُسکی بہتری ہے تو فوراً آزاد کردے ؛

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اسلام کی اصلی نیکی اور خیر اور اصلاح پر نظر کرتے ہیں تو بالضرور ہم اپنے وجدان سلیم سے یہی پاتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے واسطے ہے کئی وجہ سے (۱) یہ کہ امر تو ایجاب کیواسطے ہوتا ہے اور اس کا سبب نزول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ حرطیب بن عبد العزی کے غلام نے جس کا نام صبیح تھا کتابت چاہی تو اُس کے آقا نے انکار کیا اسپر یہ حکم ہوا پس ظاہر ہے کہ انکار کے مقابلہ میں حکم دیا تو ضرور ہے کہ وہ حکم واجب ہو (۲) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مکاتب کرنے کا حکم دیا اُس نے انکار کیا تو اُنھوں نے اُسکی تعزیر کی پس اگر کتابت واجب نہ ہوتی تو اُسکو مارنا جبر اور ظلم ٹھہرتا حالانکہ صحاب میں سے کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا (۳) عمر ابن دینار و عطا و داؤد بن علی اور محمد بن جریر بیہاں پر وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ پس ان

ابھی آزاد کردو تو اُن کو اقرار لکھدو اگر ان میں نیکی دیکھو اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو تمکو دیا ہے ⁂

اور جب مالک سے اس طرح اقرار نامہ ہو جاوے تو پھر سب پر (جنمیں مالک بھی ہے) واجب کیا کہ اس کا زر کتابت پورا کردیں اور مالک کو بھی لازم ہوا کہ اس اقرار میں سے ایک مقدار کثیر چھوڑ دے چنانچہ کلبی اور مقاتل اور نخعی نے یہی تفسیر کی ہے اور امام شافعی رح کا

سب قراین پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت واجب ہے اور درحقیقت یہ بڑی فضیلت ہے اسلام کی ⁂

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر مندوب ہے اُن کی واہیات سی حجت اور نامعقول سا قیاس ہے وہ کہتے ہیں کہ مکاتب کرنا اور بیچ ڈالنا برابر ہے اور بیع کرنا واجب نہیں ہے تو مکاتب کرنا بھی واجب نہ ہوگا گو مستحب ہو مگر افسوس کہ اُنھوں نے حکم کتابت کی خوبی نہیں پائی۔ ان کے ذہن اور طبیعتیں ایسی پست اور دبی ہوئی ہیں کہ انسان کی بھلائی اور فطرتی آزادی اور غلاموں کے آزاد کرنے کے محاسن اور اسلام کا مقصد اصلی غلاموں کے حق میں رعایت اور احسان کرنا اور اس امر خاص میں تمام دنیا کے مذاہب اور شرایع پر فوقیت اور فضیلت پانا اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کتابت کے معاملہ کو بھی اُنھوں نے قرضہ کا سا معاملہ سمجھ لیا حالانکہ اُنھیں کے اصول موضوعہ پر کتابت کا روپیہ کوئی دین صحیح نہیں ہے کیونکہ آقا کا غلام پر کوئی قرض نہیں ہو سکتا ⁂

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکاتبت کا روپیہ آقا کو دلوانے کا حکم صرف اُس کے آنسو پونچھنا ہیں ورنہ ادھر تو آقا کو حکم واجب ہے کہ مکاتب کو اپنے مال میں سے دو ⁂

اور لطف یہ ہے کہ امام شافعی اس "واتوهم من مال الله الذي اتاكم" کو واجب جانتے حالانکہ یہ فرع ہے کتابت کی پس مکاتبہ بھی واجب ہوگا کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی تو واجب ہے ⁂

علاوہ ازیں ایک اور اعتراض اس حکم کے مندوب ہونے پر یہ ہے کہ مندوب درحقیقت مامور بہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مندوب میں ایجاب نہیں ہے اور امر ایجاب ہی کے واسطے حقیقت میں ہوتا ہے۔ اور اگر مندوب مامور بہ ہو سکے تو ترک مندوب گناہ ہوگا حالانکہ ترک مندوب بالاتفاق معصیت نہیں تو مندوب مامور بہ بھی نہیں ہو سکتا دیکھو مسلم الثبوت مقالہ ۲ باب ۲ اور کشف المبہم (ص ۱۸۸ تا ۱۹۰)

پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں امر ایجاب کے واسطے ہے۔

بھی مختار ہے کہ مالک پر واجب ہے کہ مکاتب کو مال دیوے کیونکہ امر وجوب کے لیئے ہے +
تفسیر کبیر میں ہے ثالثھا ان ھذا الامر من اللہ تعالیٰ للسادۃ والناس ان یعینوا المکاتب علی بما کتابتہ یمکنھم وھذا قول الکلبي وعکرمہ والمقاتل والنخعي + + قال الشافعي یجب علی المولی ایتاء المکاتب وھوان یحط عنہ جزءمن مال الکتابت اویدفع الیہ جزأ مما اخذ منہ + + وحجۃ الشافعي ظاھر قولہ واتوھم من مال اللہ الذي اتاکم والامر للوجوب الخ +
اور چونکہ امر وجوب کیواسطے ہے تو اب ہمارا استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جبکہ غلاموں کی آزادی کتابت کے ذریعہ سے واجب ٹھہرائی گئی تو جو چیز اس آزادی کی ضد ہے یعنی غلام بنانا وہ حرام اور منع ٹھہرائی گئی کیونکہ اصول میں مسلم مسئلہ ہے - وجوب الشئے یتضمن حرمۃ ضدہٖ +
اور اصطلاحات پر بنا نہ رکھی جاوے تو بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جس چیز کے گھٹانے کم کرنے روکنے اور موقوف کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاویں گی تو ایسی شئے کا زیادہ کرنا یا ابتداء کرنا بڑھانا اور رواج دینا ضرور ممنوع ہوگا پس جبکہ اسلام نے فک رقبہ اور عتاق اور مکاتبہ کے احکام وجوبی صادر کیئے تو اُسکی ضد استرقاق کو ضرور منع کیا +
ایک شبہ یہاں پر یہ ہوسکتا ہے کہ مکاتب کرکے چھوڑ دینے میں قید لگائی گئی ہے ان علمتم فیھم خیرا کی پس شرط کے مفقود ہونے پر بدستور غلامی کی حالت قایم رہیگی +
مگر یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ ان شرطیہ ہو - اِن اَور طرح بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے منجملہ اسکے تعلیل اور قد کے معنی ہیں اور جس چیز کا فعل محقق الوقوع ہو وہاں تعلیل ہی کے معنی مناسب ہونگے - دیکھیے -

۱ - لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ +

۲ - اتقوا اللہ ان کنتم مومنین +

۳ - وانتم الاعلون ان کنتم مومنین +

اور قد کے معنی اس آیت میں -

۴ - فذکر ان نفعت الذکری +

اس میں شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ ذکر اور وعظ تو ہر حال میں مامور بہ ہے ایسے ہی

مکاتبہ میں بھی شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ کتابت تو ماموربہ اور امر وجوبی ہے۔ پس آیت کے معنی بہت چسپاں اور مناسب ہونگے کہ جو تمہارے غلام تم سے آزادی پر اقرار نامہ لکھوانا چاہیں اُن کو لکھدو کیونکہ تم اُن میں بھلائی جان چکے ہو۔

اور اس تفسیر پر ان علمتم فیھم خیراً میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ مکاتبہ تو واجب ہی ہے مگر بلا درخواست کتابت بھی فی نفسہ غلام کی آزادی واجب ہے ÷

۵۔ اور لفظ اِنْ کی بحث میں دور کیوں جاؤ اسی آیت کے بعد کی آیت میں دیکھیے اِنْ کیا معنی دیتا ہے :۔

ولا تکرھو فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصناً۔

۲۸۔ نہ صرف ایک مکاتب کرنے کا ہی حکم دیا بلکہ بہت سے احکام جن سے غلاموں کی سختی جاتی رہی اور اُن کی حالت میں نسبت سابق کے بہت کچھ آسایش اور بہبودی میں ترقی ہوگئی چنانچہ ہمارے یہاں کی کتب صحاح و مسانید و مجامع میں بہت سی حدیثیں اور فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسائل ایسے عمدہ اور کثرت سے ہیں کہ اگر اسی قدر ہی احکام ہوتے تو بھی بہ نسبت اَور قوموں کے رسم قانون کے مسلمانوں کی رسم و قانون میں بہت ترقی اور آسانی تھی اور انھیں احکام قرآنی اور مسائل فقہیہ کی بدولت ہند کے مسلمانوں میں غلاموں اور خدمتگاروں میں صرف نام کا ہی فرق رہ گیا تھا۔ اور چونکہ اسلام کو غلاموں کے حق میں زیادہ رعایت منظور رہی ہے اسلیے غلام کو اس ملک میں اپنے مایحتاج کی فکر نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ اسکو اپنے بال بچوں کی طرف سے تردد رہتا تھا اس کے مسلمان آقا کو خود ہی اسکی تمام ضروریات کی فکر واجب و لازم ہوتی تھی اور اس سے بنرمی و ملایمت سے پیش آیا جاتا تھا۔ اور اس اتفاق کے بدلے میں غلام سے صرف گھر کا معمولی اور آسان کام لیا جاتا تھا۔ یہ کیفیت میں اُسوقت کی بیان کرتا ہوں جب ہندوستان میں انگریزی عملداری کی جانب سے غلاموں کی دست اندازی نہیں ہوئی تھی (دیکھو رسالہ مکناٹن مطبوعہ ولسن) ہمکو اس بات کے ثبوت میں کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل کا برتاؤ بھی غلاموں کے حق میں بہ نسبت اَور قوموں کی شرعیت کے

Treatment of slaves among Muhammedans more liberal than in other nations.

بہت نرم اور ملایم ہے یہ قول پیش کرنا ضرور ہے کہ جب ہندوستان میں مسٹر رچارڈسن بندیلکھنڈ کے جج اور مجسٹریٹ نے ۱۸۰۸ء میں انسداد رسم غلامی میں ایک مسودہ قانون تصنیف کیا تو اس میں اُنھوں نے یہ رائے دی کہ اگر ہندوستان میں سے رسم غلامی کو قطعاً موقوف کردینا مناسب ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کرکے اُن کی جگہ ہر ایک بات میں شریعت اسلام کے احکام کو رواج دیا جاوے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں بہت ہی ملائم ہیں ۔

۲۹ - یہ سب تدبیریں تو اُسوقت کے موجود غلاموں کی آزادی کی تھیں اور ہرچند کہ عقل خیر اندیش کو آیندہ غلام بنانا اس سے ممنوع پایا جاتا مگر اس وقت کے اذہان اور عقول انسان کے فطرتی آزادی کا ادراک اچھی طرح نہیں کرسکتے تھے اور ہر ایک بشر کا وجدان سلیم اسپر گواہی دیتا ہے کہ وہ کبھی اپنی ذات یا عزیزوں کے لیئے غلامی پسند نہ کرے گا اور یہ ایک قدرتی دلیل ہے اُسکے فطرت الٰہیہ کے خلاف ہونے کی کہ اُسکی ناجوازی اور ناگواری انسان کی طبیعت اور جبلت میں رکھی گئی ہے الا رسم قدیم جاہلیت کی گمراہی سے عوام لوگ اس کے محاسن عقلی کو خوب نہیں پاتے تھے اور ایسے امور کی اصلاح صرف علوم کی بتدریج اشاعت اور تزکیہ اور حکمت کی تعلیم سے ہوسکتی ہے تاکہ ہر ایک قوم احکام الٰہی کے بصیرت اور عقل کی ہدایت سے دریافت کرے کہ درحقیقت تمامی خلق اللہ کی بہبود اور عافیت اور عقلی اور مذہبی تمدنی اور حسن عشرت کی اصلاح اسی آزادی پر موقوف ہے اس لیئے ضرور ہوا کہ آیندہ کی رسم غلامی کے موقوف اور مسدود ہونے کے لیئے صاف صاف حکم دیا جاوے ۔ چنانچہ سورہ محمد میں فرمایا ۔

The Koran (Chapter XLVIII and 4) abolished future slavery and concubinage by ordering that the Captives of war to be either dismissed freely or ransomed a law of universal obligation.

" فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا " ۔

چونکہ لڑائیوں کے قیدی غلام بنائے جاتے تھے غلامی کی رسم کی ابتدا یہی معلوم

ہوتی ہے اور اُس وقت کی رسم میں لڑائی کے قیدیوں سے چار طرح پر سلوک کیا جاتا تھا (۱) قتل کرنا (۲) غلام بنانا (۳) احسان کرکے چھوڑ دینا (۴) فدیہ لیکر چھوڑنا۔ اس آیت نے صرف ۳ و ۴ صورت پر لڑائی کے قیدیوں کے حق میں عمل کرنا منحصر کیا اور ۲ اگلی صورتوں کو بالکل موقوف اور مسدود کردیا۔ اور یہ اسلام کی ایسی برکت اور اتنا بڑا احسان ہے کہ کسی مذہب وملت میں ایسی تدبیر انسان کی فلاح اور اصلاح کی نہیں کی گئی ۔

۳۰۔ اس آیت محکم پر کئی طور سے بحث ہوئی ہے اور رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام میں سید محمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی نے بسط وتفصیل ما لاکلام سے اس کے ہر ایک پہلو اور جانب پر بحث کی ہے اور اسلام میں یہ اوّل تحریر و تصنیف ہے جو اس آیۃ کی تنزیہ اور تفسیر میں ہوئی ہو اور جس نے تمام عالم پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہو اور ہمارا یہ مضمون ایسے فقہی مباحثوں کے لیئے نہیں ہے اس میں ہم مختصر گفتگو نفس آیت کے متعلق کرینگے ۔

(۱) زمانہ نزول آیت

مسلمانوں میں یہ اصطلاح کہ فلاں سورت مکی ہے یا مدنی مختلف ہے ۔ بعض تو اس اصطلاح کو زمانہ کی بنا پر رکھتے ہیں یعنی تاریخ کی حیثیت سے جو آیت قبل ہجرت نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے اور جو بعد ہجرت ظاہر ہوئی ہو وہ مدنی ہے خواہ مکہ ہی میں سال حج یا سال فتح کو آئی ہو ۔ الخ۔ بعضے اس اصطلاح کو صرف مکان کے متعلق رکھتے ہیں یعنی جو سورہ مکہ میں نازل ہوئی خواہ قبل ہجرت یا بعد ہجرت وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں وہ مدنی ہے (دیکھو تفسیر اتقان في علوم القرآن ۔ نوع ۱) اور اسی اصطلاح کی بنا پر سورہ محمد بھی مختلف ہے ۔ بعضے کہتے ہیں مدنی ہے اور یہ سچ ہے کیونکہ بعد ہجرت نازل ہوئی ۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ مکی ہے اور یہ بھی سچ ہے کیونکہ مکہ میں نازل ہوئی یعنی سنہ ہجری میں ۔ پس یہ سورت جو بعد ہجرت کے مکے میں نازل ہوئی اس لیئے مدنی ہے اور مکی بھی ۔ پس یہ صرف اصطلاح کی تکرار تھی نہ حقیقت میں اس کے شہر مکہ میں بعد ہجرت نازل ہونے پر کچھ شبہ اور تردد ہو ۔

علامہ سیوطی نے اس سورہ کو مختلف فیہ سورتوں میں درج کیا ہے (مقام مذکور) اور لکھتے ہیں سورۃ محمد حکی النسفي قولا غریبا انہا مکیۃ ۔ اس میں غرابت صرف اصطلاح

کی بنا پر ہے نہ کہ حقیقت میں +

(ب) آیت کی دلالت

اس میں کچھ گفتگو اور نزاع نہیں ہو سکتی کہ اس آیت میں لڑائی کے قیدیوں کے لیئے بجز من اور فدا کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور اختیار نہیں کہ سوائے ان دو صورتوں کے اور کسی طرح سے پیش آیا جاوے۔ متعدد مفسرین صحابہ و تابعین جو اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں وہ ہمارے استدلال کے مؤید ہیں کیونکہ اگر اس آیت سے قیدیوں کا غلام بنانا بھی کسی تاویل بعید و توجیہ غیر سدید سے نکل سکتا تو نسخ کی کیا ضرورت تھی۔ تفسیر کمالین میں ہے

روي عن ابن عمر عباس والحسن ابن سيرين وقال ابو حنيفه والاوزاعي هي منسوخة لقوله تعالى في البراءة واقتلوا المشركين حيث وجدتموهم لان البراءة اخر ما نزل وروي عن قتادة ومجاهد وعطاء وسدي وروي عن ابن عباس ايضاً

اور تفسیر بیضاوی میں ہے منسوخ عند ابي حنيفة او مخصوص بحرب بدر فانهم قالوا بتعين القتل او الاسترقاق - اور بیضاوی کے حاشیہ پر لفظ منسوخ کی ذیل میں لکھا ہے -

واليه ذهب ابن عباس وقتادة وابن جريج والسدي والضحاك ومجاهد وروي نحوه عن ابي بكر رضي الله عنه -

پس ان فقہا و مفسرین جن میں صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں یعنی (۱) ابن عمر (۲) عباس (۳) حسن ابن سیرین (۴) ابو حنیفہ (۵) اوزاعی (۶) قتادہ (۷) مجاہد (۸) عطاء (۹) سدی (۱۰) ابن عباس (۱۱) ابن جریج (۱۲) ضحاک (۱۳) ابی بکر رضی اللہ عنہ - اس آیت میں بجز ان دو صورتوں کے اور کوئی تیسری صورت نہیں سمجھتے تھے اور اسی لیئے بضرورت قتل یا استرقاق اسکو منسوخ بتلاتے ہیں +

اور (۱۴) امام شافعی و (۱۵) مالک و (۱۶) حنبل تو اس آیت کو مخصوص بھی نہیں بتلاتے چہ جائیکہ منسوخ - چنانچہ محلے شرح موطا میں لکھا ہے - قوله فاما منا بعد واما فداء الخ اي فاما تمنون منا بالاطلاق واما تفدون فداء بالاسترقاق وهو ثابت عند الائمة الثلاثة منسوخ عند ابي حنيفة لقوله اقتلوا المشركين

حیث وجدتموا هم لان سورة براءة اخر ما نزل او مخصوص بحرب بدر و یتعین عندهم القتل والاسترقاق فالمن العتاقة لا غیر- یعنی یا تو اُن کو احسان کرکر چھوڑ دو اور یا بمقابلہ استرقاق کے اُن سے فدیہ لیلو اور یہ آیت تینوں اماموں کے نزدیک غیر منسوخ ہے اور ابی حنیفہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ اقتلوا المشرکین سے کیونکہ سورہ براءۃ آخر نازل ہوئی یا بدر کی لڑائی سے مخصوص ہے اور اُن کے نزدیک قتل اور استرقاق متعین ہے پس منّ کے معنی بجز چھوڑ دینے کے اور کچھ نہیں ہیں +

(ج) بحث نسخ

امام شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ تو اس آیت کو ثابت بتلاتے ہیں الا حضرات حنفیہ اسکو منسوخ ٹھہراتے ہیں اور ناسخ اس کا سورہ براءت کی پانچویں آیت کو قرار دیتے ہیں +

نسخ کی بحث میں تاریخ کا تعین تو ضرور ہے کیونکہ منسوخ کو زمانہ میں تقدم ہونا چاہیئے اور ناسخ کو تاخر۔ مگر امر تنقیح طلب میں کسی قدر بے انضباطی ہوتی ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ سورہ برارت آخر ما نزل ہے مگر یہ بحث ٹھیک نہیں ہے آیتوں کے باب میں تو روایتیں بہت ہی مختلف ہیں اور ہر ایک نے اپنے علم اور رائے سے بعضی بعضی آیتوں کو اخر ما نزل قرار دیا ہے الا سورتوں میں بھی اختلاف ہے +

اخرج مسلم عن ابن عباس رضي الله عنه قال اخر سورة نزلت اذا جاء نصر الله والفتح۔

اخرج الترمذي والحاكم عن عايشة قالت اخر سورة نزلت المائده۔

واخرج ايضاً عن عبد الله ابن عمر قال اخر سورة نزلت سورة المائده والفتح (اذا جاء نصر الله)

وفي حديث عثمان المشهور براءة من اخر القرآن نزولا۔ (اتقان نوع ٨)

(عن البراء ابن عازب اخر سورة نزلت كاملة براءة بخاري)

اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو ان اختلافات کی تطبیق اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص نے اپنی معلومات کو بیان کیا پس اس میں کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

قال البيهقي يجمع بين هذه الاختلافات ان صحت بان كل واحد اجاب

بما عندہ۔

قال ابو بکر فی الانتصار ـ ھذہ الاقوال لیس فیھا شیئ مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد قالہ بعضہم من اجتہاد وغلبۃ الظن یحتمل ان کلا منہم اخبر عن اخر ما سمعہ من النبی الخ (اتقان ۱۲)

تنقیح طلب اس امر کو قرار دینا چاہیئے کہ (۱) آیا دونوں آیتوں میں یعنی سورہ محمد کی ۴ آیت اور سورہ براءۃ کی ۴ آیت میں ایسا اختلاف ہے کہ بغیر تسلیم نسخ کے رفع ہی نہیں ہوسکتا اور (۲) ان دونوں میں کونسی آیت (نہ کہ سورت) مقدم ہے تاریخ نزول کے اعتبار سے (نہ کہ تاریخ اشتہار یا قرارت خاص کے لحاظ سے)۔

یہ جو یہ دو امر تنقیح طلب قرار دیئے ہیں اُن کو سب محققوں نے نسخ کے لیئے ضروری قرار دیا ہے۔ ابن الحصار نے کیا خوب تقریر کی ہے۔

انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا ۔ ۔ ۔ وقد یحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف المتقدم والمتاخر ۔ ۔ ۔ ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بینۃ لان النسخ یتضمن رفع حکم واثبات حکم تقرر فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فالمعتمد فیہ النقل والتاریخ دون الرای والاجتہاد یعنی نسخ میں تو صرف رسول کے بیان صاف پر یا صحابی کے قول پر کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کیا رجوع ہوسکتا ہے اور جبکہ دونوں آیتوں میں قطعی تعارض پایا جاوے اور ساتھ ہی اُس کے تاریخ سے اُن کا آگے پیچھے نازل ہونا بھی ثابت ہوجاوے تب نسخ مانا جاسکتا ہے۔ اور یوں نسخ میں عوام مفسروں کا قول اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ مجتہدوں کے اجتہاد کا بھی اعتماد نہیں ہے کیونکہ نسخ میں ایک حکم کا جو رسول کے وقت میں مقرر تھا اُٹھانا یا ثابت کرنا ہوتا ہے پس اس میں نقل اور تاریخ ہی پر اعتماد ہوسکتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر۔

پس اب ہم ان دونوں تنقیحوں کی نسبت یہ لکھتے ہیں کہ۔

(۱) ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واقع نہیں ہے۔ سورہ محمد کی چوتھی آیت میں قیدیوں کا

حکم ہے کہ جب لڑائی کے بعد بقیۃ السیف رہ جاویں اُن قیدیوں کو یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا جاوے اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے اور سورہ برارت کی چوتھی آیت میں حکم ہے کہ مشرکوں کو جنہوں نے عہد توڑا ہے قتل کیا جاوے۔ پس ان میں کچھ تعارض نہیں ہے ؁

(۲) کوئی حدیث صحیح جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے آج تک مدعیان نسخ نے نقل نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ برارت کی چوتھی آیت سے سورہ محمد کی چوتھی آیت کو منسوخ کیا ؁

(۳) کسی صحابی سے کسی خبر واحد یا ضعیف میں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہو ورنہ مدعیان نسخ کوئی ایسی روایت بتلاسکے۔ البتہ اوزاعی کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی نے لکھا ہے۔ قال الاوزاعي بلغني ان هذه الآية قوله تعالى فاما منا بعد واما فداء نسختها فاقتلواهم حيث ثقفتموهم۔ مگر اوزاعی ہوں یا کوئی اور ہوں اُن کو ایسے بے پر کی خبریں ملا کریں ایسی خبروں سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ نقل صریح اور روایت صحیح جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے نہو ایسی خبریں محض بیکار ہیں ؁

(۴) نسخ کا امکان انھیں احکام میں ہوسکتا ہے جو غیر موقت ہوں اور سورہ محمد کی چوتھی آیت تو موقت ہے حتی تضع الحرب اوزارها پس یہ کسی طرح منسوخ نہیں قرار پا سکتی۔ علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان نوع ۴۷ میں لکھا ہے۔ وقسم هو قسم مخصوص لا من قسم المنسوخ وقد اعتنى ابن العربي بتحريره فاجاد كقوله ان الانسان لفي خسر الا الذين امنوا۔ والشعراء يتبعهم الغاوون الا الذين امنوا۔ فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره۔ وغير ذالك من الآيات التي خصت باستثناء او غاية وقد اخطا من ادخلها في المنسوخ۔ ومنه قوله ولا تنكحوا المشركات حتى يومن قيل انه نسخ بقوله والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب وانما هو مخصوص به۔ انتهى۔

(۵) آیتوں کی تاریخ نزول معلوم ہونی بہت دشوار ہے اور ہر ایک راوی اپنے علم اور قیاس سے کہتا ہے۔ اور اُسکے علاوہ سبب نزول کی اصطلاح ایسی غیر منضبط اور وسیع مقرر ہوئی ہے کہ جس بات پر کسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یا اس آیت کی مراد بیان کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی یہی بولتے ہیں نزلت في كذا۔ پس اکثر تو ایسی روایتیں محض راویوں کے اجتہاد اور رائے پر ہیں نہ کہ تاریخی حالات اور نقل واقعات پر۔ ابن تیمیہ نے لکھا

ہے قولھم نزلت الآیۃ فی کذا یراد بہ تارۃ سبب نزول ویراد بہ تارۃ ان ذلک داخل فی الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا اور زرکشی نے برہان میں لکھا ہے۔ قد عرف من عادۃ الصحابہ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذلک انھا تتضمن ھذا الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس استدلال علی الحکم بالآیۃ لا من جنس النقل لما وقع۔ پس جبکہ محاورات کی یہ کیفیت، اور اطلاقات کی یہ صورت ہو تو دشوار ہے کہ واقعی سبب نزول دریافت ہو سکے ۰

(۶) کسی موقع خاص یا مشہد عام پر چند آیات کا پڑھا جانا یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہو۔ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ براءت کے شروع کی آیتیں دیکر بھیجا تھا کہ حج اکبر کے دن سنہ ۹ ہجری میں پڑھ سنانا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ سورہ براءت کی وہ آیتیں اسیوقت نازل ہوئی تھیں ۰

(د) والمحصنات من النساء کی تفسیر

بعضے لوگوں نے سورہ نساء کی ۲۷ ۔ آیت اس مراد سے پیش کی ہے کہ سورہ محمد کے بعد بھی آزاد عورتوں کی جو قید ہو آویں لونڈی بنانے کی اجازت ہے (استغفر اللہ) اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت پیش کی ہے جس کا ماحصل بروایت مسلم و ترمذی نسائی اور ابوداؤد (قطع نظر از زیادت و نقصان الفاظ) یہ ہے کہ اوطاس کے قیدیوں میں عورتیں بھی پکڑی آئیں تو مسلمانوں نے اُن عورتوں سے مباشرت کرنے کو گناہ سمجھا اور خوف کھایا کیونکہ اُن کے ازواج موجود تھے اسپر یہ آیت نازل ہوئی والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم الخ اس میں نزول کا لفظ ان معنوں میں تو صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت اسیقدر اور اُسیوقت نازل ہوئی تھی کیونکہ تاریخ کی راہ سے سورہ نساء ۸ ہجری کے قبل کی ہے اور ۲۶ اور ۲۷ آیت کے سیاق سے بھی اُس کا علیحدہ ہونا بے موقع معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہاں نزلت یا تو وہی اصطلاح ہے کہ تتضمن ذلک الحکم یا راوی نے اُسکو اُسیوقت سنا ہو یا اُور سلسلہ کے راویوں نے اسکو غیر منضبط طور سے بیان کیا غرض اس سے قطع نظر کرکے نفس روایات کا مضمون جیسا میں سمجھتا ہوں عین حق و صواب ہے اور اُس وقت کے

مسلمانوں کا اندیشہ و تامل بھی اُن کی احتیاط اور پرہیزگاری پر دال ہے ؛
لشکر میں تو سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں خصوصاً اوطاس وغیرہ لڑائیوں میں کے
لوگ جو ابھی جدید الاسلام تھے بہت جمع تھے اور اوطاس کے قیدیوں میں عورتوں کو دیکھکر
بعض نے ایام جاہلیت کی رسم[1] برتنے کا ذکر کیا ہوگا۔ مگر اور اصحاب نبی نے اس امر کو
گناہ سمجھا اس لیئے کہ ان عورتوں میں کے ہر ایک کے ازواج بھی مشرکوں میں موجود تھے
(اور بعض بے شوہر بھی ہونگی اور بعض کے شوہر بھی قید میں ساتھ ہی ہونگے) کیونکہ
قید ہوجانے سے نکاح تو فسخ نہیں ہوسکتا[2] پس وُہی ۲۴۔ آیت سورہ نسار کی اس وقت
پڑھی گئی جو ۲۶۔ آیت سے متعلق ہے اور جس کے معنی یہ ہیں کہ زنان عفیفہ تمپر حرام
ہیں مگر وہ عورتیں جن کو تم بملک نکاح میں لے آئے۔ اور اس طرح سے اُن لوگوں کو
حکم الٰہی سناکر اُس ارادہ قبیح سے باز رکھا ؛
مگر بعضے جاہلیت کی سی تربیت اور طبیعت والے راوی اپنے سبق ظن کی [illegible]
اس واقعہ کو اُلٹا سمجھے یا قصداً اسی رسم کی طرف اسے پھیرنے لگے مگر بعضے راویوں سے
جن پر تہذیب اسلام نے زیادہ اثر کیا تھا اتنا فقرہ شرح کے طور پر بڑھایا اذا انقضت
عدتھن[3] حالانکہ اس آیت میں محصنات سے زنان شوہردار مراد ہی نہیں ہوسکتیں
عدت کی کیا ضرورت ہے۔ پھر بعضے مفسروں نے اس میں ایک اور حکم الٰہی کی مخالفت
دیکھکر یہ تاویل کی کہ وہ قیدی عورتیں مسلمان ہوجاویں تب اُن پر یہ حکم جاری ہو ورنہ مشرکہ
سے تو ملک یمین کے طور پر مباشرت جائز نہیں (دیکھو تفسیر الجلالین ۵ ح آیت ۱)
حالانکہ کتب سیر و مغازی میں اوطاس کی قیدی عورتوں کے مسلمان ہوجانے کا ذکر
نہیں ہے ؛

---

[1] ایام جاہلیت میں جس عورت کو قید کر لیتے لڑائی میں اس کے اگلے نکاح کو فسخ سمجھکر اس سے
بے تکلف اور بلا توقف تصرف جائز سمجھتے تھے اسلام میں اسکی بڑی ممانعت ہوئی۔

[2] قال ابوحنیفۃ لو سبی الزوجان لم یرتفع النکاح ولم تحل للسابی (تفسیر بیضاوی)

[3] ابو علقمہ الہاشمی کی ایک روایت میں یہ فقرہ بڑھا ہوا ہے اور اسی کی اور روایتوں
میں نہیں ہے۔

اور نہ اُن کی استنبرا کا زمانہ پورا ہونے پایا کیونکہ بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی قید اور رہائی احسان کے طور پر حسب حکم سورہ محمدؐ آیت ۴ ہو گئی تھی +

غرضکہ یہ تاویلیں اور شفاعتیں ان معنوں پر اُٹھانی پڑتی ہیں جو بعضے راویوں اور فقہیوں نے اپنے سبق ظن سے اختیار کر لی ہیں ورنہ کلام الٰہی تو ہر ایک عیب و قصور سے پاک ہے +

۴۱- معاملات میں سچائی اور عدالت دیانت داری ایفائے عہد اور وزن اور پیمانہ میں راستبازی اصلاح منزل اور اطاعت حکام اور منع فتنہ و فساد ادائے امانت کے احکام غرض جو جو باتیں حسن معاشرت کے اصول اور بنیاد ہیں اور جن پر ریاستوں اور سلطنتوں میں امن و امان قایم رہتا ہے اور جن پر خلایق کی بہبود منحصر ہے اُن کی نسبت صاف صاف تعلیم ہوئی ہے +

Islam enjoins charity, truthfulness in testimony, honestly in weights and measures and the faithful observance of covenants.

(۱) ویل للمطففین الذین اذا کتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (تطفیف)

(۲) لا تطغوا فی المیزان- اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان- (رحمٰن)

(۳) ولا تبذر تبذیرا- ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا (اسری)

(۴) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا-

(۵) اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا- (ایضاً)

(۶) اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم- (ایضاً)

(۷) واوفوا بالعھد اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا- ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا- (اسری)

(۸) یا ایھا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم (انفال)

(۹) واذا قلتم فاعدلوا ولوکان ذاقربی وبعہد اللہ اوفوا ذالکم وصکم بہ (انعام ۱۹)

(۱۰) یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ)

(۱۱) واحفظوا ایمانکم۔ (مائدہ)

(۱۲) یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولایجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (ایضا)

(۱۳) یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدان والاقربین۔ (نساء)

(۱۴) ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ۔ (نساء)

(۱۵) لاتصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحاً ان اللہ لا یحب کل مختال فخور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک (لقمان)

(۱۶) ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ (اسری)

(۱۷) یا ایھا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔ (حجرات)

(۱۸) یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولایغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔ (حجرات)

(۱۹) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

(۲۰) وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا

بین اخویکم۔ (حجرات)

اور بھی چند متفرق احکام جو مصالح نوعیہ کے قایم رکھنے اور اُن میں باہمدگر تعلقات کی رعایت اور پابندی کے لیئے ضرور ہیں یہ ہیں۔

(۲۱) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذي القربي وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغي۔ (نحل)

(۲۲) یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون

(مائدہ)

(۲۳) طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم[له]۔ (ایضاً)

[له] شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم (صفحہ ۱۰۷۔ جلد ۲ مطبع منشی نول کشور) میں لکھا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم قال المفسرون المراد بہ الذبائح و لم یستثن منھا شیئاً لا لحماً ولا شحماً ولا غیرہ وفیہ حل ذبائح اھل کتاب وھو مجمع علیہ ولم یخالف فیہ الا الشیعۃ ومذھبنا ومذھب الجمھور اباحتھا سواء سموا اللہ تعالی ام لا۔ وقال قوم لا یحل الا ان یسموا اللہ تعالی فاذا ذبحوا علی اسم المسیح اوکنیتہ ونحوھا فلا تحل تلک الذبیحۃ عندنا وبہ قال جماھیر العلماء۔ یعنی مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت میں ذبیحہ کی حلت مراد ہے اور کوئی چیز اس میں سے مستثنیٰ نہیں ہوئی نہ گوشت نہ چربی نہ کچھ اور اس میں اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت ہے اور اسپر سب کا اجماع ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا مگر شیعوں نے اور ہمارا اور سب مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اُن کے ذبیحے مباح ہیں خواہ وہ خدا کا نام لیں یا نہ لیں۔ اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جبھی حلال ہوگا جبکہ خدا کا نام لیں اور جب مسیح کے نام پر یا اُن کی کنیت پر ذبح کریں تو حلال نہیں۔ اور اسی بات کو سب علما نے کہا ہے۔

البتہ امامیہ مذہب والے اس مسئلہ میں منفرد ہیں مگر بعضے متقدم اور رئیس علما مثلاً شیخ مفید و ابن جنید و ابن ابی عقیل انسے اس میں خلاف منقول ہے۔ اور بعضی روایتیں اس کے جواز میں ہیں چنانچہ صحیحہ جمیل و

(۲۴) قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ اودماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقاً اُھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور الرحیم۔ (انعام)

اور نیز سورہ مائدہ کی ۳-آیت ؛

یہی حکم بعینہ انجیل میں ہے دیکھو اعمال الحوارین ۱۵ باب فرق اتنا ہے کہ حال کے نسخوں میں بمقابلہ لحم خنزیر لفظ (زنا) ہے مگر قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اصل عبارت انجیل میں کوئرایس (لحم خنزیر تھی) جس کی صورت حال کے نسخوں میں پورنیاس (زنا) ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت حواریوں میں یہود کی رسمی شریعت کی بحث تھی نہ کہ اخلاقی احکام کی پس زنا کو خون اور گلا گھونٹے جانور اور بتوں کی قربانی سے کیا مناسبت تھی اسکا

تفسیر صافی صفحہ ۱۴۳

محمد بن حمران میں ہے انہما سألا ابا عبد اللہ علیہ السلام عن ذبائح الیھود والنصاری والمجوس فقال کل وقال بعضھم انھم لا یسمون فقال ان حضرتموا ھم فلم یسموا فلا تاکلوا واذا غاب فکل۔ اور روایت عبد الملک قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ما تقول فی ذبائح النصاری فقال علیہ السلام لا باس بھا قلت انھم یذکرون علیہ المسیح فقال انما ارادوا بالمسیح اللہ۔

یعنی راوی نے ابا عبد اللہ سے پوچھا کہ یہود و نصاریٰ و مجوس کا ذبیحہ کھانا چاہیئے تو حضرت نے فرمایا کہ کھا پھر راوی نے عرض کیا کہ وہ خدا کا نام نہیں لیتے تو فرمایا کہ اگر تمھارے سامنے خدا کا نام نہ لیں تو نہ کھاؤ اور اگر غیبت میں ذبح کریں تو کھاؤ۔ اور عبد الملک کی روایت میں ہے کہ ہمنے ابا عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کی نسبت کیا فرماتے ہیں تو ارشاد کیا کہ کھاؤ تب میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ مسیح کا نام لیتے ہیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ مسیح سے بھی اُن کی مراد خدا ہی ہے۔ اور زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے قال دخلت علی ابی عبد اللہ علیہ السلام فقلت انی رجل من اھل الکتاب وانی اسلمت وبقی اھلی کلھم علی النصرانیۃ وانا معھم فی بیت واحد لم افارقھم بعد فاٰکل من طعامھم فقال لی ایاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنھم یشربون الخمر فقال لی کل معھم واشرب۔ انتھی

ذکر تو خارج از محل اور بے موقع تھا۔ البتہ پورپناس یعنی لحم خنزیر وغیرہ چیزوں پر جن سے یہود کی رسمی شریعت میں حلت اور حرمت متعلق تھی بحث ہوئی تھی کہ غیر قوم عیسائیوں پر بھی اُس کا بار ڈالا جاوے یا نہیں۔ ہمارے اس قیاس کی تائید اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بینٹلی اور مسٹر ریوس یہ دونوں محقق جنہوں نے انجیل کے نسخوں کے اختلاف اور تصحیح میں بڑی محنت اور تحقیق کی ہے اسی عبارت کو پرنیاس کو ترجیح دیتے ہیں)۔

(۲۵) ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا۔ (اسریٰ)

(۲۶) یا ایها الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر الله وعن الصلوٰة فهل انتم منتهون۔ (مائدہ)

۳۲۔ صبر اور تحمل کے احکام اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرنا اور مخالفوں کی تقصیروں سے در گذر کرنا اور اپنے دشمنوں کے حق میں دعا کرنا بہت تاکید اور تکرار سے سکھلایا گیا ہے۔

Universal forgiveness and forbearance has invairably been inculcated in the Koran.

(۱) ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة کانه ولی حمیم۔ (حم سجدہ)

(۲) فاعفوا واصفحوا حتی یاتی الله بامره۔ (بقر)

(۳) ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم۔ (نور)

(۴) یا ایها الذین امنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی۔ (مائدہ)

(۵) یا ایها الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروهم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان الله غفور الرحیم۔ (تغابن)

(۶) فاعف عنھم وقل سلام - (زخرف)

(۷) فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین - (مائدہ)

(۸) واعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا - (نساء)

(۹) قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ - (جاثیہ)

قرآن میں اس کی پیشین گوئی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو مخالفوں سے بڑی اذیت پہونچیگی اور اُن کو ہدایت ہوئی تھی کہ وہ صبر کرتے رہیں +

(۱۰) ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور - (۴ ع)

BENEFICIAL EFFECTS OF ISLAM.

اسلام کے وعظ اور اصلاح کی تاثیر

"اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے - نہیں نہیں جس طرح"
"سے کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اسی طرح تمدن اور"
"حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیرووں کے برتاؤ میں ایسا ملا جلا دیتا"
"ہے کہ کسی طرح اُن سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھلائی"
"دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں +"

سید احمد

(پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۲ نمبر ۱)

۴۳ - یہاں تک جو احکام بیان ہوئے اُن کی منشا انسان کی حالت کی اصلاح و تہذیب تھی تو اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نے جو بڑی رقت اور شفقت اور کمال رافت اور شفقت سے ہوئی تھی کیا کیا نتیجے پیدا کیئے اور اس سے کیسی تعجب انگیز اور دائم الاثر تاثیریں ظہور میں آئیں اور کس طرح سے اُس نے قوموں اور ملکوں میں آسایش اور عافیت اور خلایق کی بہبودی کو از سر نو زندہ کیا اور کس طرح سے مہلک اور مضر

رسموں کو نیست و نابود کیا اور کئی ایک اَور خرابیوں کو جو بالکل مٹ نہیں گئیں بہت کچھ اُن کی اصلاح اور درستی کی۔ اور اِن سب کا اثر انسانوں کی ذات واحد اور جماعت اور ریاست پر کیسا نفع بخش اور سود مند ظہور میں آیا اور آتا جاتا ہے ٭

۳۴۔ اسلام کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ کفار مکہ کی اذیت اور تکلیف دہی سے کئی ایک مسلمان ملک ابی سینیا کو چلے گئے وہاں کے عیسائی بادشاہ نیگرس (نجاشی) کے دربار میں حضرت جعفر نے جو تقریر دلپذیر فرمائی ہے وہ ایام جاہلیت اور ابتداء زمانہ اسلام کا حال خوب آئینہ کر دیتی ہے۔ مکے سے جو لوگ ان مسلمانوں کو پکڑ لانے کے لیئے گئے تھے اُن کے مقابلہ میں حضرت جعفر کی تقریر یوں ہوئی۔

Appeal of an early Moslem to the beneficial effects of Islam.

"ہم لوگ جہالت اور بت پرستی اور بدکاری میں زندگی بسر کرتے تھے۔ زور آور کمزور پر ظلم کرتا تھا۔ ہم لوگ جھوٹ کے عادی تھے۔ اور ضیافت مہمان نوازی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ تب ایک نبی قائم ہوا جسکو ہم لڑکپن سے جانتے تھے اور جس کے حسن اخلاق۔ دیانت اور طریق عمل سے ہم لوگ خوب واقف تھے اُس نے ہمکو سکھلایا کہ خدا ئے واحد کی عبادت کریں۔ عہد اور میثاق اور قسم کو پورا کریں۔ اپنے قرابت داروں کی مدد کریں۔ شرائط مہمان نوازی کو پورا کریں اور جملہ ناپاک چیزوں اور کفر و غداری سے پرہیز کریں۔ ہم اُس پر ایمان لائے اور ہمنے اُس کا ساتھ دیا لیکن ہمارے ملک کے لوگوں نے ہمکو اذیت دی ہمپر ظلم کیا اور ہمسے ہمارا مذہب چھڑوانا چاہا اور اب ہم اپنے آپ کو بادشاہ کی حمایت میں لے آئے ہیں" ٭

یہ تقریر تو ایک انگریزی کتاب سے لی گئی ہے مگر سیرت کی کتابوں میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ (دیکھو سیرت ہشامی صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ مطبوعہ لنڈن ۱۸۶۵ء) اور کتاب سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرت خیر العباد مشہور بسیرت شامی میں اس طرح پر ہے۔ (ا ج ب ۱۹) "فقال الجعفر ایہا الملک کنا قوماً اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام و ناکل المیتۃ و ناتی الفواحش و نسیٔ الجوار و یاکل القوی الضعیف فکنا علی

ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولاً منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ما کنا نعبد نحن واباءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ لا نشرک بہ شیئاً وامرنا بالصلوٰۃ والزکاۃ والصیام فعدد علیہ امور الاسلام ثم قال وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعنا علی ما جاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ ولا نشرک بہ وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما حل لنا فعدا علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث فلما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترنا علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایہا الملک" ؎

۲۵- مکہ کی تیرہ وتاریک حالت جو قبل اسلام تھی اور پھر زمانہ اسلام میں اہل مکہ میں اخلاقی اور روحانی نورانیت اور سرسبز ضیائے ایمان باللہ اور حسن اخلاق کی روشنی ایسی تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے کہ ایسی تاثیر الٰہی اور برکت ربانی کا اقرار ہمارے مخالفوں کو بھی ہے- والفضل ما شہدت بہ الاعداء-

Previous dark and torpid state of Mecca and Arabia.

سر ولیم میور صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی گو ایک خفیف اور ناپائدار سا اثر یہودیت نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسا یہ ایک دریاچہ غیر رواں کی سطح کا ادھر ادھر لہر کھانا مگر تہ میں محض بے حس وحرکت رہنا- تمام عرب توہمات وظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کو جو آمد جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا ان کے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی ان میں جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں- ان کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق

پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہئیت کا اُن کا ایمان تھا انھیں کی رضامندی مناتے تھے اور اُنھیں کی ناراضگی سے احتراز کرتے تھے قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُس کی اُنھیں خبر ہی نہ تھی "

"ہجرت سے ۱۳ برس پیشتر تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں ہیجان پڑا ہوا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا - سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے - اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات و خیرات پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے - اب اُنھیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال اور یہ کہ وہی رزاق ہماری ادنیٰ حوایج کا خبرگیراں ہے - ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اُن کی خلوت اور جلوت کے ہر ایک حادثہ یا تغیرات میں وہ اُسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے - اور اُن پر بالا وہ لوگ اس نئی روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور خنداں رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت با اختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کیئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے - محمد (صلعم) کو وہ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے جو کہ اُن کی ساری اُمیدوں کے واسطے ماخذ تھے اور اُنھیں کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے "

Effects produced on the Moslem converts by the thirteen years of Mahomet's ministry at Mecca.

" ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بالالحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپئے مخالفت و ہلاکت تھے - مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ لوگ تعریف کے مستحق ہیں - ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ کر جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہووے حبش کو ہجرت کر چکے تھے - اور اب پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی اور اُن میں نبی بھی اپنے عزیز شہر کو اور

مقدس کعبہ کو (جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا) چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے - اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے ۲ یا ۳ برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی "

"اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گذار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اُس وقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سنیں - تب البتہ دفعتاً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے"

(ج ۱ ص ۲۶۹ - ۲۷۱)

اس تقریب کے بعد مصنف نے سورہ فرقان کی چند آیتیں قدمائے مسلمین کے محامد و اوصاف میں ترجمہ کی ہیں اُن کو ہم جداگانہ مقام پر لا دینگے *

Mighty effects of Islam on the conduct of early Moslems as described in the contemporary records of the Coran.

۳۶ - اسلام کی اصلاح کی قوت تاثیر کے ثبوت میں طبقہ اول کے مسلمانوں کا حسن اخلاق اور نیک کردار اُن کے ظاہری اور باطنی فعال و احوال میں ایک تعجب انگیز لیکن مطمئن کرنیوالی شاہد ہے کہ اس تعلیم الٰہی کی تاثیر سے وہ لوگ کیا تھے کیا ہو گئے تھے ہرچند کہ قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا تذکرہ یا تاریخ لکھے مگر نیکیوں پر رغبت اور انکار منکرات سے منع کرنا اس لیئے بعض مقامات پر جو اگلے زمانہ کے مسلمانوں کی کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کمال درجہ میں اخلاق اور فضائل سے آراستہ و مہذب تھے اور دینی اور دنیوی برکتوں سے معمور تھے اور یہی غرض تھی نبی کی بعثت سے "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"

(۱) ۲۳ - الا المصلین

۲۴ - الذین ھم علی صلاتھم دائمون -

۲۵ - والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم -

۲۶ - والذین یصدقون بیوم الدین [1]

[1] (۱) مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قایم ہیں - اور جن کے مال میں حصہ ٹھہرا ہے سائل کا - اور درماندہ کا اور جو کہ انصاف کے دن کا یقین ہے -

۲۷- والذین ہم من عذاب ربہم مشفقون -

۲۸- ان عذاب ربہم غیر مامون

۲۹- والذین ہم لفروجہم حافظون -

۳۰- الا علی ازواجہم او ماملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین

۳۱- فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ہم العادون -

۳۲- والذین ہم لاماناتہم وعہدہم راعون

۳۳- والذین ہم بشہاداتہم قایمون -

۳۴- والذین ہم علی صلاتہم یحافظون -

۳۵- اولئک فی جنات مکرمون - (معارج)

(ب) ۶۳- وعباد الرحمان الذین یمشون علی الارض ہونا واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما -

۶۴- والذین یبیتون لربہم سجدا وقیاما -

۶۵- والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابہا کان غراما -

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (بیشک ان کے رب کے عذاب سے بےخوف نہ ہو جانا چاہیئے) - اور جو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھتے ہیں (مگر اپنی بیبیوں پر یا حرمیں جو ملک نکاح میں آ چکیں، اس وجہ سے کہ اُن کو محصنات سے نکاح کا مقدور نہیں) اور جو ان سے بڑھ جاوے تو وُہی ہے حد سے بڑھنے والے - اور جو لوگ اپنی امانتیں اور اپنا قول پورا کرتے ہیں اور جو اپنی گواہی پر قایم ہیں - اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وُہی لوگ جنت میں ہیں عزت سے -

(ب) ۶۳- اور بندے رحمان کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرتے ہیں اُن سے بےسمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت -

۶۴- اور وہ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے -

۶۵- اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اُسکا عذاب بڑی چٹی ہے -

۶۶ - انها ساءت مستقرو مقاما -
۶۷ - والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما -
۶۸ - والذين لا يدعون مع الله الها اخر ولا يقتلون النفس التي
حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثاما -
۶۹ - يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهانا
۷۰ - الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئك يبدل الله سيأتهم
حسنات وكان الله غفورا رحيما -
۷۱ - ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا
۷۲ - والذين لا يشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا كراما
۷۳ - والذين اذا ذكروا بايات ربهم لم يخروا عليها صما وعميانا -

۶۶ - وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی -
۶۷ - اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑاویں اور نہ تنگی کریں اور ہے
اس کے بیچ ایک سیدھی گذران -
۶۸ - اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے سوا کسی حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان
کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ
بھڑے گناہ سے -
۶۹ - دونا ہو اُس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اُس میں خوار ہو کر -
۷۰ - مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو اُن کو بدل دیگا اللہ برائیوں
کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان -
۷۱ - اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ ٹھہرایا ہے اُس کی
طرف ٹھہرانا -
۷۲ - اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر
تو نکل جاویں بزرگی رکھکر -
۷۳ - اور وہ جب اُن کو سمجھائیے اُنکے رب کی باتیں نہ ہو پڑیں ان پر بہرے اندھے -

۷۴ - والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرة اعین
واجعلنا للمتقین اماما -

۷۵ - اولئك یجزون الغرفة بما صبروا و یلقون فیها تحیة و سلاما
(فرقان)

(ج) ۱ - قد افلح المومنون[له]

۲ - الذین ھم فی صلاتھم خاشعون

۳ - والذین ھم عن اللغو معرضون

۴ - والذین ھم للزکوة فاعلون -

۵ - والذین ھم لفروجھم حافظون -

۶ - الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین -

۷ - فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك ھم العادون -

۸ - والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون -

۹ - والذین ھم علی صلوتھم یحافظون -

۱۰ - اولئك ھم الوارثون -

۱۱ - الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون (مومنون)

---

۷۴ - اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہمکو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہمکو پرہیزگاروں کے آگے -

۷۵ - اُن کو بدلا ملیگا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لیتے آوینگے اُن کو وہاں دعا اور سلام کہتے - (فرقان)

(ج) له - فلاح پائی ایمان والوں نے - جو اپنی نماز میں نوے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکات دیا کرتے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو اُن پر الزام نہیں پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں اور اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اسمیں سدا رہینگے - (مومنون)

(د) ۲۰ - الذین یوفون بعھداللہ ولا ینقضون المیثاق -
۲۱ - والذین یصلون ما امراللہ بہٖ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب -
۲۲ - والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصّلوٰۃ وانفقوا ممّا رزقناھم سرًا وعلانیۃ ویدرءون بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار - (رعد)
(ھ) - ۸ - یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا -
۹ - ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا -
۱۰ - انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا -
۱۱ - انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا - (دھر)
(و) - کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ - (آل عمران ۱۲ ع)

(د) ۲۰ - اور وہ جو پورا کرتے ہیں اقرار اللہ کا اور نہیں توڑتے اقرار -
۲۱ - اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بڑے حساب کا -
۲۲ - اور وہ جو ثابت رہے چاہنے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھتے نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے کھلے اور چھپے - کرتے ہیں برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر - (رعد)
(ھ) ۸ - پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑیگی -
۹ - اور کھلاتے ہیں کھانا اسکی محبت پر محتاج کو اور بے باپ کے لڑکے اور قیدی کو -
۱۰ - ہم جو تمکو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلا نہ چاہیں شکر گزاری -
۱۱ - ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اوداس کی سختی سے (دھر)
(و) - تم ہو بہتر سب لوگوں سے جو پیدا ہوئے ہیں حکم کرتے ہو اچھی بات کا اور منع کرتے ہو بری بات سے اور ایمان لائے ہو اللہ پر - (آل عمران ۱۲ ع)

۷۴- یہ کیفیت تو انسان کے ذاتی افعال اور خصائل کی اصلاح اور تہذیب کی تھی اب دیکھنا چاہیئے کہ جماعت قوم پر اسلام نے کیا اثر کیا یعنی تمدن کی حیثیت سے کونسی بڑی برکت اور خیر کثیر ظاہر ہوئی +

Its beneficial effects on the political state of the world.

اسلام کے قبل تمام قوم عرب باہم ٹوٹ پھوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے مگر اسلام نے اُن کو ایک رشتہ برادری میں منسلک کر کے سب کو بھائی بنا دیا۔ اُن کی عداوت مبدل بہ اُلفت ہو گئی اور وہ باہم کے شب و روز کے کُشت و خون ایک لخت مسدود ہو گئے اور صلح اور امان اور اتفاق قومی ہر قوم اور قبیلے میں پایا گیا +

لا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔[۱] (آل عمران ۱۱ ع)

ایسا تصرف انسان کے دلوں پر ایک عجیب شان تصرف ہے اور بے نظیر مثال ہے جس کے حاصل کرنے میں سالہا سال کی ملکی تدبیریں اور نظام سلطنت قائم ہو جاتے ہیں۔

والف بین قلوبکم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم [۲] (انفال ۸ ع) +

یہ کیسا کچھ اسلام کا فیض ہوا کہ جس کے نتیجہ میں عربوں کے خون خرابے اور باہم کے جدال و قتال موقوف اور معدوم ہو گئے اور ایک دوسرے سے فیاضی اور ہمدردی کرنے میں ساعی اور سرگرم ہو گئے اور نہ صرف خونریزی اور مقاتلات کو روکا بلکہ کینہ کشی اور غرور کی جڑ کاٹی اور تمام ملک میں امن و امان و صلح و آشتی قائم کر دی +

جس شخص کو ایام عرب پر نظر ہوگی وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ عرب کی قومیں اور قبیلے

---

[۱] اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر اُلفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اُس کے فضل سے بھائی۔ (آل عمران ۱۱ ع)

[۲] اور ان کے دل میں اُلفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے مُلک میں ہے تمام نہ اُلفت دے سکتا اُن کے دل میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی اُن میں۔ (انفال ۸ ع)

باہم ایسے متفرق اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہو رہے تھے کہ اِن میں کوئی اُمید مذہبی اصلاح اور اتحاد قومی کی نہ تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ کبھی کسی غیر مُلک والے یا رئیس کو اُن پر تسلط اور تمکن حاصل نہیں ہوا کیونکہ جب جماعتیں ایسی متفرق ہوں کہ کوئی ان کا راس و رئیس نہ ہو تو اُن کا مسخر اور منقاد کر لینا بہت دشوار ہوتا ہے ۔

The prospects of Anti-Mahometan Arabia were unfavorable to the hope of political main or national regeneration.

یہود بھی تو عرصہ سے عرب کے اطراف و جوانب میں بلکہ وسط عرب میں رہتے تھے اور عیسائیوں کی کئی ریاستیں اور سلطنتیں قرب و جوار میں مثل سلطنت مصر و شام و حبشہ تھیں اور نیز خاص عرب میں حرا و غسان اور یمن کی عیسائی بادشاہتیں اور نجران میں بنی حارث اور یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیمہ میں بنی طے اور نیز بنی تغلب یہ سب عیسائی قومیں رہتی تھیں مگر اُن سے نہ تو کچھ عرب کی حالت تمدن میں اصلاح نہ اُن کے اخلاق میں کچھ اثر نہ اُن کے اوضاع و اطوار میں شایستگی نہ اُن کے رسم و رواج میں تغیر واقع ہو سکا - اور مذہب میں تو سب برابر ہی سے تھے +

خوب غور کرو اعراب کی حمیت اور عصبیت کی کینہ کشی و رعداوت کی رسم کو اور پھر دیکھو اسلام کی صلح اور عفو کے احکام کو اور اسکے نتیجہ میں ملاحظہ کرو عرب کی مذہبی اصلاح رسوم کی تہذیب اور موافقت عام ملکی اتحاد اور قومی یگانگت گویا از سر نو ایک طبقہ جدید پیدا ہو گیا وہ خلقت ہی بدل گئی وہ جبلت ہی جاتی رہی +

Islam united the hostile tribes of Arabia in a brotherly union.

اگر حضرت موسیٰ کے انتظام سیاست میں تھوڑا سا بھی غور کرو تو بہت فرق پاؤ حضرت موسیٰ ایک ایسی قوم اور جماعت پر گئے جو باہم متحد تھے اور اسپر طرہ یہ کہ ایک جابر بادشاہ کی غلامی میں گرفتار اور کسی ادنی سے محرک یا چھڑانیوالے کے وقف انتظار تھے حضرت موسیٰ کو کچھ بھی تکلف نہیں کرنا پڑا اور اُس قوم نے دلی آرزو اور اخلاص سے اُن کو اپنا

سرداما اور نجات دہندہ قبول کر لیا کیونکہ وہ تو مضطر اور بے بس تھے اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اور با اینہمہ وہ لوگ رہائی پاکر شایستہ و منقاد نہوئے۔ اصل غرض تبریہ باری اور توحید الٰہی کے کئی بار خلاف ظہور میں آیا بر خلاف عرب کی قوم کے ان میں حد کے مرتبہ کا تفرق اور مباینت تھی اور جناب پیغمبر صلعم ان کے جملہ دین و آئین کو گمراہی قرار دیتے تھے ان کے خداؤں اور بتوں کو بیکار محض بتلاتے تھے اور وہاں کے کسی ایک قبیلہ نے بھی کلیۃً جناب پیغمبر کو تسلیم اور قبول نہیں کیا شروع ہی سے مشرکوں کا معارضہ اور مقابلہ ہونے لگا مگر آخر کو قرآن کے احکام و نصایح کی تاثیر یہوئی کہ انھیں لوگوں میں سے ہزاروں اور لاکھوں ایمان لائے اور اپنے عزیز بتوں اور پیارے ٹھاکروں اور عمر بھر کے مسجود اور شب و روز کے معبود کو ترک اور موقوف کردیا اور وہ قومی تفرق اور طبعی بغض و عناد سب جمعیت واحدہ اور قومی اتحاد اور اخوت سے بدل گیا؀

۳۸ - اور منجملہ مصالحہ نوعیہ اور امور مفید عام احکام صدقات اور خیرات اور خدا کی راہ میں مال دینے اور فقیروں اور محتاجوں کی کفالت کرنے کے ہیں خصوصاً صیغہ وقف جسے زمانہ جاہلیت میں کوئی نہیں جانتا تھا اور اس — Instituted charitable designs.

امر خاص میں مسلمانوں کی فیاضی اور سخاوت تواریخ دہر اور صفحات عالم پر ثبت ہے ؀

اڈوارڈ گبن صاحب ایک مشہور اور عالیقدر مورخ لکھتے ہیں کہ (جلد ۶ پ ۵۰)

"مسلمانوں کی نیکیاں (خیرات) جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہیں اور قرآن میں محتاج و مسکین کی اعانت کرنے کی بکرر تاکید ہوئی ہے اور اسکو نہ محض تبرع یا ثواب کے طور پر بلکہ فرض اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب قرار دیا ہے شاید محمدؐ (صلعم) ہی صرف ایسے صاحب شریعت ہیں جنھوں نے خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو اس کی مقدار معین جائداد کی نوعیت اور مقدار پر بدلتی ہے مثلاً زر نقد غلہ یا مویشی اثمار و اسباب تجارت مگر جب تک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ ندے اس نے شریعت کی تکمیل نہ کی حقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی اور جن لوگوں کی اعانت ہمکو لازم ہے اُن کو ضرر پہونچانا ممنوع ہے۔ کوئی نبی عالم لاہوت اور برزخ کے مغیبات و اسرار بیان کیا کرے مگر احسانیات کے احکام میں اسکو ہماسے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" ؀

آمقام کے حاشیہ پر گاب صاحب لکھتے ہیں کہ مراکشی نے تعصب کے مارے رومن کیتھلکوں کی زیادہ خیرات اور صدقات کا شمار کیا ہے کہ ۱۵ ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زائروں کے لیئے بنے ہوئے ہیں اور ۱۵ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے ۵۶ مدرسے خیراتی بنے ہوئے ہیں اور ۱۲۰ جلسے برادران ایمانی کے اپنے بھائیوں کی اعانت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ - اور لندن کی فیاضی تو اس سے بھی بڑھکر ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اس میں سے لوگوں کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو۔ انتہی +

(۱) سورہ بقر میں ہے" ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها و توتوها الفقراء فهو خير لكم" (۲ ح)

(۲) " الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون " قول معروف و مغفرة خير من صدقة يتبعها اذى والله غني حليم (۲ ح)

(۳) " والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصه" (حشر ۹)

ابراہیم ریس کے مجمع العلوم میں ایک جگہ لکھا ہے کہ خیرات دینے میں اکثار اور اسکی ترغیب دینے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے قرآن نے قبول دعا کیواسطے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ نماز ہمکو آدھے رستے تک پہونچاتی ہے اور روزہ ہمکو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں - اور خیرات سے ہمکو خدا کے گھر تک بار ملتا ہے ۔ خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں بالتخصیص حضرت حسن بن علی جو کہ محمد (صلعم) کے نواسے تھے روایت ہے کہ اُنھوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف بانٹ دیا اور دو مرتبہ تو سب جو کچھ تھا دیدیا - اور عوام مسلمین نیکیاں کرنے کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں + (دیکھو سائیکلو پیڈیا ریس لفظ آمز)

قرآن کے معدن حکمت اور مسلمانوں کے مصدر علوم ہونے کا ذکر

LITERARY BENEFITS OF ISLAM.

۳۹ - زمانہ جاہلیت میں تمام عرب میں کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی اور بجز علم انساب اور شعر گوئی کے اَور کوئی تعلیم نہ تھی پس پہلی کتاب مستطاب جو عرب میں مدون ہوئی وہ قرآن مجید ہے جو علاوہ اس کے کہ ارشادات الٰہی اور احکام ربانی کا مصدر ہے علوم حکمیہ عقلیہ اور حکمت الٰہیہ کا بھی معدن ہے - بعد اس زمانہ نزول وحی اور انتشار علوم الٰہیہ کے مسلمان کئی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان علوم کے موجد اور ماخذ ہوئے اور علوم متعارفہ کو بہت کچھ تہذیب و اصلاح کرکے دُور دُور کے مُلکوں میں پھیلایا اور کئی ایک ملک کے مالک مُسلمانوں کی بدولت اہل علم ہو گئے اور جس زمانہ میں کہ اَور سب قومیں جہالت کے تیرہ و تاریک قعر میں پڑی تھیں مُسلمانوں ہی میں علم کا رواج پایا جاتا تھا ◆

Natural Philosophy and Theology of the Koran.

۴۰ - (۱) منجملہ علوم مشتہرہ قرآن مجید نیچرل فلاسفی اور نیچرل تھیالوجی ہے - نیچرل فلاسفی جس سے مراد علم مناظر قدرت و مظاہر فطرت ہے اس سے قرآن مجید[1] لا مال ہے اس میں حقائق موجودات اور محاسن کائنات کا بیان کثرت سے پایا جاتا ہے اور پھر ان سے وجود واجب تعالیٰ اور اس کے علم و قدرت پر استدلال ہر جگہ ہوتا گیا ہے ◆

(۱) انا صببنا الماء صبا - ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیہا حبا و عنبا و قضبا - و زیتونا و نخلا - و حدائق غلبا - و فاکہۃ و ابا - (عبس)

---

[1] (۱) ہمنے ڈالا پانی اوپر سے - اور پھر چیرا زمین کو - پھر اُگایا اُس میں اناج انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں - اور گھنے باغ اور میوہ اور دوب -

۲ - افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت - والی السماء کیف رفعت - والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت[ل] (غاشیہ)

۳ - الم نجعل الارض مهادا - والجبال اوتادا - وخلقناکم ازواجا - وجعلنا نومکم سباتا - وجعلنا الیل لباسا - وجعلنا النهار معاشا - وبنینا فوقکم سبعا شدادا - وجعلنا سراجا وهاجا - وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا - لنخرج به حبا ونباتا - وجنات الفافا - (نبا)

۴ - والارض وضعها للانام - فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام والحب ذوالعصف والریحان + + + + مرج البحرین یلتقیان - بینهما برزخ لا یبغیان - (رحمٰن)

۵ - افلم ینظروا الی السماء فوقهم کیف بنیناها وزیناها ومالها من فروج - والارض مددناها والقینا فیها رواسی - وانبتنا فیها من کل زوج بهیج - تبصرة وذکری لکل عبد منیب ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا به جنات وحب الحصید - والنخل باسقات لها طلع نضید - رزقا للعباد واحیینا به بلدة میتا - (ق)

ل ۲ - کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کیئے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے -

۳ - کیا ہمنے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تمکو بنایا جوڑے جوڑے اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنے ہمنے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے -

۴ - اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جسکے میوہ پر غلاف ہیں اور اناج جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبو کے + + + + چلائے دو دریا جو آپس میں ملکر چلتے ہیں انکے بیچ میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے -

۵ - کیا نگاہ نہیں کیا آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہمنے بنایا اسکو اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی سوراخ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالا اسمیں بوجھ اور اگائی اسمیں ہر قسم کی رونق کی چیز سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اس بندے کو جو رجوع رکھے اور اتارا ہمنے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہمنے اس سے باغ اور اناج کھیت کا اور کھجوریں لمبی ان کا گابھا ہے تہ پر تہ روزی دینے کو بندوں کے اور جلایا اس سے ہمنے دیس مردہ -

۶ لے وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ
لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ
الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۔ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۔ (زخرف)

۷ ۔ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ
رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۔ (شوریٰ)

۸ ۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا
يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۔ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (جاثیہ)

۹ ۔ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا
ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۔ لَا الشَّمْسُ
يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۔ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۔ (یٰس)

لے ۔ ۶ ۔ جس نے بنائے سب چیز جوڑے اور بنادیئے تمکو جو کشتی جس پر سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو اسکی پیٹھ پر پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اسپر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یہ اور ہم نہ تھے اسکے مقابل ہونیوالے اور ہمکو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ۔

۷ ۔ اور ایک اسکی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں جیسے پہاڑ ۔ اگر چاہے تھام دے ہوا پھر رہجاویں سارے دن ٹھہرے اسکی پیٹھ پر ۔ مقرر اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق کی بات مانے ۔

۸ ۔ بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت پتے ہیں ماننے والوں کو اور تمہارے بنانے میں اور جو جانوروں کے پھیلانے میں پتے ہیں لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر جلائی اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بدلنے میں ہواؤں کے پتے ہیں ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں ۔

۹ ۔ اور ایک نشانی ہے ان کو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر رہجاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں کہ پھر آ رہے جیسے ٹہنی پرانی ۔ یہ نہ سورج کو پہونچے کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں تیرتے ہیں ۔

۱۰۔ الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها و
من الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها و غرابیب سود و من الناس والدواب
والانعام مختلف الوانه ۔ (فاطر)
۱۱۔ خلق السموات بغیر عمد ترونها والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم
وبث فیها من کل دابة وانزلنا من السماء ماء فانبتنا فیها من کل
زوج کریم (لقمان)
۱۲۔ الله الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطه فی السماء کیف یشاء
ویجعله کسفا فتری الودق یخرج من خلاله فاذا اصاب به من یشاء من
عباده اذا هم یستبشرون ۔ (روم ۔ ۲۵)
۱۳۔ وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم
لبنا خالصا سائغا للشاربین ۔ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون
منه سکرا ورزقا حسنا ۔ (نحل)

۱۰۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے طرح طرح کے
اُن کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ اور طرح طرح کے اُن کے رنگ اور
کالے بھجنگ اور آدمیوں میں کیڑوں میں چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں ۔
۱۱۔ بنائے آسمان بے تھمکے اُسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ کہ تمکو لیکر جھک
نہ پڑے اور بکھیرے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہمنے آسمان سے پانی ۔ پھر
اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے ۔
۱۲۔ اللہ جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُبھارتا ہے بدلی پھر پھیلاتا ہے اُسکو آسمان میں
جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اُسکو تہ پر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُسکے بیچ سے پھر
جب اُسکو پہونچایا جس جگہ چاہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے ۔
۱۳۔ اور تمکو چوپاؤں میں عبرت کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تم کو اُس کے پیٹ کی چیزوں میں سے
گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو اور میووں میں سے کھجور کے اور انگور
کے بناتے ہو اُس سے نشا اور روزی خاصی ۔

۱۴ - واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً ومن الشجر ومما یعرشون
ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربك ذللاً یخرج من بطونها شراب مختلفا
الوانه فیه شفاء للناس (نحل)
۱۵ - واللہ اخرجکم من بطون امهاتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم
السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون - الم یروا الی الطیر مسخرات
فی جو السماء ما یمسکهن الا اللہ ان فی ذلك لآیات لقوم یؤمنون - واللہ
جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا
تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافها واوبارها و
اشعارها اثاثا ومتاعاً الی حین - واللہ جعل لکم مما خلق ظلالاً وجعل
لکم من الجبال اکنانا وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم
کذلك یتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون - (نحل)

۱۴ - اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور
درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے اور چل راہوں میں
اپنے رب کی صاف پڑی ہیں نکلتی ہے اُن کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ
ہیں اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں آدمیوں کے ؛
۱۵ - اور اللہ نے نکالا تمکو تمہاری ماں کے پیٹ سے کچھ نہ جانتے تھے اور دیئے تمکو
کان اور آنکھیں اور دل شاید تم احسان مانو کیا نہیں دیکھتے اُڑتے جانور حکم کے باندھے آسمان
کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا اُن کو اللہ کے سوا اسمیں پتے ہیں اُن لوگوں کو جو یقین لاتے
ہیں اور اللہ نے بنا دیئے تمکو تمہارے گھر بسنے کی جگہ اور بنا دیئے تمکو چوپایوں کی کھال سے
ڈیرے جو ہلکے لگتے ہیں تمکو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ہو اور اُن کی اُون سے
اور ببریوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک
اور اللہ نے بنا دی تمکو اپنی بنائی چیزوں کی چھائیں اور بنا دی تمکو پہاڑوں میں چھپنے کی
جگہ اور بنا دیئے تمکو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کے اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کے اسی طرح
پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر شاید تم احسان مانو۔

۱۶/۵ - والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون - وتحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بالغيه الا بشق الانفس ان ربكم لرؤف الرحيم - والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة ويخلق لكم مالا تعلمون - (نحل)

۱۷ - وله الجوار المنشآت في البحر كالاعلام - (رحمان)

۱۸ - ولا اقسم بالخنس الجوار الكنس - (کورت)

غرض کہ اسی طرح تمام قرآن میں نیچرل ہسٹری اور نیچرل تھیالوجی کے اصول کی مفصل کیفیتیں اور مکرر اشارتیں ہیں مگر یونانیوں کی طبعی و آلہی کی نہیں بلکہ حقیقی باتوں کی اور نیز دیگر علوم حکمیہ کے اشارے خصوصاً علم جیالوجی کے اصول پر کثرت سے حوالہ ہوا ہے مگر جن لوگوں نے اس علم کا نام بھی نہ سنا ہو وہ اس کے استنباط پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں *

۴۱ - (۲) دوسرا ایک عظیم الشان علم جو خاص مسلمانوں میں ایجاد ہوا وہ علم اسماء الرجال ہے جس کو یونانی زبان میں بیوگرافی کہتے ہیں۔ Mahomedan Biographies. جس کثرت سے مسلمانوں نے اس علم خاص پر توجہ کی اور جس دقت اور تلاش سے ہر ہر اہل علم اور راویوں کے حالات ضبط کیئے اور ان کے مولد اور منشا کا بیان اور مزاج کی وقعت اور رائے کے تغیرات اور عام رویہ کے حالات کو ڈھونڈھا اور بڑی بڑی مجلد کتابوں میں قلمبند کیا وہ آج تک کسی قوم میں اور کسی مذہب میں نہیں ہوا *

---

۵ - ۱۶ - اور چوپائے بنا دیئے تمکو ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تمکو ان سے رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اٹھا لیجاتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہونچتے وہاں تک مگر جان توڑ کے بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے بنائے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور رونق ہو اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

۱۷ - اور اس کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ۔

۱۸ - سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب جن کی مہارت علوم عربیہ میں مشہور ہے اور بڑے صاحب نظر
تھے اُنھوں نے جب صاحبان کورٹ اف ڈائرکٹرس کی ہدایت اور کلکتہ ایشیا
ٹک سوسئٹی کے زیر اہتمام کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ تصنیف علامہ شیخ
ابن حجر عسقلانی (مات ۸۰) چھاپنی شروع کی تو اُس کے دیباچہ میں بزبان انگریزی
یہ مضمون لکھا کہ "مسلمانوں کے علوم کی عزت علم اسماء الرجال ہے نہ تو کوئی ایسی
قوم گذری اور نہ کوئی اَب ہے جس نے مسلمانوں کی مانند بارہ سَو برس کے عرصہ میں
ہر ایک اہل علم کے حالات زندگی قلمبند کیئے ہوں ۔ اگر مُسلمانوں کی کتب رجال جمع
کی جاویں تو غالباً ہمکو پانچ لاکھ علماء مشاہیر کا تذکرہ مل جاوے ۔ ان کی تاریخ میں کوئی
قرن یا نامی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا کوئی آدمی اس تذکرہ میں نہو" انتہی ۔

فن رجال میں تحقیق وتلاش کی ترقی ابن سعد کے زمانہ میں خوب ہوئی جس کی کتاب
اسماء رجال و احوال رواۃ کے طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے ۔ اور محمد بن
اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح
والتعدیل میں عموماً راویوں کی بیوگرافی لکھی اور عجلی اور ابن حبان اور ابن شاہین نے
ثقہ راویوں کو الگ چھانٹا اور ابن عدی اور پھر ابن حبان نے مجروح اور ضعیف راویوں
کو جُدا کیا ۔ اور بعضوں نے خاص خاص کتب حدیث کے راویوں کے طبقات اُن کے
موالید اور وفیات علیحدہ علیحدہ لکھے مثلاً ابی نصر الکلاباذی نے بخاری کے راویوں
کو اور ابی بکر منجویہ نے مسلم کے راویوں کو اور ابی الفضل بن طاہر نے دونوں بخاری
اور مُسلم کے راویوں کو اکٹھا جمع کیا اور عبد الغنی المقدسی نے کل صحاح ستہ کے
راویوں کو کتاب الکمال فی معرفۃ الرجال میں ضبط کیا اور پھر مزی نے اس
کتاب کا خلاصہ کیا جس کا نام تہذیب الکمال ہے ۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو
خلاصہ کر کے اور بہت کچھ اسپر زیادہ کر کے تہذیب التہذیب نام کی کتاب لکھی ۔

اور فرقہ امامیہ میں بھی اس فن کی تدوین قدیم زمانہ سے ہوئی چنانچہ حسن بن علی بن فضال
اور عبد اللہ بن جبلہ نے (سنہ ۲۱۹) اسماء رجال میں کتابیں لکھیں اور حمید بن زیاد نینوی نے
(سنہ ۳۱۰) رجال کی جرح وتعدیل میں کتاب لکھی اور محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین نے
بھی اس فن میں کتابیں لکھیں اور ایسے ہی شیخ محمد بن یعقوب کلینی اور شیخ صدوق

محمد بن بابویہ قمی اور کشی اور نجاشی اور شیخ ابو جعفر طوسی نے کتابیں لکھیں اور متاخرین کی کتابیں مثل تصنیف علامہ حلی و تقی الدین بن داؤد و شیخ شہید ثانی اور اُن کے بعد فاضل محمد استرابادی و میر شرف الدین علی (صاحب کتاب ایجاد المقال) مشہور و معروف ہیں ✣

اور محققین اہل سنت میں متاخرین کی مشہور کتابیں مثل استیعاب ابن عبد البر اور میزان الاعتدال في نقد الرجال حافظ شمس الدین ذہبی کی اور نیز کاشف اور کتاب الضعفاء المتروکین اور شیخ الاسلام محي الدین نووی کی کتاب تہذیب الاسماء و تقریب اور امام ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب و لسان المیزان اور اصابه في تميز الصحابه اور علامہ سیوطی کی تدریب الراوي شرح تقریب النواوي اور اَور کتابیں نامی اور مستند ہیں ✣

Preservation of traditions and their critical examination not to be found in any other nation.

۴۲ - (۳) ایک اَور علم جلیل الشان علم حفظ اسناد اور اصول درایت ہے دوسری صدی ہجری سے مسلمانوں میں حدیثوں کے قلمبند کرنے اور روایتوں کو جمع کرکے لکھنے کا شوق ہوا اور بیسیوں تصنیفیں روایتوں کی جمع ہوگئیں اس لیئے ان کے تنقیہ اور راویوں کی جرح و تعدیل خوب ضبط اور تحقیق سے نہیں ہوئی حتی کہ اہل صحاح نے اس میں بڑا ضبط اور اہتمام کیا مگر متقدمین رجال کی نظر میں ان میں بھی بہت سے راوی متکلم فیہ اور مجروح نکلے ✣

البتہ جو طریقے اصول درایت کے قایم کیئے اور جس طرح روایتوں کو اصطلاحی قسموں پر تقسیم کیا اُن سے اُن کی دقت نظر باریک بینی ذہانت اور عدم تقلید خوب ثابت ہے چنانچہ رامہرمزی نے ایک مختصر تصنیف فن درایت میں لکھی پھر حاکم نیشاپوری معروف بابن البیع نے معرفت حدیث میں کتاب لکھی اور پھر احمد بن عبد اللہ ابو نعیم اصفہانی نے کتاب النہایة فن حدیث میں لکھی اور خطیب بغدادی نے جنکی شہرت اور تلقی بالقبول تمام علما اسلام میں

ظاہر ہے اس فن پر کتاب کفایۃ لکھی اور اَور کتابیں مثل شرف اصحاب الحدیث والسابق واللاحق والمتفق والمفترق والمؤتلف والمختلف و تلخیص المتشابہ وغنیۃ المقتبس فی تمیز الملتبس و تمیز متصل الاسانید وغیرہ ذلک تصنیف کیں اور جیسا کہ اپنے زمانہ میں خطیب تمام ایشیا میں بے مثل تھے ایسے ہی انھیں کے معاصر فرنگستان میں (پانچویں صدی میں ہے) ابن عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب حافظ عصر تھے ۔

یہ علم سیاقت سلسلہ روات کی تحقیق اور راویوں کی تفتیش مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے یہود و نصاریٰ میں احادیث اور روایتوں پر عمل رہا اور کتاب تالمود اور مشنا وغیرہ کتب یہود روایتوں کے مجموعہ ہیں۔ ان میں سے مشنا کی روایتیں دوسری صدی عیسوی میں قلمبند ہوئیں۔ اور تالمود ہجرت سے سو برس پیشتر لکھی گئی مگر سلسلہ اسناد گویا کہ ندارد ہی ہے چہ جائے ان میں وہ باریکیاں اور نازک خیالیاں اور خبر کے افادہ علم کرنے یا مفید یقین ہونے کے معقول قاعدے معلوم ہوئے ہوں ۔

Grecian phislosophy and its influence on the people of the Book.

۴۳ - (۴) ایک اَور علم مہتم بالشان علم کلام ہے۔ یونانیوں میں علوم عقلیہ حکمت کی اشاعت سن عیسوی سے پانچ یا چھ سو برس پیشتر ہو گئی تھی اس لیئے یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب پر یونانی فلسفہ کا کم و بیش ضرور اثر ہوا یہود کی دینی کتاب یعنی توارت میں تو اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا کیونکہ اسکی تالیف یا تصنیف اس فلسفہ کی اشاعت سے سالہا سال پیشتر کی ہے البتہ مصریوں کے علوم و فنون کا تعلق توراۃ کے احکام سے اگر کوئی شوق کرے تو دریافت ہو سکتا ہے مگر یونانی فلسفہ کی اشاعت ہو جانے کے بعد یہود کے عقاید میں بہت کچھ فلسفیت آگئی تھی اور عیسائیوں نے تو اول و اجل عقاید کو اسی طرز پر قایم کیا اور حضرت یوحنا اور پولوس نے اور بطرس نے بھی شاید عموماً یونانیوں کی زبان اور علوم کی شہرت اور رواج سے اور خصوصاً فلو یہودی سرآمد فلاسفہ وجامع معقول و منقول کی معاصرت اور کچھ مصاحبت سے بھی تعدد قدما کا سا مسئلہ بالتخصیص لوگوں

یعنی کلمہ کی ازلیت اور واجب الوجود سے اُسکی معیت ویسی ہی اعتقاد کرنے جیسی فلو یہودی فیلسوف اور یونانیوں نے کی تھی ؛

یہود میں علم حکمت و معقولات کا رواج حضرت داؤد اور سلیمان سے ہوا۔ حضرت سلیمان کے رسالے حکمت کے مختلف علوم کے مدت سے محفوظ نہیں (علم حیوانات میں سے بالتخصیص علم منطق الطیر کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ اُڑتے جانوروں کا علم ایک شاخ ہے نیچرل ہسٹری کی۔ اور منطق کا لفظ یونانی زبان کے لوجی کے مقابلہ میں ہے جس کے معنی ہیں علم جیسے جیولوجی۔ ذولوجی فزیولوجی ہیں اور اسی منطق الطیر اور دیگر علوم سلیمانی کا ذکر کتاب اسلاطین باب ۵ پسوق ۱۲ (نسخہ عبرانی) میں ہے۔ مگر بعد زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہودیوں نے علوم حکمیہ میں بہت کم ترقی کی۔ قید کے زمانہ میں اُنھوں نے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں اور بعد میں فلسفہ یونان میں سے بہت کچھ حق اور باطل باتیں حاصل کیں۔ اور کتاب حکمت سلیمان میں فلسفہ یونان بھرا ہوا ہے۔ اور بعد میں فلسفہ کو یہود میں بہت ترقی ہوئی۔ اور اسی فلسفہ کی بنا پر ان میں کئی فرقے مثلاً صدوقی۔ فریسی وغیرہ ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں فریسیوں میں بھی کئی فرقے اور ہو چلے تھے اور اسی زمانہ میں ہلل یہود میں حکیم اور فیلسوف اور شماعی (یونانی سمیاس شاید سمعون۔ لوق ۲ و ۲۵) اور گملیل (اعمال $\frac{5}{34}$ و $\frac{22}{3}$ شاید وُہی جو اُستاد پولوس مقدس تھا) بہت نامی زبردست اور صاحب مذاہب متبعہ گذرے ؛

جب سے فلسفہ یونان یا کالدینیاں نے رواج پایا تھا یہودیوں نے روح کے تناسخ اور غیر فانی اور پہلے سے پیدا ہو چکنے کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا[1]۔ پیروان فیثاغورس وامپیدقوس بلکہ افلاطون سے بھی مسئلہ تناسخ[2] و تقدیم خلق ارواح کے[3] ایجاد ہوئے

---

[1] دیکھو تاریخ رویتہ الکبرا مصنفہ گبن باب ۴۷ ؛

[2] تناسخ کا سا مسئلہ حواریان مسیح کے اعتقاد میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو انجیل یوحنا $\frac{9}{2}$ ؛

[3] عالم ارواح کا مسئلہ یعنی سب روحیں آدمیوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہو چکی

اُنھیں سے یہودیوں نے اور اُن سے عیسائیوں نے سیکھا اور اسی طور سے مسئلہ وجود لوگوس یعنی کلمہ اس طرح پر کہ وہ عین ذات الٰہی اور قدیم ہے عیسائیوں نے فلسفہ یونان سے حاصل کرکے اپنے دینی عقاید کے مسئلوں میں شامل کرلیا حتی کہ حواریوں کے زمانہ میں فلو یہودی فیلسوف جس طور کہ فلاسفہ یونان کے تتبع پر لوگوس کا مسئلہ بیان کرتا تھا بعینہ اسی طور پر حضرت یوحنا حواری نے جیسا کہ مشہور ہے اپنی انجیل کے دیباچہ میں (باب اول ۱ - ۱۴ له) اسے درج کیا - اس سے پایا گیا کہ فلسفہ کا بہت بڑا اثر یہودیوں اور علی الخصوص عیسائیوں پر ہوا مگر مسلمانوں نے فلسفہ یونان کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا اور عمدہ عمدہ کتابیں اصول عقاید کی لکھیں اور اُس کی تردید اور تطبیق میں کوشش کی +

۴۴ - مسلمانوں میں علوم کی عموماً ترقی اور حکمت اور فلسفہ یونان کی تحصیل دوسری صدی سے شروع ہوئی +

Real progress of moslems in Sciences.

علامہ ذھبی نے ۱۴۳ھ کے بیان میں لکھا - شرع علماء الاسلام في هذا العصر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷

تھیں مسلمانوں میں بھی آیا اس اعتقاد سے کچھ اُن کی الٰہیات میں خلل نہیں واقع ہوا کیونکہ اُس کا اثر ذات الٰہی کے متعلق مسئلوں پر کم پہونچتا ہے مگر ہر چند کہ عوام یا متفلسفین نے اسے قبول کیا الا محققین اسلام اور جامع معقول و منقول علما مثل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ و امام غزالی نے اس سے انکار کیا اور عوام الناس جو سورہ اعراف کی (۱۷۱) آیت اور بعض روایتوں سے جن کو اصحاب مولود بہت پڑھتے ہیں اس پر غلط استدلال کیا تھا اچھی طرح پر اُس کے صحیح معنی ظاہر کیئے ہیں چنانچہ سید مرتضیٰ نے کتاب غرر و درر میں اور امام غزالیؒ نے کتاب النفخ والتسویہ (المضنون بہ علی غیر اہلہ) میں اُس کی تفصیل کی ہے -

له "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا وہی ابتدا سے خدا کے ساتھ تھا" (انجیل یوحنا) مگر یاد رہے کہ نسخہ کلیمنس الکسندریانوس میں پہلی آیت یوں ہے + + + اور کلام خدا میں تھا + + پس حال کی عبارت سے جو تعدد قدما لازم آتا ہے جاتا رہتا ہے - اور دوسری آیت تو چند قدیم اور معتبر نسخوں میں جو محققین گریسباخ اور میتھائی نے مقابلہ کی پائی نہیں جاتی +

في تدوين الحديث والفقه والتفسير فصنف ابن جريج بمكة ومالك الموطا بالمدينة والاوزاعي بالشام وابن ابي عروبة وحماد بن سلمة وغيرهما بالبصرة ومعمر باليمن وسفيان الثوري بالكوفة صنف ابن اسحاق المغازي وصنف ابو حنيفة رحمة الله الفقه والرائے ثم بعد يسير صنف هشيم والليث و ابن لهيعة ثم ابن المبارك وابو يوسف وابن وهب وكثر تدوين العلم و تبويبه ودونت كتب العربية واللغة والتاريخ وايام الناس (تاريخ الخلفاء سيوطي) •

چیمبرس کے سائکلوپیڈیا میں ایک مختصر سی کیفیت اسلام میں ترقی علوم وفنون کے بیان میں لکھی گئی ہے اُس کا کچھ انتخاب یہاں نقل کیا جاتا ہے :

"۷۵۰ء میں خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب وفنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور (۷۵۴ء - ۷۷۵ء) کے ایام حکمرانی سے ہارون الرشید (سنہ ۷۸۶ - ۸۰۸ء) تک بڑی فیاضی سے اُن کی تربیت ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کیئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے اُن کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی اہل یونان وشام وایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر مشتہر اور شائع ہوئیں - خلیفہ مامون نے (جس نے ۸۱۳ سے ۸۳۳ تک سلطنت کی) سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا اور ہمیشہ کی صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجاوے کہ چند عرصہ کے لیئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ وحکمت سکھلاجاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لیئے ایسے زر خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملیگی - اسی مامون کے زمانہ میں بغداد - بصرہ - بخارا اور کوفے میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ - بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے - اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا - اور عموماً دسویں صدی میں جہاں کہیں وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانیوالے نظر آتے تھے - فرانس اور اور ممالک فرنگستان کے طالب علم جوق جوق اُندلس کو آنے شروع ہوئے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے - اُندلس میں ۷۰ مدرسے اور ۵ بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانے میں ۶ لاکھ کتابیں تھیں جمع ہوئے - یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اُس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ

(محمد صلعم) گذرا تو ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے ۔

" جغرافیہ ۔ تاریخ ۔ فلسفہ ۔ طب ۔ طبیعات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ۔ اور عربی الفاظ جو اب تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں مثلاً الکحل عظیمہ زینہ نادر اور بہت سے ستاروں کے نام وغیرہ ذالک اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ۔ مگر بعد کے زمانہ میں ان سے جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا ۔ ایشیا اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علم جغرافیہ میں پرانی عربی کتابیں اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابوالفدا ادریسی لیوا فریقانوس ابن بطوطہ ابن فصلان ابن جبیر البیرونی المنجم اور اوروں کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں " ۔

" علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مورخ جس کا حال ہمکو ملتا ہے محمد الکلبی ہے (جو سنہ ۸۱۹ء میں مر گیا) مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مورخ گذرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا ان میں اول مسعودی ۔ طبری ۔ حمزہ ۔ اصفہانی اور یوطیکیس بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب و معدن الجواہر ہے) ان کے بعد ابوالفرج اور جارج الماقین (ہر دو عیسائی) اور ابوالفدا وغیرہ ہیں ۔ نویری نے جزیرہ سقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی ۔ بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابوالقاسم قرطبی (وفات ۱۱۳۹ء) تمیمی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں ۔ جس کسی کو ان حالات کے دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطریر کی تصنیفات خصوصاً وان ہیمر کی کتابوں پر رجوع کرے " ۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

" عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت تھی جو اوسط زمانے کے معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپین میں اس کی بڑی شہرت

ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی میں ترجمہ کے ذریعہ سے اسکی اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلے سے حاصل ہوا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعۃ پر زیادہ توجہ ہوئی - اور مسلمانوں میں مشاہیر اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں - الکندی بصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا - الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول (؟) میں کتاب لکھی - ابن سینا (مات ۱۰۳۶) جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا و تشخیص امراض اور شناخت ادویات نباتی میں بڑی ترقی کی - ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی - الغزالی (مات ۱۱۱۱) جس نے کتاب تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی - ابوبکر ابن طفیل (مات ۱۱۹۰) جس نے اپنے قصہ حی ابن یقظان (مطبوعہ پوکوک مقام اکسفورڈ سنہ ۱۶۷۱ء) میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطا طالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا - ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمولدرس اور رٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا ۔

" بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو ہمبولٹ نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جن کو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے - معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں نے ہی ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انھیں سے ہوئی - اور مدرسہ سلرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا - (دیکھو رسالہ کوس موس مصنفہ ہمبولٹ جلد ۲ ص ۵۸۱ ترجمہ بوہن) دوا سازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک یعنی ۸ سے ۱۱ صدی ع تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی اور جندسابور بغداد - اصفہان - فیروز آباد - بلخ - کوفہ - بصرہ - اسکندریہ - قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے - اور طبابت کے ہر ایک صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی - اس کے استثنا کی یہ وجہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے (؟) علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے - ہارون الکندی

ابی سینا[1] جس نے قانون لکھا اور ایک عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی - علی بن عباس - اسحاق بن سلیمان - ابوالقاسم - اور روش[2] جس نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم" ؀

" ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبر والمقابلہ کو وسعت دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظر ومرایا میں تصنیف کی اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جبر ابن عقاح نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب مجسطی کو الحازنی (م) اور سوجیوس نے سنہ ۸۱۲ء میں عربی میں ترجمہ کیا - اور دسویں صدی عیسوی میں البانن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبر البانی نے رفتار شمس کی دریافت کی - البطراجیوس نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی" انتہی

۵۴ - اسلام کی علمی فیض بخشی دور و دراز ملکوں میں بھی ہوئی اور ممالک فرنگستان کے رہنے والے بھی مسلمانوں کی ترقی علوم سے بہرہ یاب ہوئے فرنگستان کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی وجہ سے عربی زبان اور عرب کے اخلاق وعادات کے علم سے بہت بڑا فائدہ دینی یہ ہوا کہ عہد عتیق کی کتابیں جن کی زبان عبرانی مدت سے متروک الاستعمال

Literary benifits of Islam to meet distant provinces.

---

[1] قانون فی الطب عبرانی زبان میں بھی ترجمہ ہوا - اور لاطینی زبان کا ترجمہ سنہ ۱۵۹۵ء میں چھپا اور فلسفہ کے رسالے لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۴۹۰ و ۱۵۲۳ و ۱۵۶۴ء میں شہر وینس میں چھاپے گئے اور قانون کا عربی متن ۱۵۹۳ء میں روما میں چھاپا گیا - چ غ

[2] یعنی ابن رشد جن کا پورا نام ابوالولید محمد بن احمد بن محمد ابن رشد ہے ولادت ۱۱۴۹ء مقام قرطبہ اور وفات ۱۱۹۸ یا ۱۲۰۶ء میں - ابن رشد کی تصنیفات سے ترجمہ حکمت ارسطاطالیس و شرح ارسطاطالیس اور طب میں کلیات مشہور ہیں اور اکثر لاطن میں ترجمہ ہوئی اور جرمن میں اصل بھی چھپی - چ غ

ہے بہت سے مقامات پر عربی کی استعانت سے صاف صاف سمجھ میں آنی شروع ہوئیں۔
کیونکہ عہد عتیق میں بہت سے ایسے محاورات صرف ہوئے ہیں اور ایسے عادات کا
بیان ہے جو اہل یورپ نہیں سمجھتے تھے مگر عرب میں اُن کا استعمال اور رواج تھا۔ مگر
افسوس کہ یہاں کے مسلمان باوجود شدت احتیاج زبان عبری یا یونانی نہیں سیکھتے
اور بڑے بڑے افضل الفضلا یہ نہیں جانتے کہ فارقلیط کس زبان کا لفظ ہے۔ مَیں سمجھتا
ہوں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر علمائے دین اور نیز مفسرین سابقین چہارم قرآن کے
مضمون کو اس وجہ سے اچھی طرح نہیں سمجھ سکے کہ اُن کو یہود کی زبان اور رسوم و عادات
مذہب و خیالات طریق معاشرت اور اُن کی کتب دینی پر اطلاع نہیں[1]۔

ہنری لوئیس نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے کہ:-

"مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہونچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا
ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ اُن لوگوں نے
علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور اُنھیں کی بدولت اسپین
سے فرانس ہوکر انگلستان میں علم پھیلا"[2]۔

اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی اول تجویز میں اس امر کا اعتراف ہے کہ شاید عربوں اور
فارسیوں سے زیادہ کسی قوم میں علم تاریخ و تذکرہ و فن بدیع کے ذخیرہ جمع نہیں ہیں۔ اُن کی
تاریخوں اور تذکروں کی کتابیں جن میں اُن کے اردگرد کے مُلکوں کے حالات لکھے ہیں وہی
کتابیں اصلی ماخذ ہیں اُن مُلکوں کی تاریخ اور نامی اشخاص کے تذکرہ کی۔ اُن کی تاریخیں
جنگ مقدس کے بیان کی جن میں صحیح صحیح حالات لکھے ہوئے ہیں اُن کے پڑھنے میں
ہر ایک پڑھنے والے کا دل لگیگا اور اہل تاریخ کو اُن سے بڑی مدد ملیگی۔ فن ادب اور
خصوصاً قصص و حکایات میں تو کوئی اُن سے بڑھکر نہیں ہوا اور جو کچھ ایسی کتابیں

[1] وارکعوا مع الراکعین (بقرہ ۶۵) کی تفسیر میں مفسرین متحیر ہیں اور بعضے بڑے مفسر
لکھتے ہیں "کان الیہود لا رکوع فی صلواتہم" اور ایسا ہی تفسیر بیضاوی۔ معالم۔ کمالین
وغیرہ میں ہے !!!۔

[2] پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۴ ص ۱۴۲ –

فرنگی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں اُن کے پڑھنے سے افسوس آتا ہے کہ ایسی کتابیں جن سے ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں۔ اور فی الحال ہمکو کیسی ہی فضیلت ایشیا کے علوم وفنون پر حاصل ہو مگر جہاں سے ہمنے اپنے مبادی علوم کو حاصل کیا تھا اُسکا دریافت کرنا بے سُود نہوگا۔ اس نسبت میں ہمکو تسلیم کرنا چاہیے کہ ایشیا کی زمین فرنگستان کی بڑی بہن اور معلم ہے۔ اور اگرچہ وحشیوں کے ایک گروہ نے اُس کے ملک عرب و شمال سے سیلاب کی مانند پھیل کر کے اُس کی روشنی کو بجھا دیا مگر تو بھی ہملوگ غرناطہ قرطبہ اور سیولی کی مسلمان سلطنتوں کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے پھر علم کی روشنی قایم کی۔ کیونکہ یورپ نے بہت سے وہ علوم وفنون جو اب اُس نے بڑے اعلے درجہ پر پہنچائے ہیں ابتدا میں وہیں سے حاصل کیے تھے۔ ریاضی اور طب کی ایشیائی تصنیفوں سے تو اب شاید کچھ علم نہ حاصل ہو مگر جبکہ یونانیوں سے علم جاتا رہا تھا تو خلفاء کے عہد میں ان علوم کی ترقی کا نشان پایا علم کے شایق کو بے مذاق نہ معلوم ہوگا کیونکہ یونان کی مشہور کتابیں خلفاء بغداد نے عربی میں ترجمہ کرائی تھیں تو کچھ بعید نہیں کہ یونانیوں کی بعضی مفقود کتابیں اب عربی لباس میں پائی جاویں الخ

۴۶۔ یہ کیفیت ترقی کی مسلمانوں کی چند صدیوں تک رہی مگر فقہاء کی کثرت اور فقہ میں بیحد توغل ہونے سے وہ ترقی رُک گئی اور زوال شروع ہوگیا۔ اور اب اس اخیر زمانہ میں جہل اور اُس کی وجہ سے نکبت اور فلاکت مسلمانوں کے نصیب حال ہوئی جس طرح پر کہ متقدمین مسلمانوں نے حکمت قدیم اور فلسفہ یونان کی تحصیل و تحقیق میں جودت اور ذہانت دکھلائی اور اپنے اصول عقاید سے اُسکی تطبیق یا تردید کرنے میں ناموری حاصل کی اسی طرح واجب اور لازم تھا کہ متاخرین اہل اسلام بھی حکمت جدید اور فلسفہ مجددہ کو حاصل کر کے اپنی فضیلت اور اسلام کی حقیقت تمام دنیا پر ظاہر کرتے کیونکہ ان دونوں علوم جدیدہ کی تحصیل بہت آسان ہے اور نیز حکمت جدید مذہب اسلام کی مؤید اور مصدق ہے اور فلسفہ فرنگ میں وہ دقتیں جو فلسفہ بحثیہ قیاسیہ میں تھیں نہیں ہیں اور فلسفہ شہودیہ جس کی

All this culture of early ages of Mohamedanism presents a strong contrast to the ignorance which now prevails among them.

بنا عیان و شہود پر ہے بہت مفید اور کار آمد ہے ‌◆

اس زمانہ میں بعضے دُور اندیش دردمند اور مستعد مسلمانوں نے یورپ کے علوم جدیدہ کا اکتساب اور علوم اسلامی سے اُس کی تطبیق دینی چاہی ہے اور طرز معاشرت اور شایستگی عادات و طرز تحریر اور طریق تعلیم میں یورپ کا تتبع اختیار کیا ہے چنانچہ میکائل صباغ شامی جن کی کتاب بزبان عربی و فرانسیسی پاریس (۱۸۰۵ء) میں چھپی اور شیخ رفاعۃ القاہری جن کی متعدد تصنیفات نئی طرز پر قاہرہ اور پاریس میں منطبع ہوئیں اور اُن میں ایک کتاب تلخیص الابریز فی تلخیص الباریز ہے جسمیں فرانس کے سیر و سفر کا حال لکھا ہے۔ اور سیف افندی بیروتی جس نے ڈی ساسی کے چھاپے ہوئے مقامات حریری (سنہ ۱۸۴۸ء) پر محققانہ نظر کی اور جنرل خیر الدین احمد وزیر مملکت ٹونس (ترسیس) جن کی کتاب اقوام المسالک فی احوال الممالک کا اُردو ترجمہ بھی یہاں مشتہر ہونیوالا ہے۔ اور شیخ احمد افندی جن کی کتاب کشف المخبا عن فنون اوربا جس کی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی نے کتب مدرسیہ میں داخل ہونے کی تجویز کی ہے۔ اور مولوی کرامت علی صاحب جونپوری متولی امام باڑہ محسنیہ ہوگلی صاحب رسالہ ماخذ علوم مع ضمیمہ عمدہ مصنفین ہیں۔ اور مولوی مہدی علی صاحب کی فرزانہ اور دردمند تقریریں اور حکیمانہ تحریریں مسلمانوں کی درد انگیز حالت پر نہایت مرتبہ پُر تاثیر ہوتی ہیں۔ خصوصاً جناب مولوی سید احمد خاں بہادر کی کوششیں جو مختلف طور سے بانجار شتی مسلمانوں کی خراب حالت اور نکبت و فلاکت اصلاح اور درستی اور علوم جدیدہ کی اشاعت اور حمایت اسلام میں بر روے کار آرہی ہیں اُنھوں نے اکثر مخالف اور موالف کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں تحریک پیدا کردی۔ اور ہندیوں کے تنگ و تاریک خیالات کو حقیقی نور کی آبیاری سے تر و تازہ کرنے کا سامان کیا۔ اور بالتخصیص مدرسۃ العلوم المسلمین کی بنیاد ہمارے دین اور دنیا کی آرائش اور آسایش کا سرچشمہ ہے ‌◆

Modern writers have attempted to imitate European forms of thoughts and sentiments.

۴۷ – یہ مختصر تحریر اسلام کی دنیوی نعمتوں کے بیان میں جیسی کہ مفصل اور متین چاہیئے

تھی نہیں ہو سکی اور بہت سے محاسن ملی و مدنی اور اخلاق اور معاشرت کی خوبیاں جو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیلیں وہ اچھی طرح سے تحریر میں نہیں آسکیں اور جو فائدے غیر قوموں اور دور و دراز کے ملکوں کو اسلام کے ذریعے حاصل ہوئے اُن کا بھی استقرا اس تحریر میں نہیں ہو سکا کیونکہ ان سب مضامین کے لیئے ایک ضخیم کتاب اور اُس کے لیئے بہت بڑا سامان چاہیئے اور نیز حوالوں اور سندوں کے پیچیدہ آ پڑنے سے سلسلہ کلام اور تقریر کے نظام میں خلل پڑ جاتا ہے مگر تاہم جس قدر اسلام کی خوبیاں اور اُس کے اثر میں بدیہی نتیجے ہمنے بیان کیئے ہیں اُن سے ثابت اور ظاہر ہے کہ جماعت اور قوم کے تمدن اور اخلاق پر اور نیز شخصی تہذیب اور تزکیہ میں اسلام کی جو تاثیر ہوئی اور جو اصلاح اسکی مد نظر رہی وہ اُس کے منجانب اللہ ہونے کی مضبوط دلیل ہے - اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کسی فیلسوف کی حکمت یا کسی مزوّر کی جھوٹی باتیں ایسی الٰہی تاثیر اور عام اصلاح نہیں پیدا کر سکیں ؁

A brief review of the positive benefits produced by Islam on the moral and political society and in private life shows that it is of heavenly origin, and a blessing to the world.

اِس تقریر کو مَیں اِس شہادت پر ختم کرتا ہوں جو فضل العلماء ریورینڈ راڈویل صاحب نے قرآن کے حق میں لکھی ہے - ہر چند کہ وہ اسپر تجویز خونریزی و غلامی وغیرہ کے غیر صحیح الزامات لگاتے ہیں مگر اُس کے کریمانہ اخلاق اور حکمت بالغہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بالآخر لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادھے بھیڑیاں چرانیوالے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو - وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتب خانہ اُنھوں نے خراب کیئے تھے[1] اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنیوالے

[1] معلوم نہیں مصنف نے کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے - لوگوں کے ذہن اسی طرف جاوینگے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی ویرانی جو عمرو بن العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی - مگر

ہوگئے - اور فسطاط - بغداد - قرطبہ اور دلّی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یوروپ کو کیکپا دیا - اور قرآن کی قدر ہمیشہ اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیئے جو اُس نے اپنے (طوعاً یا کرہاً) ماننے والوں کے عادات اور اعتقادات میں داخل کیں - بُت پرستی کے مٹانے - جنّات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قایم کرنے - اطفال کُشی

[illegible]

اہل یورپ میں اب تو یہ عام رائے ہے کہ یہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے - چیمبرس کے انسائکلوپیڈیا جلد ایک میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ متعصب عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی آرک بشپ تھیوفلیس حملہ کرکے سنہ ۳۹۱ء میں جوپٹر سراپیس کے بُت خانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا - اور یہ اُس وقت میں ہوا کہ کتب خانہ کی تباہی شروع ہوئی نہ کہ سنہ ۶۴۲ء میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں - وہ قصہ جس میں یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لیئے کافی ہوں وہاں مل گئی تھیں مسخریہ کے طور پر مبالغۃً بیان کیا گیا ہے - مورخ اُروسیوس جس نے اس مقام کو بعد اس کہ عیسائیوں نے اُسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا اقتصابہ ہے کہ اُس نے اُس وقت کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں +

مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح اور مسالمت بہت ہوئی ہے اس وجہ سے بے تکے اُڑ جاتے ہیں شاید اس قصہ کی ابتدا عبداللطیف (۱۱۶۲ - ۱۲۳۱) صاحب تاریخ مصر سے ہوئی ہو اس کے بعد ابوالفرجیوس (۱۲۲۶ - ۱۲۸۲) عیسائی مؤرخ ارمنی اسقف کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی القاہری (۱۳۶۰ - ۱۴۴۲) اور ابن خلدون وغیرہ مؤرخوں نے متعددانہ نقل کیا - مگر یوطیکیوس مصری بطریق اسکندریہ (۸۷۶ - ۹۴۰ء) اور جارج المکین مصری مورخ (۱۲۲۳ - ۱۲۷۳ء) ان دونوں عیسائی قدیم وجدید مورخوں نے اور شاہ اسمٰعیل ابوالفدا (۱۲۷۳ - ۱۳۳۱) مسلمان مورخ اور نیز اَور دوسروں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا - اور اوڈوارڈ گبن (۱۷۳۷ - ۱۷۹۴) اور الکسندر ہمبولٹ جرمنی نے بڑی قوت سے اس کا انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ رومیہ جلد ۶ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء) (اور جلد ۲ کتاب کاسموس صفحہ ۵۸۲ سنہ ۱۸۶۴ء) +

مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانہ اسکندریہ ۶۳۲ میں جل گیا تھا تو نسخہ قدکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا ! ج ع +

کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لیئے برکت اور قدوم حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ اور جبکہ ہر ایک عیسائی کو بالضرور اس امر پر افسوس ہوگا کہ مسلمان فتحمندوں نے بہت سے پھولے پھلے مشرقی کلیسے ڈھا دیئے مگر اسی وقت اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ یورپ نے منطق فلسفہ کا علم۔ طبابت اور فن عمارت عربوں ہی سے حاصل کیا۔ اور مسلمانوں نے عیش و عشرت کے بہت سے سامان اور مفید چیزوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو لیجانے میں مشرق اور مغرب کے قلابہ ملا دیئے ''

(دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۲۲ مطبوعہ ۱۸۶۱ء)

ہاجرہ

الحجۃ الظاہرۃ فی حریۃ الہاجرہ

سوال

حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کا لونڈی ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جس کے راوی بھی مجروح نہوں ثابت ہے یا نہیں اور اگر ثابت نہیں ہے تو جو روایات اس باب میں ہیں اُن کا ماخذ کہاں سے ہے۔ آیا یہود سے یا صاحب الوحی علیہ السلام سے۔ اور وہ روایتیں اس درجہ کی ہیں کہ بموجب اصول اسلام اُن سے حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا تسلیم ہو سکتا ہے یا نہیں۔

سید احمد

بنارس۔ ۲۴ مارچ ۱۸۷۵ء

جواب

(۱)۔ کوئی حدیث صحیح مرفوع ایسی نہیں ہے جسمیں حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کو لونڈی یا سریہ یا ملک یمین کہا ہو۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ہاجرہ کی نسبت ایک روایت ہے وہ بھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہ سے ہے ٭

۱ - بخاری نے کتاب البیوع باب شراء المملوک من الحربي وھبتہ وبیعہ میں روایت کی ہے ٭

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن الاعرج قال ابو سلمہ قال ابو ھریرۃ ارجعوھا الی ابراھیم واعطوھا ھاجرۃ فرجعت الی ابراھیم فقالت اشعرت ان اللہ تعالی کبت الکافر واخدم ولیدۃ	حدیث کی ابو الیمان نے کہ خبر دی مجھکو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابو الزناد نے اعرج سے کہا ابو سلمہ نے کہا ابو ہریرہ نے لوٹاؤ سارہ کو ابراہیم کے پاس اور دو اسکو ہاجرہ پھر آئی سارہ ابراہیم کے پاس پھر کہا جانا تمنے کہ اللہ تعالے نے ناکام کیا کافر کو اور خدمت کو دی لڑکی ٭

یہ روایت ابوہریرہ رضي اللہ عنہ پر موقوف ہے ٭

۲ - صحیح بخاری کتاب البیوع باب قبول الھدیۃ من المشرکین میں ہے -

قال ابو ھریرۃ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر ابراھیم الخلیل بسارۃ فدخل قریۃ فیھا ملک او قال جبار فقال اعطوھا ھاجرۃ الخ	کہا ابوہریرہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ ہجرت کی ابراہیم خلیل نے ساتھ سارہ کے پھر آئے ایک شہر میں اُس میں تھا ایک بادشاہ یا کہا ایک ظالم (یہ شک راوی کا ہے) پھر کہا دو سارہ کو ہاجرہ ٭ الخ

یہ روایت بلا اسناد ہے ٭

صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا میں ہے -

حدثنا محمد بن محبوب حدثنا بن زید عن ایوب عن محمد عن ابي ھریرۃ قال لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات اثنین منھن في ذات اللہ	روایت کی محمد بن محبوب نے کہ نقل کی مجھ سے بن زید نے ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہا نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ

عز وجل قوله اني سقيم وقوله بل
فعله كبيرهم هذا وقال بينما هو ذات
يوم وسارة اذا اتى على جبار من الجبابرة
فقيل له ان ههنا رجلا معه امرأة من
احسن الناس فارسل اليه فسأله عنها
فقال من هذه قال الخليل اختي
فقال الخليل لسارة ليس على وجه
الارض مومن غيري وغيرك و
ان هذا سالني عنك فاخبرته انك
اختي فلا تكذبيني فارسل اليها
فلما دخلت عليه ذهب يتناولها
بيده فاخذ فقال لها ادعي الله لي ولا
اضرك فدعت الله فاطلق ثم تناولها
الثانية فاخذ مثلها او اشد فقال
ادعي الله ولا اضرك فدعت الله تعالى
فاطلق فدعا بعض حجبته فقال
انكم لم تاتوني بانسان انما اتيتموني
بشيطان فاخدمها هاجرة فاتته
وهو قائم يصلي فاوماء بيده مهيم فقالت
رد الله كيد الكافر والفاجر في نحره و
اخدم هاجرة قال ابو هريرة تلك
امكم يا بني ماء السماء

دو ان میں سے تو صرف اللہ عز وجل کے
ہیں کہنا ابراہیم کا مَیں بیمار ہوں اور کہنا
اُن کا بلکہ کیا ہے یہ اُن کے اس بڑے
نے اور کہا جبکہ وے ایک دن بیچ تھے سارہ
کے آئے ایک ظالم کے پاس ظالموں سے
پھر کہا گیا ظالم سے کہ یہاں ایک آدمی ہے
اُس کے ساتھ ایک عورت اچھی ہے سب
آدمیوں سے پھر بھیجا ظالم نے ابراہیم کے
پاس اور پوچھا سارہ سے کہ کون ہے یہ کہا
خلیل نے میری بہن ہے پھر کہا خلیل نے
سارہ کو نہیں ہے زمین پر مومن سوا میرے
اور تیرے اور اس ظالم نے پوچھا مجھ سے
تجھ کو پس خبر دی ہے اس کو مَیں نے کہ
تو میری بہن ہے پس مت جھٹلائیو تو مجھ کو
پھر بھیجا ظالم نے سارہ کے پاس جب
آئی وہ اُس کے پاس گیا کہ پکڑنے لگا سارہ
کو اپنے ہاتھ سے پس جکڑا گیا پھر کہا سارہ
سے دعا کر اللہ سے میرے لیئے اور نہ
تکلیف دوں گا تجھ کو پس دعا کی پس کھولا
گیا پس پکڑنے لگا اُن کو دوسری مرتبہ
پس جکڑا گیا ویسا ہی یا اُس سے بھی سخت
پس کہا دعا کر تو اللہ سے اور نہ تکلیف دونگا
تجھ کو پس دعا کی اللہ سے پس کھولا گیا پھر
بولایا اپنے دربانوں میں سے پھر کہا تم نہیں لائے میرے پاس آدمی تم لائے میرے پاس
شیطان کو پھر خدمت کے لیئے دی سارہ کو ہاجرہ پھر آئی سارہ اور ابراہیمؑ کھڑے نماز

پڑھتے تھے پس اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے کہ کیا حال ہے پھر کہا لوٹایا اللہ تعالیٰ نے مکر کافر اور فاجر کا اُسی پر اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابو ہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو۔

یہ روایت بھی مرفوع نہیں ہے۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب النکاح باب اتخاذ السراری وثواب من اعتق جاریۃ ثم تزوجہا میں ہے۔

حدثنا سلیمان بن حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی ھریرۃ لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات بینما ابراھیم علیہ السلام مر بجبار ومعہ سارۃ فذکر الحدیث فاعطاھا ھاجرۃ قالت کف اللہ ید الکافر واخدمنی ھاجرۃ قال ابو ھریرۃ فتلک امکم یا بنی ماء السماء۔

حدیث کی سلیمان بن حماد نے زید سے اُس نے روایت کی ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابو ہریرہ سے کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ جبکہ ابراہیم علیہ السلام گذرے ظالم پر اور اُن کے ساتھ تھی سارہ پس ذکر کی ساری حدیث پھر دی سارہ کو ہاجرہ کہا روکا اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کافر کا اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابو ہریرہ نے پس یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو۔

یہ روایت ابو ہریرہ پر موقوف ہے۔

۵۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ باب اذا استکرھت المرأۃ علی الزنا میں ہے۔

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر ابراھیم بسارۃ ودخل بھا قریۃ فیھا ملک من الملوک او جبار من الجبابرۃ فارسل الیہ ان ارسل بھا فارسل بھا فقام الیھا فقامت توضی وتصلی فقالت اللھم ان کنت

حدیث کی مجھ سے ابو الیمان نے کہ خبر دی مجھ کو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابو الزناد نے اعرج سے اُس نے ابو ہریرہ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ابراہیم نے ساتھ سارہ کے اور آئے شہر میں اُس میں تھا بادشاہ بادشاہوں سے یا ظالم ظالموں سے پھر بھیجا اُس نے ابراہیم پاس کہ بھیجدے سارہ کو پھر بھیجا

امنت بك وبرسولك فلا تسلط علي
يد الكافر فغط حتى ركض برجله ۔

سارہ کو اور کھڑے ہوئے ابراہیم سارہ کے پاس پس کھڑے ہوکر سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر کہا اے خدا اگر ایمان لائی ہوں میں تجھپر اور تیرے رسول پر پس مت قابو دے مجھپر کافر کو پس ڈالا گیا یہاں تک کہ پیر مارنے لگا ۔

یہ روایت مرفوع ہے الا اس میں ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کا ذکر نہیں ہے ۔

۲- صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم الخلیل میں ہے ۔

حدثنا ابو الطاهر قال انا عبد الله ابن وهب قال اخبرني جرير بن حازم عن ايوب السجستاني عن محمد بن سيرين عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يكذب ابراهيم النبي قط الا ثلثة كذبات ۔ ۔ ۔ فاعطاها هاجرة فاقبلت تمشي فلما راها ابراهيم عليه السلام انصرف فقال لها مهيم قالت خير اكف الله يد الفاجر واخدم خادما قال ابو هريرة فتلك امكم يا بني ما السماء

حدیث کی ابو طاہر نے کہا خبر دی مجھکو عبد اللہ بن وھب نے کہا خبر دی مجھ کو جریر بن حازم نے ایوب سجستانی سے اُس نے محمد بن سیرین سے اُس نے ابوہریرہ سے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نبی نے مگر تین جھوٹ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر دی سارہ کو ہاجرہ پھر چلی آئی سارہ جب دیکھا اُنکو ابراہیم نے پھر ہی پھر کہا کیا حال ہے کہا اچھا روکا اللہ تعالے نے ہاتھ فاجر کا اور خدمت کو دی خادم کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمھاری ماں اے عرب والو ۔

(۳)- اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف حضرت ابوہریرہ تک موقوف ہے ۔

(۱) بخاری کی سب سندی روایتوں میں حضرت ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کی روایت ابوہریرہ تک ہے - (۲) اس کے سوا ابن سعد کی روایت طبقات کبیر میں (۳) اور حافظ ابو نعیم کی روایت میں بھی وقف ہے (۴) اور حمیدی صاحب جمع بین الصحیحین نے اسی پر جزم کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے (۵) اور علامہ ابن حجر نے اسی کو

صواب یعنی صحیح اور درست قرار دیا ہے۔ (۶) اور عبد الرزاق کی روایت میں معمر سے بھی وقف ہے ؂

قسطلانی نے شرح بخاری میں یہ لکھا ہے (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹)

ولم یصرح برفعه في رواية حماد بن زيد الى رسول الله على المعتمد الموفق لرواية والنسفي وكريمته كما رواه عبد الرزاق عن معمر۔	نہیں تصریح کی گئی اس کے مرفوع ہونے کی روایت حماد میں رسول اللہ تک اوپر معتمد کے جو موافق ہے روایت کریمہ اور نسفی کے جیسا کہ روایت کیا عبد الرزاق نے معمر سے ؂

(اور جلد ۸ ۔صفحہ ۱۳)

كذا ورد موقوفا الكريمة والنسفي وكذا عند ابي نعيم وجزم به الحميدي قال الحافظ ابن حجر واظنه الصواب في رواية حماد عن ايوب ۔	ایسا ہی آیا ہے موقوف کریمہ اور نسفی کی روایت میں اور ایسا ہی نزدیک ابو نعیم کے اور اُسی کا یقین کیا حمیدی نے کہا حافظ ابن حجر نے مجھ کو گمان غالب ہے کہ وقف ہی صواب ہے روایت حماد میں ایوب سے ؂

البتہ جریر بن حازم نے ایوب سے جو روایت کی ہے اُس نے مرفوع کر دیا ہے مگر بخاری نے حماد کی روایت کو ترجیح دی ہے اور جریر بن حازم کی روایت قبول یا نقل نہیں کی ؂

علامہ قسطلانی نے مقام مذکور پر لکھا ہے۔

وان ذلك هو السر في عدم ايراد رواية ابن جرير مع كونها نازلة ؂	اور یہی بھید ہے نہ لانے روایت ابن جریر میں باوجود ہونے روایت حماد کے اُتری ہوئی ؂

صحیح مسلم میں جو روایت مرفوع ہے اس کا راوی ایوب سے جریر بن حازم ہے اور وہی روایت ایوب سے حماد نے موقوف نقل کی ہے اور حماد جریر سے اثبت ہے یعنی زیادہ تر ثابت ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے (جلد ۵ صفحہ ۱۸۱) لکھا ہے ۔

قال الدارقطني حماد اثبت من جرير ۰	کہا دارقطنی نے حماد ثابت زیادہ ہے جریر سے ۰

البتہ نسائی اور بزاز اور ابن حبان نے ہشام بن حسان کی روایت میں اور ابی ذر ھیلی اور ابن عساکر نے اس کو مرفوع کر دیا ہے مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک یہ روایت موقوف ہے اور کسی روایت موقوف کا مرفوع کر دینا تو راویوں کا ایک معمولی محاورہ اور روزمرہ کی عادت ہے جب چاہا اور جس روایت کو چاہا (خواہ وہ کیسی ہی لغو ہو) قال قال رسول اللہ کہدیا چلو وہ مرفوع ہوگئی !! علامہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ طبقہ اول والے جو روایت آپسمیں کسی سے سُنتے تھے تو شدت وثوق کے باعث سے اُسکو جناب پیغمبرؐ کی طرف منسوب اور مرفوع کر دیتے تھے ۰

کما قال کان السرب الاول صافیا فکان بعض الصحابۃ یسمع من بعض فیقول قال رسول اللہ من غیر ذکر من رواہ لہ لانہ لایشک فی صدق الراوی ۰	کہا ابن جوزی نے تھا قرن اول صاف پس تھے صحابہ آپسمیں سنتے تھے ایک دوسرے سے پس کہتے تھے فرمایا رسول اللہ صلعم نے بے اسکے کہ ذکر کریں جس نے روایت کی اُن سے کیونکہ نہیں شک کرتے تھے وے صدق راوی میں ۰

پس اسی طرح اور راویوں نے یا خود ابو ہریرہ نے اس روایت کو ایک معمولی عادت کے طور پر مرفوع کر دیا ہوگا ۰

(۴) یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت وُہی ایک طولانی روایت ہے جس میں حضرت ابراہیم کے تین جھوٹ بولنے کا ذکر ہے (دیکھئے بخاری کی کتاب الانبیا اور مسلم کی کتاب الفضائل) اور اس روایت پر اہل بصیرت نے بنظر شفاعت معنوی نظر کی ہے اور اسکو غیر صحیح اور باطل قرار دیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

واعلم ان الحشرية روي عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ماکذب	جان کہ روایت کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کہا نہیں جھوٹ بولا

ابراهيم الا ثلث كذبات نقلت الاولى
ان لا يقبل مثل هذه الاخبار فقال
على طريق الاستنكار ان لم نقبله
لزمنا تكذيب الرواة فقلت له يا مسكين
ان قبلناه لزمنا الحكم بتكذيب ابراهيم
وان رددناه لزمنا الحكم بتكذيب
الرواة ولاشك ان صون ابراهيم
عن الكذب اولى من صون طائفة
من المجاهيل عن الكذب -

ابراہیم نے مگر تین جھوٹ پس کہتا
ہوں میں بہتر یہ ہے کہ نہ قبول کی جاوے
ایسی خبر پھر کہا بطریق انکار کے کہ اگر نہ
قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹلانا راویوں
کا پس کہتا ہوں میں اگر قبول کریں ہم لازم
آوے جھوٹا ماننا ابراہیم کا اور اگر رد
کریں ہم لازم آوے حکم جھوٹلانے راویوں
کا اور نہیں شک کہ بچانا ابراہیم
علیہ السلام کا جھوٹ سے بہتر ہے بچانے
ایک گروہ مجہول سے جھوٹ سے ÷

اور کتاب اللباب فی علم الکتاب تصنیف عمر بن عادل حنفی میں بھی یہی عبارت
منقول ہے اور شیخ الاسلام امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے -

وما روي في ذلك من ان ابراهيم
كذب ثلث قوله اني سقيم وقوله
كبيرهم وقوله لسارة لما ارادها الجبار
واخذها وكانت زوجته هذه اختي
مما لا يعول عليه ÷

اور جو روایت کیا گیا ہے اس میں
کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ
بولے کہنا اُن کا میں بیمار ہوں اور کہنا انکا
کہ اُن کے بڑے نے اور کہنا اُن کا سارہ
کو جب دیکھا اُن کو ظالم نے اور لیا اُن کو اور
تھی بیوی ابراہیم کی یہ ہے میری بہن ایسی
پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے ÷

علامہ قسطلانی صاحب ارشاد الساری نے امام رازی کے قول مذکور کو نقل کر کے
لکھا ہے -

فلیس بشیٔ اذا الحدیث صحیح ثابت (جلد ۵ صفحہ ۲۷) قول رازی کا کچھ نہیں ہے
کہ حدیث صحیح اور ثابت ہے مگر اس حدیث کا صحیح ہونا اگر اصطلاح کے طور پر ہے اور غالباً
یہی مراد بھی ہے تو اُسکی اصطلاحی صحت اُسکو حق اور سچا نہیں ٹھہرا سکتی مگر اُسکو
ثابت قرار دینا غیر ثابت ہے اس لیئے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے سے اس کا حق و

ثابت ہونا لازم نہیں آتا علی بن برہان الدین الحلبي الشافعي صاحب انسان العيون في سيرة ابن مامون نے لکھا ہے۔

لايلزم من صحة الاسناد صحة المتن فقد يكون فيه مع صحة اسناده مايمنع صحته فهو ضعيف۔	نہیں لازم آتا صحت سند سے صحت اصل حدیث کی کہ کبھی ہوتی ہے حدیث میں باوصف صحت سند کے جو منع کرے اُس کی صحت کو پس وہ حدیث ضعیف ہے۔

اور خود قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء في وصف سبع ارضين (جلد ہ صفحہ ۲۰۲) میں بعد نقل قول بیہقی کے (اسناده صحيح لكنه شاذ بالمعنى) لکھا ہے۔

ففيه انه لايلزم من صحة الاسناد صحة المتن كما هو معروف عند اهل هذا الشان فقد يصح الاسناد ويكون في المتن شذوذا او علة يقدح في صحته	پس اس میں یہ ہے کہ نہیں لازم آتا صحت اسناد سے صحت متن کی جیسا کہ مشہور ہے اس فن والوں میں کہ کبھی صحیح ہوتی ہے سند اور ہوتا ہے متن میں شذوذ اور سبب جو نقص ڈالتا ہے اسکی صحت میں۔

اور علامہ ابن جوزی نے رسالہ موضوعات میں لکھا ہے۔

وقد يكون الاسناد كلها ثقات ويكون الحديث موضوعا او مقلوبا۔	کبھی ہوتے ہیں راوی سب ثقہ اور معتمد اور ہوتی ہے حدیث موضوع یا مقلوب۔

(۵) اگر ہم قبول کرلیں کہ یہ روایت اصل میں مرفوع ہی تھی اور اسکو موقوف روایت کرنے کا الزام محمد بن سیرین ہی پر لگایا جاوے کہ وہ ابو ہریرہ رضي الله عنه کی اکثر روایتوں کو تخفیفاً وقف ہی روایت کیا کرتے تھے (قسطلانی جلد ۸ صفحہ ۱۳) تاہم کچھ فائدہ نہوگا کیونکہ یہ روایت مرسل قرار پائے گی کیونکہ ابو ہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہے اور حدیث مرسل اس وجہ سے کہ اُس کا راوی مجہول الاسم والحال ہے ضعیف ہوتی ہے (كذا في تدريب الراوي شرح تقريب النواوي

للسیوطی) خصوصاً حضرت ابوہریرہ کا ارسال کرو جو کچھ پاتے تھے روایت کر دیتے تھے محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب اعلام الاخیار میں نقلاً عن الصدر الشہید لکھا ہے[1]؂

واما ابو هريرة كان يروي كلما بلغه وسمع من غير تامل في المعني ۔	ابوہریرہ تھے روایت کرتے تھے جو اُنکو پہونچتا تھا اور جو سنتے تھے بے اسکے کہ تامل کریں معنوں میں ÷

(۶) یہاں تک تو اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں بحث تھی اب ہم اسکی دلالت کو دیکھتے ہیں کہ اس سے اس مشہور قول کی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لونڈی تھیں تائید ہوتی ہے یا نہیں ÷

بخاری کی تینوں روایتوں کے الفاظ (کتاب البیع ۔ انبیا ۔ لنکاح) اور نیز مسلم (فضایل) کی روایت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ہاجرہ کے سریہ یا ملک یمین ہونے کا ادنے شائبہ بھی پایا جاوے کتاب البیع کی روایت (اخدم ولیدۃ) ہے اور ولیدہ اُس لڑکی کو کہتے ہیں جو خدمت کرے اور خادمہ اور لونڈی میں فرق ہے ۔ اور کتاب الانبیاء میں (واخدم ھاجرۃ) ہے یہاں بھی ہاجرہ کا خدمت میں دیا جانا اسکی غلامی ثابت نہیں کرتا بلکہ خادم عام ہے چاہے آزاد ہو یا غلام ۔ ایسا ہی حال کتاب النکاح والی روایت کا ہے (واخدمنی ھاجرۃ) ہاجرہ کا خدمت سارہ میں دیا جانا غلامی نہیں ثابت کرتا اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں (واخدمنی خادما) کسی طرح پر غلامی ثابت نہیں کرتا پس ان الفاظ سے حضرت ہاجرہ کو لونڈی یا باندی سمجھنا محض ایک بے اصل بدگمانی ہے ÷

یہ بھی خیال رہے کہ یہ وہ اصل الفاظ نہیں ہیں جو حضرت سارہ نے فرمائے تھے کیونکہ ان کی زبان عربی نہ تھی اسیلئے روایتوں میں نقل بالمعنی اکثر

---

[1] ھو الامام برھان الائمۃ عمر بن عبد العزیز بن مازۃ المعروف بالحسام الشھید المتوفی قتیلا سنہ ۵۳۶ صاحب شرح اداب القاضی علی مذھب ابی حنیفۃ کذا فی کشف الظنون لحاجی خلیفۃ القسطنطینی ۱۲

ہوتی ہے ٭

(۷) جامعین حدیث نے اس روایت کو اپنے سبق ظن کی وجہ سے ابواب بیع و ہبہ اور اتخاذ سراری میں درج کیا ہے اور یہ کسی طرح پر صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ الفاظ روایت میں تو اس قسم کی کچھ بھی دلالت نہیں ہے پس جامعین نے تبویب احادیث میں ترجمہ اور عنوان باب کی بھرتی کے لیئے یہ روایت ابواب مذکور میں داخل کی گو اس میں کوئی وجہ ایسے ابواب میں جگہ پانے کی نہ تھی پس جامعین نے بیہودہ میں شہرت کی وجہ سے خود دھوکا کھایا اور خلاف مناسبت باب ان روایتوں کے ترتیب دینے سے اوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالا ٭

بخاری نے کتاب البیوع میں اس روایت کو باب شراء المملوک من الحربي وھبتہ وبیعہ میں درج کیا ہے حالانکہ اس روایت میں ہاجرہ کا مملوک ہونا کسی طور سے ثابت نہیں ہوسکتا اور ہاجرہ کو بادشاہ مصر کی مملوک سمجھنا محض ایک اپنے ذہن سے بنائی ہوئی بات ہے اور کتاب النکاح باب اتخاذ سراری میں اس روایت کو نقل کرنا بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس روایت کو ایسے مضمون سے کمال اجنبیت اور قطعاً مغایرت ہے اور بخاری کی جمع و ترتیب میں ایسی بے عنوانیوں کا وقوع اکثر ہے چنانچہ شیخ الاسلام محي الدین نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم فصل میں لکھا ہے۔

بخلاف البخاري فانہ یذکر تلک الوجوہ المختلفۃ في ابواب متفرقۃ متباعدۃ وکثیر منہا یذکرہ في غیر باب الذي یسبق الیہ الفہم انہ اولی بہ ۔

بخاری ذکر کرتا ہے وجوہ مختلف کو ابواب متفرق اور بعید میں اور بہت حدیثیں ذکر کرتا ہے بخاری دوسرے باب میں سوا اُس باب کے جس میں فہم کے موافق اسکا ذکر کرنا بہتر ہے ٭

چونکہ اس باب کے عنوان سے اس روایت کی عدم مطابقت اور نامناسبت خوب ظاہر اور واضح ہے تو اس قباحت اور شناعت کے دفع کرنے کو یہ مضمون بنا لیا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہ مملوک تھیں اور حضرت ابراہیم کی سریہ تھیں یہ خیال فاسد صرف اس بے عنوانی کی توجیہ کے لیئے بنایا گیا ہے چنانچہ قسطلانی نے لکھا ہے ٭

ومطابقة الحديث للترجمة كما قال ابن منير من حيث ان هاجرة كانت مملوكة	مطابقت حدیث کو عنوان باب سے جیسا کہ کہا ابن منیر نے اس وجہ سے ہے کہ ہاجرہ تھی مملوکہ ؛

مگر جب تک خارج سے یہ امر ثابت و تحقق نہو وے کہ ہاجرہ مملوکہ اور سریہ تھیں تب تک نہ ابن منیر کا قول صحیح ہوسکتا ہے اور نہ بخاری کا ترجمہ مناسب - ابن منیر کے اس قول کو جو اُس نے بخاری کی اس روایت کے عنوان باب سے مطابق کرنے کے لیئے افترا کیا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے غیر صحیح قرار دیا ہے - چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے -

ان اراد ان ذلك صريح في الصحيح فليس بصحيح -	اگر ابن منیر نے یہ ارادہ کیا کہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس صحیح نہیں ہے ؛

(۸) مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب (گورکھپور) با ایںہمہ اظہار تبحر و تبحر وغیرہ تتبع و تلاش حضرت ہاجرہ کے سریہ و مملوکہ ثابت کرنے کے سودائے خام میں جبکہ انھیں اَور کچھ مستمسک اور دلیل نہ ملی تو افترا و بہتان و توطیہ و طوفان پر مستعد ہوئے چنانچہ ابن منیر کے اس قول باطل کو (جس کی توجیہ علامہ عسقلانی نے ابھی غیر صحیح قرار دی ہے) علامہ قسطلانی کی طرف منسوب کرکے تائید الاسلام کے صفحہ ۸۶ میں فرماتے ہیں - قسطلانی نے شرح بخاری میں ذیل حدیث بینما ابراهيم مر بجبار ومعه سارة الحديث میں لکھا ہے ان هاجرة كانت مملوكة وقد صح ان ابراهيم اولدها بعد ان ملكها فهي سرية انتهى"

حالانکہ یہ قول ابن منیر کا ہے جو قسطلانی نے مطابقة الحديث للترجمه کی توجیہ میں نقل کیا ہے اور پھر اسے رد بھی کیا ہے - چنانچہ لفظ انتهى کے بعد لکھا ہے -

وقد تعقبه في الفتح فقال ان اراد ذلك صريحا في الصحيح فليس بصحيح -	اور اسکے پیچھے کہا ہے فتح الباری میں اگر ارادہ کیا ابن منیر نے کہ یہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے -

مگر مولوی علی بخش خاں صاحب کی بیجا عصبیت اور ناحق کوشی نے ان کو اس مغالطہ دہی پر مائل کیا کہ اوّل تو ابن منیر کے قول کو قسطلانی کی طرف منسوب کیا اور دوسرے قسطلانی نے جو اسپر فتح الباری سے اعتراض نقل کیا تھا اس کا کچھ تدارک نہ کیا ۔

ابھی جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کی علمی قابلیت اور عربیت کی داد دینی باقی ہے کیونکہ جناب مولوی صاحب موصوف نے اس عربی عبارت کا ترجمہ حاشیہ پر اس طرح کیا ہے "یعنی بلاشبہ ہاجرہ لونڈی تھیں اور یہ بات صحیح ہے کہ ابراہیم جب اُس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں تو لونڈی ہیں ۱۲" اب یہ وہ مقام ہے کہ انسان ہنسی کے مارے لوٹ جاوے اور ان کے اس ترجمہ پر عش عش کرے کہاں وہ عبارت کہ ان ابراھیم لولدھا بعد ان ملکھا - یعنی ابراہیم کے بچّہ پیدا ہوا ہاجرہ سے جب وے مالک ہو چکے تھے اُس کے - اور کہاں یہ ترجمہ کہ حضرت ابراہیم جب اس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں - سبحان اللہ مترجم صاحب کو علاوہ کشف و کرامات کے تاریخ دانی میں بھی دخل ہے ۔

(۹) حضرت ہاجرہ کی سرگزشت کتب تواریخ سے اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں اس نے ان کو حضرت سارہ کی خدمت میں دیا تھا اور پھر ایک زمانہ بعد حضرت ابراہیم نے بمشورہ حضرت سارہ کے ہاجرہ سے نکاح کیا جب اُن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ و ہاجرہ کی آپس کی رنجش کے باعث سے حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو ارض فاران میں جو ملک حجاز ہے مقیم کیا ۔

کتاب برشیث ربّاہ (۱۵) میں جو یہود کی مذہبی کتاب ہے لکھا ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری (جلد ۴ صفحہ ۸۲) میں لکھا ہے ۔

وکان ابو اجرہ من ملوک القبط من حفن (بفتح الحاء المھملۃ وسکون القاف) قریۃ بمصر ۔	تھا باپ ہاجرہ کا بادشاہان قبط سے حفن میں جو قریہ ہے مصر میں ۔

اور پھر (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ میں) لکھا ہے :-

وکان ابوھاجرہ من ملوک القبط ۔ تھا باپ ہاجرہ کا ملوک قبط سے ۔

ایسا ہی تاریخ طبری اور تاریخ خمیس سے معلوم ہوتا ہے ۔

مگر ان مورخوں نے اسی سبق ظن یعنی مملوکیت اور رقیت کے خیال پر یہ لکھا ہے کہ ہاجرہ قبل ذالك الملك یا قبل الرق بادشاہ قبط کی بیٹی تھیں - مگر اس تقریر کی رکاکت قابل لحاظ ہے - اس کے کیا معنی کہ اس سے پہلے وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں - کیا مملوکیت سے اُن کا بادشاہ کی بیٹی ہونا باطل ہو گیا تھا !!! توریت کے صفحہ اول باب ١٦ پسوق ٣ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی تھیں اور وُہی لفظ ہاجرہ کی نسبت لکھا ہے جو سارہ کی نسبت ہے یعنی לאשה ایشا - جورو - پس وہ جو ہمارے ہاں کی بعض رواۃ و مورخین نے ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی سرّیہ لکھا ہے وہ ان سے تساہل و تسامح ہوا ہے انھوں نے اپنے مُلک کی رسم و عادات پر قیاس کر لیا ہے ایسی ہی سند ابی یعلی کی وہ روایت فاستوهبها ابراهيم من سارة فوهبها له الخ خلاف نص توراۃ کے ہے کیونکہ اسی باب ١٦ میں صاف لکھا ہے کہ خود سارہ نے ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ وہ ہاجرہ کو لیلیں اور خود سارہ نے ہاجرہ کو ابراہیم کی زوجیت میں دیا ؛

(١٠) اس بحث کے آخر میں بعض روایات مذہب امامیہ کا ذکر بھی ہونا ضرور ہے - علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی پانچویں جلد کتاب النبوۃ (ورق ٥٩ نسخہ قلمی ...) میں کافی کی روایت نقل کی ہے -

كافي علي عن ابيه وعدة من اصحابنا عن سهل جميعا عن ابن محبوب عن ابراهيم ابن ابي زياد الكرخي قال سمعت اباعبدالله * * * قال له احب ان تاذن لي ان اخدمها قبطية عندي جميلة عاقلة يكون لها خادما قال فاذن له ابراهيم فدعي بها ووهبها لسارة وهي هاجرة ام اسمعيل * * ثم ان ابراهيم لما ابطاء عليه الولد قال لسارة لو شئت لبعتني هاجرة لعل الله ان يرزقنا منها ولدا فيكون لنا

روایت کی علی نے اپنے باپ سے اور چند ایک نے ہمارے اصحاب سے سہل سے ان سب نے محبوب سے اُس نے ابراہیم سے اُس نے ابن ابی زیاد کرخی سے کہا سُنا میں نے ابو عبداللہ سے * * * کہا دوست رکھتا ہوں میں یہ کہ اذن دے تو مجھکو کہ خدمت کو دوں قبطیہ جو میرے پاس ہے خوبصورت دانا ہوگی خدمت کرنے والی کہا پس اذن دیا ابراہیم نے پس بلایا قبطیہ کو اور دیا اُسکو سارہ کو اور یہ ہے ہاجرہ ماں اسمٰعیل کی

خلفلفا تباع ابراھیم ھاجرہ من سارہ الخ	پھر جب مدت تک نہ ہوئی ابراہیم کے کچھ اولاد کہا سارہ کو اگر چاہے تو بیچ دے تو مجھکو ہاجرہ شاید

اللہ دے مجھ کو اُس سے بچہ پس ہو ہمارے لیئے پیچھے رہنے والا پس مول لیا ابراہیم نے ہاجرہ کو سارہ سے ٭

اس آخری فقرہ کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو سارہ سے خرید لیا ٭

۱۱۔ یہ روایت کئی وجہ سے غیر مسلم ہے (۱) یہ خبر واحد اور غیر قطعی الصدور ہے پس اس سے ہاجرہ کے سریّہ ہونے کا علم حاصل نہیں ہو سکتا (۲) اس کے راویوں میں ایک راوی سہل بن زیاد ہے اور شخص ضعیف متہم اور غیر معتمد ہے یا لا اقل یہ کہ ضعیف فی الحدیث ہے فہرست طوسی میں ہے۔

سهيل بن زياد الادمي الرازي يكنى اباسعيد ضعيف وكان ضعيفا في الحديث غير معتمد فيه وكان احمد بن محمد عيسى يشهد عليه بالغلو والكذب و اخرجه من القم الى الرے) ص ۱۲۴	سہیل بن زیاد آدمی رے کا رہنے والا جس کی کنیت ہے ابوسعید ضعیف ہے (تھا ضعیف حدیث میں نہیں اعتماد کیا جاتا تھا اُسپر اور تھا احمد بن محمد عیسٰی گواہی دیتا تھا اسپر غلو اور جھوٹ کی اور نکالا تھا اسکو قم سے طرف رے کے) ایشیاٹک سوسئیٹی کلکتہ ٭

اور غضایری نے اسکو ضعیف اور فاسد الروایت لکھا ہے۔ رجال شیخ ابو علی موسوم بتوضیح المقال فی علم الرجال میں ہے۔

قال غضايري انه كان ضعيفا جدا فاسد الرواية والمذهب وكان احمد بن محمد بن عيسى الاشعري اخرجه عن قم واظهر البراءة عنه ونهي الناس عن السماع عنه والرواية عنه ويروي المراسيل ويعتمد المجاهيل	کہا غضایری نے وہ تھا ضعیف بہت فاسد الروایت اور مذہبا اور تھا احمد بن محمد عیسٰے اشعری نے نکالا اسکو قم سے اور ظاہر کی بے رازی اس سے اور منع کیا آدمیوں کو اُس سے سُننے سے اور اُس سے روایت کرنے سے اور روایت کرتا ہے مرسل کو اور اعتماد کرتا ہے مجہول پر۔

اور کتاب المشترکات میں ہے ابن زیاد المختلف فی توثیقه

(۳)۔ اور دوسرا راوی ابن محبوب یعنی حسن بن محبوب السوار گو ثقہ ہے مگر متہم تھا توضیح المقال میں ہے اصحابنا یتھمون ابن محبوب فی روایتہ عن ابن ابی حمزۃ اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے حال میں لکھا ہے ۔

في كش قال نصير بن صباح احمد بن محمد بن عيسى لا يروي عن ابن محبوب من اجل ان اصحابنا يتهمون ابن محبوب في روايته عن ابي حمزة ثم مات احمد بن محمد فرجع قبل ما مات ۔

کہا نصیر بن صباح نے احمد بن محمد بن عیسیٰ نہیں روایت کرتا ہے ابن محبوب سے اس سبب سے کہ اصحاب ہمارے متہم کرتے ہیں ابن محبوب کو روایت میں ابن حمزہ سے پھر مرگیا احمد بن محمد پس رجوع کیا پہلے مرنے سے ۔

(۴) ایک اور راوی ابراہیم بن ہاشم ابو اسحاق القمی اسکی عدالت تنصیص نہیں ہوئی گو اسکے مثنی علی بن ابراہیم اور ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے عموماً اسکی روایتوں پر اعتماد کیا ہے شیخ ابو علی نے توضیح المقال میں لکھا ہے ۔

ابراهيم بن هاشم ابو اسحاق القمي اصله الكوفي زاد في صه وهو تلميذ يونس بن عبد الرحمن ولم اقف لاحد من اصحابنا على قول في القدح فيه ولا على تعديله بالتنصيص والروايات عنه كثيرة والارجح قبول قوله ۔

وہ شاگرد ہے یونس بن عبد الرحمٰن کا نہیں واقف ہوں میں اپنے اصحاب میں سے کسی کے قول پر بیچ قدح ابراہیم کے اور نہ اس کی تعدیل میں ساتھ تصریح کے اور روایات اس سے بہت ہیں اور راجح یہ ہے کہ اسکا قول مقبول ہے ۔

(۵) یہ روایت خلاف تصریح صفحہ اول تورات کے ہے چنانچہ علامہ مجلسی نے سید بن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے تورات مترجم کی عبارت اس قصہ کے متعلق اس طرح نقل کی ہے ۔

ان سارة امراة ابراهيم لم تكن يولد لها ولد وكانت لها امة اسمها هاجرة فقال سارة لابراهيم ان الله قد حرمني الولد

سارہ بیوی ابراہیم کے نہیں ہوتی تھی اُس کے اولاد اور تھی اُس کی لونڈی جس کا نام تھا ہاجرہ پس کہا سارہ نے

فادخل علی امتی واین بها العلی اتخری یولد منها فسمع ابراهیم بقول سارة واطاعها فانطلقت سارة امراة ابراهیم بهاجر امتها وذلك بعد ماسکن ابراهیم ارض کنعان عشر سنین فادخلتها علی ابراهیم زوجها ٭ (بحار الانوار جلد ۵)	ابراہیم سے کہ اللہ نے محروم کیا مجھکو بچہ سے پس آ تو میری لونڈی پر اور زفاف کر اس سے شاید میں نسبت کیجاؤں اس سے ساتھ بیٹے کے پس سُنا ابراہیم نے قول سارہ کو اور مانا اُس کا کہنا پس لائی سارہ بیوی ابراہیم علیہ السلام کی ہاجرہ اپنی باندی کو اور یہ جبکہ ٹھہرے تھے ابراہیم زمین کنعان میں

دس برس پس داخل کیا ہاجرہ کو ابراہیم اپنے زوج کے پاس ٭

اس میں کہیں خرید فروخت کا ذکر نہیں ہے ٭

۱۲- یہ امر بھی ضرور قابل بیان ہے کہ جسقدر عبارات ترجمہ توریت سے سید ابن طاؤس سے نقل ہوئی ہے اسکی اصل میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لفظ שפחה (شفحہ) آیاہے اور یہ عبارت توریت عبری کے صحیفہ بریشیث پراشہ ۱۶ میں واقع ہے (پسوق ۱-۳) اور گزینیس کے عبرانی لغت میں شفحہ کے معنی لکھے ہیں کہ جو شخص خاندان میں سے ہو اور اسی سبب سے خادم کو بھی شفحہ کہتے ہیں مگر اس کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ توراۃ کے عربی مترجموں نے یہ غلطی کی ہے کہ اسکو بلفظ امتہ ترجمہ کرتے ہیں ٭

۱۳- مولوی محمد علی صاحب بچھرانوی کو اس امر پر اصرار ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں چنانچہ پرچہ نور الآفاق مطبوعہ ۷ نومبر ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۸۱ میں فرماتے ہیں "توریت موجودہ میں کئی جگہ ہاجرہ کو بلفظ جاریہ سارہ کے لکھاہے اور اِک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بخشدیا سارہ نے ہاجرہ اپنی جاریہ کو ابراہیم کو۔ انتہیٰ" مگر یہ استدلال ان کا بالکل غلط فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ لفظ جاریہ کسی طرح مملوکہ یا سریہ کے معنوں میں نہیں ہے ٭

فاضل محمد طاہر نے مجمع بحار الانوار میں بذیل لغت جری لکھا ہے ط الجاریة من النساء من لم یبلغ الحلم یعنی جاریہ وہ لڑکی ہے جو جوان نہوئی ہو۔ اور قاموس میں ہے (باب الیاء) الجاریة الشمس والسفینة والنعمة من الله وفتیة النساء یعنی جاریہ آفتاب اور کشتی اور نعمت خدا اور لڑکی ہے۔ اور شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھاہے (جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) واما استعمال الجارية فی الحرة لصغيرة فمشهور معروف فی الجاهلية

ولاسلام یعنی برتنا جاریہ کا آزاد چھوٹی لڑکی میں پر مشہور ہے جاہلیت میں اور اسلام میں ÷
اور بخشدینا اصل توراۃ میں نہیں ہے بلکہ پورا فقرہ یہ ہے -

ותתן אתם לאברם אשה לו לאשה

یعنی اُسکی بیوی نے اُسے ابراہیم کو دیا کہ اُس کی بیوی ہووے
اسمیں تزویج کی تصریح ہے مگر مولوی محمد علی صاحب لفی شک منہ مریب ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ابراہیم نے بطور تسری اُن کو اپنے فراش میں رکھا یا آزاد کرکے نکاح کیا - (ایضاً ص ۱۸۲)
مگر تسری کا گمان محض ایک سوءظن ہے اور آزاد کرکے نکاح کرنے کا گمان محض بنا ر فاسد بر فاسد ہے ÷

۱۴- خلاصہ یہ کہ کوئی حدیث صحیح و ثابت ایسی نہیں ہے جس میں ہاجرہ کو لونڈی کہا ہو - جہلاء و متعصبین یہود نے جو مشہور کر دیا تھا مسلمانوں نے اُسکو بلا تحقیق قبول کر رکھا ہے اور اسی گمان سے بعض روایتوں کو بھی خلاف محل حمل کیا ہے - پس یہی حقیقت ہے جو ہمنے لکھی والحق احق بالاتباع ÷

تصویر

عموماً مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تصویریں بنانا بشدت منع اور مطلقاً حرام ہے حتی کہ مخالفین اسلام کو بھی یہ معلوم ہے - ہمکو اس میں ضرور دیکھنا چاہیے کہ آیا ایسے خیال کی کچھ اصل اور سند ہے یا نہیں ۔

ہر چند کہ قرآن مجید کا موضوع کلام اور مقصود اصلی نہایت اشرف ' اور اعلے مضامین ' اور ذکر مسائل الٰہیات ' اور بیان منظر فطرت ' اور مظاہر قدرت ' اور اُس کا منشار اصلی ' نشر مطالب شریعہ و مکارم اخلاق ' و مواعظ حسنہ ہے - مگر کلام الٰہی تو ینبوع کل حکمت ہے ' اور بے شک ہمارے اقوال اور افعال اُسی کی طرف مفتقر ہیں - اور ہمکو سب کاموں میں اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے ؛ چنانچہ اس بحث خاص میں اس آیت قرآن سے ' جو بضمن قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارد ہے " ویعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل ' (سبا ۲۲ ج) بہت سی باتیں صاحب ذہن سلیم و مذاق صحیح ادراک کر سکتا ہے ÷

اوّل - اس کی دلالت ظاہری اور لغوی اس بات پر ہے : کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تماثیل اور تصاویر بنواتے تھے ؛ خواہ تمثال و تصویر کو مرادف لفظ سمجھیئے یا تصویر کو داخل تمثال سمجھیئے ؛ بہرصورت اس فعل کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسکی ممانعت کی کوئی خبر ایسے قطعی طریق اور اس مرتبہ کے ثبوت میں نہو جیسے اس کا جواز ہے کسی طرح کا شک نہیں باقی رہتا ، اور یہ کچھ اس قسم کا ثبوت نہیں ہے کہ جیسے اکثر مسائل فقہیہ ظنیہ عدم ذکر یا عدم ورود نہی سے جایز مانے جاتے ہیں . بلکہ بعلم قطعی اور بدلالۃ النص ثابت ہے ٭

دوسرے - اسی آیت سے وہ ایک شبہ بھی باطل ہوتا ہے - کہ تصویروں کے بنانے میں تشبہ بحضرت الباری، تعالیٰ عن التشبہ، پایا جاتا ہے ؛ کیونکہ اگر کیفیت مضاہات لخلق اللہ، اس میں پائی جاتی تو یہ فعل حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول نہوتا ٭

کچھ بعید نہیں کہ مانعین تصویر اس میں یہ احتمال نکالیں، کہ تمثال سلیمانی غیر جاندار چیزوں یعنی درختوں اور پھولوں کی ہونگی ؛ مگر اس طرح سے بھی وہ قول مشہور اور مسئلہ مقبول : کہ تصویریں بنانے کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مضاہات لخلق اللہ ہے [۱] باطل ہوتا ہے ؛ کیونکہ تصویر ذی روح اور غیر ذی روح یعنی حیوانات اور نباتات کی تصویروں میں، صرف حیوانیت کا فرق ہے ' الا صورت جسمیہ و نوعیہ و اقطار ثلاثہ میں نمو کرنا دونوں میں مشترک ہے ' اور جو صنعتیں کہ جناب باری نے اشجار و نباتات میں رکھی ہیں ' وہ اقسام حیوانات کی صنعتوں سے کم نہیں ہیں ' پس ایسی صورتوں میں اگر حیوانات کی تصویروں میں تشبہ عبد بحضرت معبود پایا جاتا ہے ' تو اشجار و نباتات کی تصویروں میں بھی پایا جائیگا ٭

تیسرے - ایک اور مغالطہ عام اور عقیدہ باطل : کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے ' یا ملائک رحمت نہیں نازل ہوتے ' یا حضرت جبرائیل نہیں داخل ہوتے ' قطعاً باطل ہوگیا ؛ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایوان رفیع المکان میں اکثر ملائکہ عموماً اور خصوصاً آتے جاتے تھے ' اور یہ تصویریں بھی جو اس اہتمام اور حفاظت الٰہی میں [۲] بنتی تھیں بیکار اور رائگان جاتی ہونگی

---

[۱] دیکھو امام نووی کی عبارت شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ -

[۲] دیکھو سورہ انبیا ۸۲ع " وکنا لہم حافظین " ٭

بلکہ اُن کے دیوان عالی شان میں لگائی اور سجائی جاتی ہونگی +

چوتھے - دلیل قطعی سے ان تماثیل سلیمانی میں تمثال خدائے تعالیٰ، الذی لیس کمثلہ شئی، اور فرشتوں کی صورتوں میں اور خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کی فرضی تصویریں داخل نہیں ہوسکتیں، اور ایسی تصویریں خواہ وہ پتھر کی ترشی ہوئی، یا کھودی ہوئی ہوں، یا کاغذ پر کھینچی ہوئی ہوں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں +

پانچویں - اصنام اور اوثان بنانا: یعنی اُن معبودان باطل کی تصویریں، جو خدا کے ماسوا پوجے جاتے ہیں، اور تماثیل قبیحہ وتصاویر فاحشہ جو خلاف تہذیب وشایستگی وشرم وحیا کے ہوں وہ بھی اُن سے خارج ہیں +

چھٹے - وہ تصاویر حسنہ اور تماثیل صالحہ جو حضرت سلیمانؑ کے حکم سے اور اُنھیں کے لیئے بنتی تھیں - انبیاء کرام اور بزرگان دین، اور سلاطین ماضیہ، اور معارک جنگ، اور مُدبران فوج وغیرہ عمایدومشاہیر اور نیز وحوش وطیور، اور دیگر مظاہر قدرت اور مناظر فطرت، کی تصویریں ہونگی، جن سے متعدد فائدے اور مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں +

بیشک انبیائے بنی اسرائیل کی وضع عبادت، اور امامت اُمت، اور طریق ہدایت، اور امم اسرائیلیہ کے بعض احوال اور واقعات کی تصویریں، ارباب بصیرت کو باعث حصول عبرت ہوتی ہیں +

ہم دوسری تحریر میں ان حدیثوں اور روایتوں کی تحقیق اور تفتیش کرینگے جنکو بعض متوعین اسلام اور مقلدین فقہا ممانعت عمل تصویر میں قطعی اور سندی سمجھتے ہیں +

یورپ اور قرآن

زحافظان جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد
لطایف حکما با کتاب قرآنی (حافظ)

۱ - مندرجہ ذیل فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک

ممالک جرمن و فرنچ ۔ روم کبیر اور انگلستان میں ہر طبقہ کے عالموں نے قرآن مجید کے ترجمے اور اس سے اقتباس نور یا احقاق حق میں ہمیشہ اہتمام اور کوشش بلیغ کی ہے +

(۱) رابرٹ روٹن این سس	... لاطن	... سنہ ۱۱۴۳	Robertus Retenensis.
(۲) انڈریا اراوابینی	... اطالیہ		Andria Arravabene.
(۳) جھاناس انڈریاس [۱]	... اروگونین	... سنہ ۱۵۰۰	Johannes Andreas.
(۴) انڈریو ڈورائیر	... فرنچ	... سنہ ۱۶۰۰	Andrew du Ryer.
(۵) الگزنڈر راس [۲]	... انگریزی		Alexander Ross.
(۶) لیوس مراکشی	... لاطن	... سنہ ۱۶۹۸	Lewis Maracci.
(۷) جارج سیل	... انگریزی	... سنہ ۱۷۳۴	George Sale.
(۸) سیواری	... فرنچ	... سنہ ۱۷۸۳	Savary.
(۹) میگرلن	... جرمن	... سنہ ۱۷۷۲	Megerlin.
(۱۰) واہل	... ایضاً	... سنہ ۱۸۲۸	Wahl.
(۱۱) گارسن ڈی ٹاسی	... فرنچ	... سنہ ۱۸۲۹	Garcin de Tacy.
(۱۲) کاسمرسکی	... ایضاً	... سنہ ۱۸۴۰	Kasimirski.
(۱۳) المان	... جرمن	... سنہ ۱۸۴۰	Ullmann.
(۱۴) راڈویل	... انگریزی	... سنہ ۱۸۶۲	J. M. Rodwell M. A.

۲ ۔ ممالک یوروپ کے مطبوعہ نسخے قرآن مجید کے یہ ہیں :۔

(۱) اسکندر پگنینی [۳]	... مقام وینس	... سنہ ۱۵۱۵	Alexander Paganini.
(۲) ابراہام ہنکلمین	... ہمبرگ	... سنہ ۱۶۹۴	Abraham Hinckleman.
(۳) فلیوگل	... لیپسہ	... سنہ ۱۸۳۴	Flugel.

[۱] یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہہ تھا پھر سنہ ۱۴۸۷ء میں شہر ولینشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہوگیا اس نے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا تھا +

[۲] الگزنڈر راس نے اسکو ڈورائیر کے ترجمہ سے ترجمہ کیا تھا +

[۳] نیخہ پوپ کے حکم سے جلا دیا گیا اور اب اس چھاپے کی ایک نقل بھی کسی کتب خانہ میں نہیں ہے +

اور فلوجل کی تخریج الآیات جرمن میں ۱۸۴۲ء میں چھپی اصفی الحال مسٹر پیڈالس کی تصنیف میں سے کتاب سلک البیان فی مناقب القرآن لندن میں چھپی۔ اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ لغات قرآن ایک جا جمع کیے گئے ہیں ؛

۳ - جرمن اور فرنچ یا اطالیہ اور انگلستان میں مسلمانوں کی طرف سے واعظ اور وفود (مشنری) اور معلم کبھی نہیں بھیجے گئے کہ انھوں نے ان ملکوں میں برسوں قرآن کا وعظ کیا ہو اور اس کے محاسن اخلاق اور معرفت اور حقیقت کی باتوں کو مشہور کیا ہو بلکہ قرآن نے خود ہی اپنی الٰہی تاثیر سے ان ملکوں میں جہاں سب اسکے منکر یا اس سے ناواقف تھے اپنی تجلی کی۔ اور اپنے مضامین حقیقت آگین اور زبان معجز بیان سے وہاں کے اہل دل اور قلب سلیم والوں میں ایک تحریک پیدا کی اور ان لوگوں نے اس سے اقتباس کرکے اپنے خیالات کو بھی منوّر کیا اور نیز علم معانی وبیان کی نظر سے اسکو اپنا مقتدا ٹھہرایا ؛

کیا جرمن کے مصلحان دین عیسوی خصوصاً لوتھر مقدّس پر قفل نہیں مچا کہ یہ لوگ در پردہ اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں ؟ کیا اسلام (یا قرآن) اور لوتھر کے اصول بُت شکنی کو شیخ المشایخ مراکشی نے باہم مطابق نہیں تبلایا ؟ کیا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ نے لوتھر کے دل پر کچھ اثر نہیں کیا ؟

۴ - اسقدر فرصت اور سامان تو مہیا نہیں کہ ان سب ترجموں کے حسن و قبح کا حال لکھا جائے مگر کسیقدر چند ترجموں پر نظر ضرور ہے ؛

دولت فرنچ کی طرف سے اندرو ڈورائیر سلطنت مصر میں قونسلوس تھا چونکہ عربی و ترکی سے ماہر تھا اس نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ گو یہ ترجمہ روٹن ان سس کے لاطن ترجمہ سے بہت افضل اور فایق تھا مگر پھر بھی غلطیوں سے محفوظ نہ تھا۔ مسٹر سیل کہتے ہیں کہ اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں اور اکثر تبدل و حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں کہ اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں ؛

there being mistakes in every pag, besides frequent transpositions, omissions, and additions, faults unpardonable in work of this nature."—G. Sale.

سیواری جو ایک اَور فرانسیسی مترجم قرآن ہے اِس ترجمہ کی نسبت کہتا ہے کہ " اگر قرآن جو تمام مشرقی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیال کے مجد و اجلال میں اعلےٰ مرتبہ پر ہے ڈو رائیر کے ترجمہ میں ایک نثر غیر منتظم و بے رونق جس کے پڑھنے سے طبیعت کو ماندگی آوے معلوم ہو تو یہ الزام اس طرز پر ہے کہ جس طور سے اس کو ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب (قرآن) زبور داؤد کی مانند جُدا جُدا آیتوں میں ہے۔ یہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان ہو سکیں ڈو رائیر نے بلا لحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا اور اُن کو اک بیان مسلسل کر دیا اور اس معیبت کے رفع کرنے کو بارد تفسیریں اور ہیچکارہ عبارتیں بیچ میں ملا دیں جس سے اس (قرآن) کے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہو گئی۔ اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں فرد اور وحید ہے"۔ انتہی۔

"If" says Savary, "the Koran, which is extolled throughout the east for the perfection of its style, and the magnificence of its imager, seems, under the pen of Du Ryer, to be only a dull and tiresome rhapsody, the blame must be laid on his mannar of translating. This book is divided into verses, like the Psalms of David. This kind of writing, which was adopted by the prophets, enables prose to make use of the bold terms and the figurative expressions of poetry. Du Ryer, paying no respect whatever to the text, has connected the verses together, and made of them a continuous discourse To accomplish this mishappen assemblage, he has had recourse to frigid conjunctions and to trivial phrases, which, destroying the dignity of the ideas, and the charm of the diction, render it impossible to recognize the original. While reading his translation, no one could ever imagine that the Koran is the masterpiece of the Arabic language, which is fertile in fine writers; yet this is the judgment which antiquity has passed over it."*

* Sale's translation of the Koran, page 7, note.

۵ - ایک اور بہت مشہور ترجمہ قرآن شریف کا لاطینی زبان میں فادر مراکشی نے لکھا اور
حامل المتن مع حاشیہ سنہ ۱۶۹۸ء میں چھپا اس ترجمہ کی نسبت فاضل سیواری کی یہ رائے ہے کہ
"اس فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف کیئے صحیح طریقہ کا
برتاؤ کیا یعنی اس نے متن کے موافق اس کی آیتوں کی تقسیم کی مگر اس نے ترجمہ لفظی کر ڈالا۔
اس نے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا بلکہ اسکو لاطینی وحشی زبان میں پریشان کر دیا ہے
اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں اس ترجمہ سے جاتی رہیں تاہم اس ترجمہ کو ڈو رائیر کے ترجمہ
پر ترجیح ہے" انتہیٰ +

"Of Maracci's translations Savary says: Maracci that learned monk, who spent forty years in translating and refuting the Koran, proceeded on the right system. He divided it into verses according to the text; but, neglecting the precept of a great master.

'Nec verbum verbo carabis reddere, fidus Interpres,' &c.

The translated it literally. He has not expressed the deas of the Koran, but travestied the words of it into barbarous Latin. Yet, though all the beauties of the original are lost in this translation, it is preferable to that of Du Ryre."

۶ - ایک سا رہبی مسلمانوں کی تردید میں اس ترجمہ کے ہمراہ چھپا تھا۔ ایسی طرز استدلال کی نسبت مسٹر
جارج سیل لکھتے ہیں کہ "جو حاشیے اس نے لگائے وہ تو بڑے فائدے کے ہیں مگر اسکی تردید جسکی وجہ سے کتاب
کی ضخامت بہت بڑھ گئی وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں کیونکہ اکثر غیر کافی اور گاہ گاہ گستاخ ہے" +

"The notes he had added are indeed of great use; but his refutations, which swell the work to a large volume, ar of little or none at all, being often unsatisfactory, and sometimes impertinent."—G. Sale.

Sale's translation of the Koran, page 8, note.

۷ - سنہ ۱۷۳۴ء میں جارج سیل صاحب کا انگریزی ترجمۂ قرآن مترجم کی زندگی میں چھپا یہ ترجمہ سب اگلے ترجموں سے زیادہ ترصیح اور صاف ہوا اور اسوقت سے تمام اہل تحقیق اور اہل علم میں معتبر اور مشہور ہے مگر اس میں جو نقص رہ گیا وہ یہ ہے کہ مترجم نے آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل کر دیا - اور یہ ایک بہت بڑا نقص تھا جس کی اہل علم میں بڑی شکایت تھی اور ناواقفوں کو طعنہ کی گنجایش - ایک امر کی اور بھی شکایت ریورینڈ راڈویل نے کی ہے کہ سیل نے ترجمۂ قرآن میں مراکشی کے تتبع پر تفسیری فقرے بھی متن میں لکھے ہیں - (گو ان کو پوری تمیز کے لیے دوسری قسم کے حروف میں لکھا) اور یہ کہ سیکسن کی زبان کے عوض اکثر الفاظ لاطن زبان کے لکھے ہیں ؞

"Sale his, however followed Maracci too closely, especially by introducing his paraphrastic comments into the body of the text, as well as by his constant use of Latinized instead of Saxon words."

Revd J M. Rodwell's translation of the Koran.

page XXV

۸ - ان ترجموں کے بعد ریورینڈ راڈویل (جو دار العلم کیمبرج سے مخاطب بخطاب فضل العلماء ہیں) کا نیا ترجمہ انگریزی سنہ ۱۸۶۱ء میں مشتہر ہوا - اس ترجمہ میں دو باتیں نئی اور لائق تعریف ہیں ایک تو یہ کہ ہر ایک آیت کا ترجمہ بالکل علیحدہ علیحدہ کیا ہے اور ایک ایک عشر پر ہندسۂ شمار بھی قائم کیا ہے دوسرے یہ کہ سورتوں کی ترتیب مصحف متعارف کی طرز پر نہیں رکھی بلکہ جسقدر تاریخ کے اعتبار پر بلحاظ ترتیب نزول جہاں تک معلوم ہو سکا مرتب کیا ؞

۹ - سورتوں کی یہ ترتیب بہت قدیم ہے اور غالباً صرف حجم اور ضخامت کے اعتبار پر ہے مثلاً پہلی سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتیں) پھر مثون (یعنی سو سو آیت تک کی سورتیں) پھر مثانی (جن میں سَو سَو آیتوں سے زیادہ ہیں) پھر مفصل (باقی کی چھوٹی چھوٹی سورتیں) مگر اس ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ہے مصحف حضرت علی اور ابن مسعود و اُبَیّ کی جُدا جُدا ترتیبیں تھیں ؞

قال الباقلانی " ان ترتیب السور لا یجب فی الکتابة ولا فی الصلوٰة ولا فی الدرس والتلقین وانه لم یکن نص ولا حد یحرم مخالفته ولذا اختلف بترتیب المصحف

قبل عثمانؓ" مجمع بحار الانوار۔ تکملہ (ج) ص ۳۳ ۔

سورتوں کے سیاق اور ترتیب میں غالباً اہل یورپ نے مسلمانوں کی نسبت زیادہ دقیق نظر کی اور باریکیاں نکالیں اور جودت وذہانت دکھلائی وہ کہتے ہیں کہ اس کی عبارت کہیں تو مجمل دلیر اعلےٰ و افضل جلال سے بھری ہوئی تیز آسان اور باہم متشابہ ہے اور کہیں مفصل کثیر الفقرات مغلق ملایم اور منشور ہے اور انہیں مختلف[1] کیفیتوں پر یورپین اہل تحقیق نے جہاں کہ روایتوں سے تاریخ نزول نہیں ملی ترتیب کی بنا رکھی ہے۔ دیکھو چمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ ۔

The style varies considerably, sometimes concise and bold, sublime and majestic, impassionate, fluent and harmonil-ous, obscure, tame and prosy, and on this difference modern investigators have endeavoured to form a chronologica arrangement of the Koran, wherein other dates fail." Chamber's Encycl. Vol. V.

ایک اور محقق عمانوئیل ڈوئش (اسرائیلی) کہتا ہے کہ عموماً تین تقسیمیں اصل میں ہو سکتی ہیں ایک ابتدا اُسکے زمانہ کے مجاہدات جس کی علامتیں کلام شعر گوئی میں طبیعت کی روانی اور نیچر کے محاسن کا

[1] قال الخطابي والتحقيق ان اجناس الكلام مختلفة ومراتبها في درجات البيان متفاوتة فمنها البليغ الرصين الجزل ومنها الفصيح القريب السهل ومنها الجائز الطلق الرسل وهذه اقسام الكلام الفاضل المحمود فالاول اعلاها والثاني اوسطها والثالث ادناها واقربها فحازت بلاغات القرآن من كل قسم هذه الاقسام حصة واخذت من كل نوع شعبة فانتظم لها بانتظام هذه الاوصاف نمط من الكلام يجمع صفتي الفخامة والعذوبة وهما على الانفراد في نعوتهما كالمتضادين لان العذوبة نتاج السهولة والجزالة والمقالة يعالجان نوعا من الزعورة فكان اجتماع الامرين في نظمه مع نبو كل واحد منهما على الآخر فضيلة خص بها القرآن ليكون آية بينة صلى الله عليه وسلم۔ اتقان نوع ۶۴ ۔

احساس شدت سے بڑی حرارت سے کوہ آتش فشاں کی مانند دفعتاً بھڑک اُٹھنے سے جن کا الفاظ میں منتظم ہونا بھی دشوار ہے پائی جاتی ہے۔ اور زیادہ تر نثر کی عبارت اور نصایح کے احکام بلوغ اور رشد کے زمانہ پر دلالت کرتے ہیں اور اوامر و نواہی اور خطبی اور احکام و نصایح کی تکرار اور کتب سابقہ کی اعانت چھوڑ دینا یہ اشارا کرتے ہیں اقتدار کے حصول کامل اور رسالت کی تکمیل اور تتمیم پر۔ دیکھو رسالہ کوارٹرلے ریویو جلد ۱۲۷ نمبر ی ۲۵۴ - لنڈن ۱۸۶۹ء +

"Broadly speaking, three principal divisions may, with psychological truth, be established; the first, corresponding to the period of early strugles, being marked by the higher poetical flight, by the deeper appreciations of the beauties of nature, in sudden, most passionate, lava-like outbursts, which seem scarcely to articulate themselves into words.

The more prosaic and didactic warns us of the approuch of manhood, while the dogmatising, the sermonising, the reiterations and the abandoning of all Scriptural and Haggadistic help-mates point to the secure possession power, to the consummation and completion of the mission."

THE QUARTERLY REVIEW. VOL. 127 No 254.
LONDON 1869 ART. "Islam."

مگر ان لوگوں کے یہ خیالات محض قیاسی ہیں عبارتوں کا اختلاف ایسے حالات اور حوادث کا نتیجہ نہیں ہے۔ دیکھو چمبرس نے اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے کہ "ان کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ جوانی کا کمال کہولت کا زمانہ اور انحطاط جرأت ایسی چیزیں نہیں ہیں جو ایسے آدمی کی تحریریں جیسے محمد (صلعم) تھے بآسانی دریافت ہو سکیں" ॥

"But none of these attempts can ever be successful, full manhood approaching age, and declining vigour are not things so easily trased in the writings of a man like Mohammed." Chambers. Ibid.

۱۰ – اور بالآخر ان اہل نظر کو اس میں اعتراف کرنا پڑا کہ[1] یہ تبادل یعنی کلام کا ایک حالت سے دوسری حالت کو بدل جانا[1] تیز اور دفعۃً جیسے بجلی کی سی چمک – قرآن کی بڑی سحر بیانیوں میں سے ہے چنانچہ فاضل جرمنی گیٹا کہتا ہے کہ جب کبھی ہم قرآن کو پڑھتے ہیں تو ہمیشہ تازہ معلوم ہوتا ہے اور بتدریج اس کی کشش پائی جاتی ہے – تعجب دلاتا ہے[2] اور بالآخر اپنا فریفتہ کرلیتا ہے[3] دیکھو وہی رسالہ اسی مقام پر +

---

[1] قال بعضهم الفرق بين التخلص والاستطراد – انك فی التخلص تركت ما كنت فيه بالكلية واقبلت على ما تخصلت اليه – وفی الاستطراد تمر بذكر الامر الذي استطردت اليه مرورا كالبرق الخاطف ثم تتركه وتعود الى ما كنت فيه كانك لم تقصده وانما عرض عروضاً – قال وبهذا يظهر ان ما في سورتی الاعراف والشعراء من باب الاستطراد لا التخلص لعوده فی الاعراف الى قصة موسیٰ بقوله و من قوم موسیٰ امة الى اخره – وفی الشعراء الى ذكر الانبياء والامم – ويقرب من حسن التخلص الانتقال من حديث الى اخر تنشيطا للسامع مفصولا بهذا كقوله في سورة ص بعد ذكر الانبياء – هذا ذكر وان للمتقين لحسن مآب فان هذا القرآن نوع من الذكر لما انتهى ذكر الانبياء وهو نوع من التنزيل اراد ان يذكر نوع آخر وهو ذكر الجنة واهلها ثم لما فرغ قال هذا وان للطاغين لشر مآب فذكر النار و اهلها – اتقان نوع ۶۲ ص ۱۴۴ سنہ ۱۲۸۰ +

[2] "انا سمعنا قرآنا عجبا" – سورہ جن +

[3] "وقد قلت في اعجاز القرآن وجها ذهب عنه الناس وهو صنيعه فی القلوب وتاثيره فی النفوس فانك لا تسمع كلاما غير القرآن منظوما ولا منثورا اذا قرع السمع خلص له الى القلب من اللذة والحلاوة في حال ذي الروعة والمهابة في حال اخر ما تخلص منه اليه قال تعالىٰ " لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله وقال الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم" خطابي (على ما نقل عنه في الاتقان ۶۴ ص ۲۵۸)

ومنها الروعة التي تلحق قلوب سامعيه عند سماعهم والهيبة التي تعتريهم

"And it is exactly in these transitions, quick and suden as lightning, that one of the great charms of the book, as it now stands, consists, and well might Goethe say that, 'as often as we appoach it, it always proves repulsive anew, gradually, however, it attracts it astonishes and, in end forces nto admiration'.—

"The Quarterly Review." Ibid.

۱۱- قرآن کی آیتوں کی ترتیب جس پر یہاں ضمناً گفتگو ہو رہی ہے عجیب حسن اور حکمت سے ہے۔ غیر ملکوں میں جو قرآن کے ترجمہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نے اسکو ایک بیان مسلسل کر دیا اس وجہ سے اس کا لطف مناسبت وارتباط آیات جاتا رہا اور ترجمہ کے پڑھنے والوں کو ایک بے مزہ پھیکی اُلجھاؤ کی تقریر معلوم ہوئی ⁕

" Une assenblage" says M. Karimirski in his preface, "informe et incoherent de preceptes moraux, religicux, civils et politiques meled' exhortations, de promesses, et de menances."

مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہرچند کہ قرآن کا نزول مختلف اوقات اور متفرق اسباب پر ایک عرصہ دراز میں ہوا جن کی وجہ سے اکثر ایسی عبارتیں جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئیں مستغنی عن الغیر اور اکثر آیتیں مستقل ہیں اور ایسے فقرات کے باہم انتساق اور ارتباط کی توقع عبث ہے[1] مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵)

عند تلاوته وقد اسلم جماعة عند سماع الآيات منه كما وقع بجبير بن مطعم انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقرء بالمغرب بالطور قال فلما بلغ هذه الآية ام خلقوا من غير شئ ام هم الخالقون الى قوله المصيطرون كاد قلبي ان يطير- قال وذالك اوّل ما وقر الاسلام في قلبي- وقد مات جماعة عند سماع آيات منه (ايضاً ص ۲۶۰) ⁕

[1] " المناسبة علم حسن لكن يشترط في حسن ارتباط الكلام ان يقع في امر متحد مرتبط اوله بآخره فان وقع على اسباب مختلفة لم يقع فيه ارتباط ومن ربط ذلك فهو متكلف بما لا يقدر عليه الا بربط ركيك يصان عن مثله

(اتقان جزء ۲ ص ۱۰۸)

تاہم اکثر آیات کا ربط خفی اور مناسبت معنوی بڑی حکمت کی ہے اور عموماً مفسرین نے اس دشوار گذار راہ اور دقیق مرحلہ میں گُند نہیں کیا[1]۔

۱۲۔ قرآن کی آیات اپنی ذات سے اور نیز واقعات کے لحاظ سے اور اس وقت کی رسم و عادت کی نظر سے جیسا کہ متفرق ہوتی تھیں ویسی ہی اُن کی قرءت تھی اکثر زبانی ہوا کرتی تھی اور سُننے والوں کی جماعت کے آگے قرآن پڑھ کر سُنایا جاتا تھا اور اس وجہ سے بہت کچھ باتیں از قسم ندا و تعجب و سکون و ترتیل یا مد و قصر و استفہام و مبالغہ پڑھنے والے کے حسن ادا پر موقوف رہتی تھیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے الفاظ جن کی کتابت میں ضرورت ہوتی ہے پڑھ سنانے میں حاجت نہیں پڑتی تھی اور اُس کا ایسا ایک مذاق ہوتا تھا کہ سُننے والے اُس پر غش کرتے تھے اور وجد میں آتے تھے[2] اور سنگدل

بقیہ ف نمبر ۱۲

حسن الحدیث فضلاً عن احسنه فان القرآن نزل في نيف وعشرين سنة في احكام مختلفة شرعت لاسباب مختلفة وما كان كذلك لا يتاتى ربط بعضه ببعض"۔ شیخ عزیز الدین بن عبد السلام۔

[1] علم المناسبة علم شريف قل اعتناء المفسرين به لدقته وممن اكثر منه الامام فخر الدين۔ اول من اظهر علم المناسبة الشيخ ابو بكر النيشاپوري وكان عزيز العلم في الشريعة والادب وكان يقول على الكرسي اذا قرئ عليه لم جعلت هذه الآية الى جنب هذه وما الحكمة في جعل هذه السورة الى جنب هذه السورة وكان يزري على علماء بغداد بعدم علمهم بالمناسبة۔ وقال الامام الرازي في سورة البقرة ومن تامل في لطايف نظم هذه السورة وفي بدايع ترتيبها علم ان القرآن كما انه معجز بحسب فصاحة الفاظه وشرف معانيه فهو ايضا بسبب ترتيبه ونظم آياته۔ ولعل الذين قالوا انه معجز بسبب اسلوبه ارادوا ذلك الا اني رأيت المفسرين معرضين عن هذه اللطايف غير متنبهين لهذه الاسرار وليس الامر في هذا الباب الا كما قيل

والنجم تستصغر الابصار صورته
والذنب للطرف لا للنجم في الصغر — اتقان ۶۲

[2] ان الذين اوتوا العلم من قبله اذا يتلى عليهم يخرون للاذقان سجدا۔ (اسری) ويخرون للاذقان يبكون ويزيدهم خشوعا

مخالف اسکی قرءت میں شور و غل کرتے تھے تاکہ اور لوگ اسپر دل نہ لگادیں[1] +
مسٹر راڈویل صاحب دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں -

"And of the Suras it must be remarked that they were intended not for *readers* but for *hearers*—that they were all promulgated by public *recital* —and that much was left, as the imperfect sentences show, to the manner and suggestive action of the reciter."

The Koran translated by the Revd. J. M. Rodwell M. A.

یعنی سب سورتیں پڑھنے والوں سے خطاب نہیں کی گئی تھیں بلکہ سُننے والوں سے خطاب کی گئی تھیں اور سب کی سب جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں اور بہت کچھ (جیسا کہ ناتمام فقروں سے ظاہر ہوتا ہے) پڑھ سنانے والے کے آداب اور طرز ادا پر چھوڑا جاتا تھا + چنانچہ قاری کی اس طرز و انداز اور جتبرن کی رعایت پر قرآن مجید میں بھی اشارہ ہوا ہے +

وقرانا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث - (اسری ۱۲ ع)
یعنی پڑھنے کا وظیفہ کیا ہمنے اُس کو ثابت کرتا کہ تو اُس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے
اور ورتلنہ ترتیلا (فرقان ۳۱) پڑھ سنایا اُسکو ہمنے ٹھہر ٹھہر کر +

اس نکتہ باریک کی رعایت سے ترتیب کی مناسبت اور بہت سی مشکلات کا حل ہونا حاصل ہوتا ہے +

۱۳ - قرآن کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام جناب پیغمبر کے زمانہ حیات میں اس شان اور نگہداشت سے ہوتا تھا کہ ایک جماعت صحابہ کلمات وحی کو لکھتی تھی اور دوسری جماعت اُس کے حفظ کرنے پر متعین اور بہت سے اصحاب حافظ اور جامع ہی تھے چنانچہ تمام قرآن جتنا کہ اب موجود ہے جناب پیغمبر کے زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور خود قرآن میں

[1] وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون - (حم سجدہ)
[2] بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم " عنکبوت ۵ ع

متعدد مقامات پر اس کے مکتوب ہونے پر اشارہ اور تصریح ہوئی ہے اور لکھنے والوں کا بھی ذکر ہوا ہے ؛

(۱) "کلا انہا تذکرہ"

"فمن شاء ذکرہ"

"فی صحف مکرمہ"

"مرفوعۃ مطہرۃ"

"بایدی سفرۃ"

"کرام بررۃ" - (عبس ۱۱-۱۶)

یعنی یہ قرآن اک نصیحت ہے - پھر جو کوئی چاہے اُسکو پڑھے - لکھی ہے ادب کے ورقوں میں - عالی اور پاک - ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو معزز اور نیک ہیں ؛

یہ بہت قدیم سورہ ہے اور غالباً ہجرت حبشہ کے پہلے کی ہے - یہ زمانہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا اسوقت میں کاتبان قرآن کی تعریف اور توثیق ہوئی جس سے قدیم سے اسکی کتابت اور حفاظت کا اہتمام ثابت ہوتا ہے ؛

(۲) "بل ھو قرآن مجید"

"فی لوح محفوظ" (بروج ۲۱ و ۲۲)

یعنی یہ قرآن ہے بڑی شان کا - لکھا ہے تختی میں جسکی نگہبانی ہوتی ہے ؛

لوح کہتے ہیں شانہ کو اور شانہ کی چوڑی ہڈی پر قرآن لکھا جاتا تھا - (لوح - کتف و ہرچہ پہن باشد از استخوان و چوب و تختہ - صراح - وفیہ ایتونی بکتف وبد وات اکتب لکم کتابا وھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس عندھم - مجمع بحار الانوار) جس شخص کو سابق کی کتب مقدسہ کی تحریر اور حفاظت کے سامان پر تھوڑی سی بھی اطلاع ہوگی اور جانتا ہوگا کہ بنی اسرائیل میں کتب مقدسہ کے لکھنے کا کیا دستور تھا اور اُن پر کیا کیا حادثہ پڑے اور اس کو لفظ "محفوظ" سے بعلم یقینی معلوم ہوگا کہ کس بات کی رعایت رکھی گئی ہے ؛

یہ سورہ بھی قدیم مکی سورتوں میں سے ہے ؛

(۳) "وکتاب مسطور"

"فی رق منشور" (طور ۲ و ۳)
یعنی قسم ہے لکھی کتاب کی۔ کشادہ ورق میں۔
سورہ طور بھی مکی سورت ہے جو قبل ہجرت نازل ہوئی۔ رق کہتے ہیں چمڑے کو جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں رق بالفتح پوست آہو کہ بروے نویسند (صراح)۔ رق جلد رقیق یکتب فیہ (قاموس)

قدیم زمانہ میں مصریوں نے کتابت کے واسطے پیپرس کا کاغذ ایجاد کیا۔ اہل مصر اس کاغذ کو جو ایک درخت کے پتوں سے بنایا جاتا تھا پاپو کہتے تھے وہیں سے اہل یونان نے پلیپرس کہنا شروع کیا۔ عبری زبان میں اسے گومی کہتے تھے شاید یہ لفظ قبطی زبان سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ کتاب کی جلد کو گوم کہتے ہیں اور عربی جدید میں اس کا نام بردی ہے۔ پہلے تمام ممالک میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جاتی تھیں مگر جب یومینوس دوسرے بادشاہ مصر نے پیپرس کا غیر ملک کو جانا بند کر دیا تب شہر پرگوس میں (جو ایشیائے کوچک میں بہت آباد اور اب اس کی خرابات کا نام پرگمہ ہے) چمڑے کا کاغذ بننا شروع ہوا اور اسی شہر کے نام سے معروف ہوا۔ چنانچہ اسی پرگموس کو بگاڑ کے انگریزی میں پارچمنٹ کہتے ہیں۔ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر اس چرمی کاغذ کا خوب رواج ہو گیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے اپنے زمانہ میں چمڑے کے کاغذ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ مورخ تو حضرت عیسٰے علیہ السلام سے بھی پانچ سو برس تخمیناً پیشتر ہوا ہے مگر پلینی نے اس کی ایجاد کی تاریخ ۱۹۶ سال قبل سنہ عیسوی قرار دی ہ

اس آیت سے قرآن کا مکتوب ہونا تو ظاہر ہے مگر لفظ رق نے بہت بڑا فائدہ یہ دیا کہ اسکا چمڑے کے ورقوں پر لکھا جانا ثابت ہوا۔ ہمکو خبر ملی ہے کہ انجیل کے نسخے پیپرس کاغذ پر لکھے جاتے تھے اور چونکہ یہ کاغذ بہت سستا تھا اس لیئے بہت ہی بودا اور ناپائدار تھا اور انجیل کے نسخے دست بدست مومنین میں متداول رہنے سے بہت جلد تلف ہو جاتے تھے (دیکھو چمبرس۔ انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل بیبل) اس لیئے قرآن کی زیادہ حفاظت اور صیانت کے لیئے اسکو شروع میں چمڑے کے ورقوں پر لکھتے تھے ہ

اور روایتیں بھی اسی کی تائید میں ہیں کہ پہلے قرآن قطعات ادیم یعنی چمڑے پر لکھا جاتا تھا علامہ ابن حجر کا قول تفسیر اتقان (نوع ۱۸ ص ۸۴ سنہ ۱۲۸۰) میں منقول ہے۔ انما

کان فی الادیم والعسب او لا قیل ان یجمع فی عہد ابوبکر ثم جمع فی الصحف فی عہد ابی بکر کما دلت علیہ اخبار الصحیحہ المترادفہ ؛

(۴) " انہ لقرآن کریم"
"فی کتاب مکنون"
"لا یمسہ الا المطہرون" (واقعہ ۷۶ - ۷۸)

یعنی بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے محفوظ کتاب میں اسکو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں ؛

اس میں قرآن کی تعریف میں وہی کتابت اور حفاظت بیان ہوئی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نسخے بکثرت موجود تھے اور عوام میں منتشر تھے ۔ اور کتاب مکنون کہتے ہیں اشارا اسپر کہ کاتبوں کے وہم اور غلط سے محفوظ ہے ۔ اور جس شخص کو کاتبوں کی بے احتیاطی غفلت اور خودرائی کی اصلاح جو انھوں نے کتب سابقہ کی نقل و کتابت میں کی ہے معلوم ہو اسکو البتہ ان لفاظ کا مکنون اور محفوظ کا بھید اور کاتبوں کی دیانت اور امانت کی توثیق کی وجہ خوب ظاہر و روشن ہوگی ؛

(۵) یہ تو مکہ کی کیفیت تھی اور مدنی آیتوں میں اور بھی زیادہ قرآن کے مکتوب ہونے کا ذکر ہے ؛

"رسول من اللہ یتلوا صحف مطہرۃ"
"فیہا کتب قیمہ" (بینہ ۲ و ۳)

یعنی رسول اللہ کا پڑھتا ہوا پاک نوشتے جن میں سچی کتابیں لکھی ہوئی ہیں ؛

(۶) کئی جگہ قرآن کو کتابت کے لفظ سے یاد کیا ہے ؛

"ذلك الکتاب لا ریب فیہ" (بقرہ)
"کتاب احکمت ایاتہ" (نساء)
"انزل علیك الکتاب" (نوح)

ان کل آیات پر نظر کرنے سے ظاہر ہے کہ مدینہ میں قرآن کے نسخوں کی بہت کثرت سے اشاعت ہوگئی تھی اور آپ سے آپ ہی ایسا ہوا ہوگا کیونکہ جبکہ مکہ میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور ایک جماعت کاتبوں کی مستعد تھی حالانکہ وہ زمانہ اسلام کی مصیبت کا تھا

اور مسلمان بھی کم تھے اور جب کہ مدینہ میں مسلمانوں کو امن ملا اور تعداد بھی بڑھی تو بالضرور کتابت کی کثرت اور دور دور نسخے منتشر ہوئے ہونگے ؛

۱۴- ایک تو اس وجہ سے کہ عرب میں اکثر لوگ اپنی عادت اور طبیعت کی وجہ سے نصیحت کی باتوں اور تاریخی حالات کو شعر اور قصیدوں کو حفظ کرنے کے عادی تھے اور دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن کے عالی مضامین اور عمدہ نصیحتیں اور خدا کی صفات اور مکارم اخلاق اس زمانہ کے کاہنوں اور شاعروں کے خیالات سے نہایت عمدہ اور افضل اور فصاحت و بلاغت میں لاثانی اور بے مثل اور ہمیشہ عجائبات قدرت کا ذکر اس میں پایا جاتا تھا اس جہت سے عرب کے لوگ سکو اور بھی پسند کرتے تھے اور عبارت اور مضمون دونوں کی خوبی پر لوٹ جاتے تھے اور اچنبھے سے سنتے اور توجہ سے کان لگاتے تھے پس یہ باتیں اس کی حفظ اور نگہداشت پر علاوہ اس کے زمانہ کی عادت اور رسم کے اور بھی قوی وجہیں ہوئیں ؛

جناب پیغمبر کی حیات میں تمام جزیرہ عرب میں اسلام مشہور ہوگیا تھا بحر قلزم سے لیکر یمن کے کنارے تک وہاں سے خلیج فارس کے آخر تک اور فرات سے ہوتا ہوا ملک شام کے کنارے کنارے پر بحر قلزم تک تمام ملک اسلام سے معمور تھا اس میں کشمرت سے دیہات اور قصبات آباد تھے اور بحرین یمن نجد و عمان و قبیلہ بنی طے و ربیعہ و قضاعہ و طایف و مکہ و مدینہ وغیرہ شہروں اور بستیوں میں قرآن کی تلاوت اور کتابت بڑی کثرت اور شوق اور احترام اور دینداری سے ہوتی تھی اور ایک ہی متن مصحف سب اطراف میں شایع اور منتشر تھا ؛

" ذکر السید الاجل المرتضے علم الھدی ذو المجد ابو القاسم علي بن الحسين الموسوي — ان القران كان على عهد رسول الله صلعم مجموعاً مولفاً على ما هو عليه الآن واستدل على ذلك بان القران كان يدرس ويحفظ جميعه في ذلك الزمان وانه كان يعرض على النبي ويتلے عليه وان جماعة من الصحابة كعبد الله بن مسعود وابي ابن كعب وغيرهم ختموا القران على النبي صلى الله عليه وسلم عدة ختمات وكل ذلك بادنى تامل يدل على انه كان مجموعاً مرتباً غير منشورة ولا مبثوث " ؛

(تفسير مجمع البيان الطبرسي)

"قال ابو محمد رحمه الله مات رسول الله صلی الله علیه وسلم والاسلام قد انتشر وظهر في جميع جزيرة العرب من منقطع البحر المعروف ببحر القلزم مارا الى سواحل اليمن كلها الى بحر فارس الى منقطعه مارا الى الفرات ثم على منقطعة وصفيه الى منقطع الشام الى بحر القلزم وفي هذه الجزيرة من المدن والقرى ما لا يعلمه الا الله عز وجل كاليمن والبحرين والعمان والنجد وجبل طي بلاد مصر وربيعه وقضاعه والطائف ومكه كلهم قد اسلموا وبنوا المساجد ليس فيها مدينة ولا قرية ولا حلة الاعراب وقد قرئ فيها القرآن في الصلوة وعلمه الصبيان والرجال والنساء وكتب" (كتاب الفصل لابو محمد ابن حزم الاندلسی سے)

شیخ محدث حر عاملی رسالہ تواتر قرآن میں لکھتے ہیں "من تتبع الاخبار في تصفح الآثار من كتب الاحاديث والتواريخ وغير ذلك فانه يعلم قطعا ان القرآن كان في غاية الكثرة نقله من الناقلين اكثر منهم وانه ما زال يزيد وقد تقدم في كلام سيد المرتضى انه كان مجموعا مولفا على عهد رسول الله صلى الله عليه واله ويأتي كثير مما يدل على ذالك فظهر انه بلغ حد المتواتر بل زاد عليه بمراتب كثيرة"

۱۵ - یورپ کے علماء اور اہل تحقیق نے قرآن کے حفظ و ضبط اور کتابت کی تفصیلی کیفیتوں کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں گو اس کے لفظی تواتر اور تحریف سے محفوظ رہنے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے مگر اکثر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنحضرت کے زمانہ میں قرآن لکھا ہوا نہیں تھا ایک سال بعد انتقال کے جمع ہوا - اور جارج سیل باینہمہ کثرت معلومات لکھتے ہیں کہ جبکہ کاتب وحی نئی سورۃ کو لکھ لیتے تو مسلمانوں میں مشتہر کی جاتی اور کئی لوگ تو اسکی نقلیں اپنے لیئے لکھ لیتے مگر اکثر تو حفظ ہی یاد کرتے تھے اور جب وہ اصل تحریریں واپس آیا کرتی تھیں تو اُن کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے جاتے تھے † ۔

† "After the new revealed passages had been from the prophet's mouth taken dowen in writing by scribe, they were published to his followers, several of whom took copies for their private use, but the far greater number got them by heart. The originals, when returned, were put promiscuously into a chest."

G. Sale's Prel, Dis. page 46.

اس میں اگر غرابت ہے تو صرف صندوق کے ذکر میں ہے ورنہ آغاز اصلی نوشتوں کی حفاظت کے لیئے تو کوئی صورت تجویز کی گئی ہو اور گو کہ ہر ایک وحی کی تحریریں بظن غالب آلات کتابت کی موافقت اور یکانگت ممکن نہ تھی اور غالباً اصلی تحریریں پیپرس (عسب) لخاف (نرم پتھر) قطع الادیم (پارچمنٹ) شانہ اور پسلی کی ہڈیوں (بالاکتاف والاضلاع) یا اونٹ کے پیٹھ پر رکھنے کی لکڑیوں (اقتاب) پر ہوتی تھی تو آخروہ کہیں جمع تو رہتی ہونگی اور ہرچند کہ بجائے موسوی الواح کے لوح "حجر" کتوبین (شموس ۳۲/۱۵) جناب پیغمبر اور مسلمانوں کے دل کی زندہ تختیوں پر قرآن نقش ہوجاتا تھا - اور نیز مسلمانوں کے پاس سورتوں کی نقلیں او صحف بھی محفوظ اور مکنون رہتی تھیں مگر ضرور ہے کہ ایک نسخہ خاص اور مصحف نبوی جس پر صحف مکرمہ - لوح محفوظ - کتاب مسطور - رق منشور - کتاب مکنون - اور صحف مطہرہ کا خصوصاً بھی اطلاق ہوتا تھا جمع رہتا ہوگا گو بعد میں جب کہ قرآن شہرت اور تواتر میں کامل ہوگیا تو اب بعد کے زمانہ میں تو اصل نوشتوں کی حفاظت کی ضرورت رہی اور نہ کاتبوں کی توثیق کی ۞

۱۶ - اب ہم متاخرین محققین یورپ کے نتیجہ تحقیق میں چند اقوال نقل کرتے ہیں ۞

(۱) سر ولیم میور کی تحقیق ایک امر میں بڑی تعریف کے لایق ہے - پہلی جلد مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں ۞

Committed to memary by earely Moslems.

"But the preservation of the Koran during the life-time of Mahomed was not dependent on any such uncertain archives. The divine revelation was the corner stone of Islam. The recital of a passage formed an essential part of every celebration of public worship; and its private perusal and repitition was enforced as a duty and a privilege, fraught with a richest religious merit. This is the universal voice of early tradition and may be gathered from the revelation itself. The Koran was accordingly committed to memory more or less by *every* adherent of Islam, and the extent to which it could be recite was reckoned one of the chief distinctions of nobility in the early Moslem empire. The cust-

om of Arabia favoured the task. Passionately fond of poetry, yet possessed of but limited means and skill in committing to writing the effusions of their bards, the Arabs had long been habituated to imprint them on the living tablets of their hearts.

The recollective faculty was thus cultivated to the highest pitch, and it was applied, with all the ardour of an awakened Arab spirit, to the Koran. Such was the tenacity of their memory, and so great their power of application, that several of Mohamet's followers, according to early tradition, could, during his life-time, repeat with scrupulous accuracy the entire revelation." The life of Mahomet by W. Muir Esq. Vol. 1 page V.

ترجمہ۔ "مگر محمد (صلعم) کی حیات میں قرآن کی حفاظت صرف ان متفرق تحریروں ہی میں منحصر نہیں تھی۔ یہی وحی الٰہی تمام مسلمانوں کا نبی تھا۔ ہر ایک جماعت عام میں قرآن پڑھنا ضروری تھا اور خلوت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر باعث ثواب عظیم تھا یہ مضمون تمام روایات قدیم میں متواتر المعنی ہے اور خود قرآن ہی سے بھی پایا جاتا ہے اسی کے مطابق ہر ایک مسلمان اسکو کم وبیش حفظ کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن پڑھ سکتا تھا اسی اندازہ کے موافق اسکی قدر ومنزلت ہوتی تھی اور عزت کی رسم سے اُس کی زیادہ تائید ہوئی۔ وہ لوگ نظم کے نوازحد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی اُن کے پاس نہ تھا کہ خطبوں کو لکھ سکتے اس لیئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہو رہے تھے کہ اشعار وخطب کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر نقش کر رکھتے تھے۔ قوت حافظہ اُن کی انتہا کے درجہ پر تھی اور اُس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور اُن کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر صحاب محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ

تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے" ۔

کتاب سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور
جلد ۱ صفحہ ۔ مطبوعہ ۱۸۶۱ء

(۲) پھر اسی باب میں لکھتے ہیں ۔

"However retentive the Arab memory, we should have still regarded with distrust a transcript made entirely from that source. But there is good reason for believing that may fragmentary copies, embracing among them the whole Koran, or nearly the whole, were made by Mahomet's followers during his life. * * * * * * The ability being thus possessed, it may be safely inferred that what was so indefatigably committed tomemory, would be likewise committed carefully towriting."

W. Muir. Ibid.

یعنی "عرب کا حافظہ کیسا ہی دیرپا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جاتیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھ لی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جبکہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی" ۔

(۳) اور پھر اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے ۔

Transcriptions of portions of the Koran common among the early Moslems.

"We also know that when a tribe first joined Islam, Mahomet was in the habit of deputing one or more of his followers to teach them the Koran and the requirements of his religion. We are frequently informed that they carried *written* instructions with them on

latter point, and it is natural to conclude that they would provide themselves also with transcripts of the more important parts of the Revelation, especially those upon which the ceremonies of Islam were founded, and such as were usually recited at the public prayers. Besides the reference in the Koran itself to its own existence in a written form, we have express mention made, in the authentic tradition of Omar's conversion, of a copy of the twentieth Sura being used by his sister's family for social and private devotional reading. This refers to a period preceding, by three or four years, the emigration to Medina. If transcripts of the revelation were made, and in common use, at that early time, when the followers of Islam were few and oppressed, it seems a sure deduction that they multiplied exceedingly when the prophet came to power, and his Book formed the law of the greater part of Arabia.

Sir W. Muir. Ibid,

ترجمہ - ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو محمدؐ (صلعم) کی عادت تھی کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو اصحابی کو اُن کے پاس بھیجدیتے تھے تاکہ اُن کو قرآن اور ضروریات دین سکھلادیں - اور اکثر خبر ملتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لیئے تحریریں لیجایا کرتے تھے پس لاجرم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ قرآن کی ضروری سورتیں بھی ہمراہ لیجایا کرتے ہونگے - بالتخصیص وہ اجزار قرآن جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں اور جو نماز میں اکثر پڑھی جاتی تھیں - علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں اک صحیح روایت میں جس میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے مسلمان ہونیکی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورت کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمر (رضی اللہ عنہ) کی بہن کے گھر میں جو اُن کی ذاتی مصرف کے لیئے تھی - یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جو ہجرت سے ۳ یا ۴ برس پیشتر گذرا تو اگر اس قدر قدیم زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں درانحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر صلعم کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لیئے شریعت قرار پائی تو اسوقت

قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہونگے۔ (ایضاً ص ۱۰۹)

(۴) پھر ایک جگہ صفحہ ۲ کے حاشیہ پر لکھا ہے ؛

"It is evident that the revelations were recorded, because they are called frepuently throngout the Koran itself *kitab*, *i. e.* "the writing," "scripturer."

یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ وحی لکھی جایا کرتی تھی کیونکہ خود قرآن میں بارہا اس کا کتاب نام رکھا گیا ہے ؛

(۵) اور راڈویل صاحب سورہ قیامہ وطہٰ کی بعض آیات سے استنباط کرتے ہیں کہ شروع ہی سے محمد صلعم نے ایک لکھی ہوئی کتاب کے مشتہر کرنے کا منصوبہ کر لیا تھا ؛

"We are led to conclusion that, from the first, Mahommed had formed the plain of promulgating a written book."

Revd. J. M. Rodwell p. 47.

(۶) لا یمسہ الا المطہرون کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ "یہ آیت اس امر پر متضمن ہے کہ لااقل قرآن کے اجزا کی نقلیں عام کے استعمال میں موجود تھیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنی بہن کے ہاتھ سے بیسویں سورہ کی نقل لے لینی چاہی تب اُنکی بہن نے اسی آیت کا حوالہ دیا تھا" ؛

"This passage implies the existence of copies of portions at least of the Koran in comman use. It was quoted by sister of Omar when at his conversion he desired to take her copy of Surea XX. into his hand."

Revd. Rodwell. p. 63.

۱۷ — اب یہاں پر ایک شبہ یہ وارد ہوگا کہ جبکہ قرآن جناب پیغمبر ہی کے زمانہ میں سب لکھا گیا اور خود قرآن ہی سے اس کا مسطور و مکتوب ہونا ثابت ہے تو پھر عہد خلافت صدیق میں جمع ہونا کیا معنی اور حضرت عثمانؓ کا جامع القرآن ہونا کیسا ؛

جواب

حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں قرآن جمع کیئے جانے اور اس سے پہلے اسکا جمع کیا ہوا نہونے کی خبر منجملہ اخبار احاد ہے جو قطعی اور یقینی حالت کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی اور اسکی تقریر ایسی مبالغہ آمیز ہے کہ قطعی واقعات کے خلاف ہے - پھر اگر اسیطور سے زید ابن ثابت کا قرآن جمع کرنا ہوا ہوتا تو ضرور مشتہر ہوتا اور بہت سی روایتیں اسکی پائی جاتیں - مگر برخلاف اس کے صحاح میں بہت ہی کم اس کی خبر ملتی ہے - خیال کیجیے کہ یمامہ کی لڑائی بحساب واقدی و ابو معشر ۱۲ھ ہجری کے ربیع الاوّل میں ہوئی - اور بحساب طبری ۱۱ سال اور بقول آخر ۱۱ سال کے آخر میں ہوئی - اور زمانہ خلافت صدیق ۲ برس ۲ مہینے تک مشکل پہونچتا ہے - اور زید کی تتبع و تلاش البتہ اک عندہ عرصہ تک رہی ہوگی اور کھجور کے پتے اور پتھر کے ٹکڑے چمڑے کے ورق - تختیاں اور چوڑی ہڈیاں ڈھونڈھنی اور منگوانی اور حافظوں کو ہر چار طرف سے جمع کرنے میں بہت بہت عرصہ اور نیز شہرہ ہوا ہو گا تو یہ معاملہ ایسا مشہور ہو جاتا جیسے بدر کا معرکہ اور احزاب کی لڑائی - مگر تمام صحاح کو چھان مارو یہی زید ابن ثابت - یحییٰ بن عبدالرحمان - لیث بن سعد و ابن شہاب اس کے ناقل پائے جاتے ہیں اور اُن کی روایت ایک اور شخص کی روایت سے ایک بڑی بات میں مختلف ہے ؛

مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت صدیقؓ نے خلافت کی حیثیت سے حکماً یعنی خلافت کی حیثیت سے سرکاری طور پر ایک نسخہ (افیشیل اڈیشن) تمام و کمال ایک جلد میں زید سے لکھوایا اور دستور العمل خلافت اور ہدایت نامہ ریاست کے طور پر اسکو رکھا گو وہ پہلے سے بہت لوگوں کے پاس لکھا ہوا موجود اور دُور دُور کے ضلعوں اور پرگنوں میں مشہور تھا ؛

میری یہ رائے محقق حارث المحاسبی کے قریب قریب ہے - کما قال فی فہم السنن - کتابت القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقاً فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخہا من مکان الی مکان مجتمعاً وکان ذالک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا القرآن منتشر فجمعہا جامع و ربطہا بخیط حتی لا یضع منہا شئ" (اتقان نوع ۱۸)

مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نسخہ تمام و کمال کس چیز پر لکھا گیا غالباً کاغذ پر ہوگا - في موطا ابن ذهب عن مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله قال جمع ابوبكر القرآن في قراطيس - اور ایسا ہی مغازی بن عقبہ میں ابن شہاب سے ہے "فكان ابوبكر اوّل من جمع القرآن في الصحف - مگر صحف کی اولیت تو غلط ہے کیونکہ پیغمبر صلعم ہی کے زمانہ میں قرآن صحف میں تھا "رسول من الله يتلوا صحفاً مطهرة" ٭

البتہ اسی نسخہ میں غالباً سورتوں کی ترتیب ایسی ہی کی گئی تھی کہ پہلے سبع طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل جیسے اب تمام جہان کے نسخوں میں ہے ٭

اور حضرت عثمان تو اپنے عہد میں جامع قرآن نہیں ہو سکتے اُنھوں نے صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن معروف کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف و جوانب بلاد اسلام اور فوج کی چھاونیوں میں بھجوا دئیے اور اس وجہ سے قرآن کی اور بھی زیادہ شہرت اور اشاعت ہوئی - یہاں سے حارث محاسبی نے داد تحقیق دی چنانچہ تفسیر اتقان میں منقول ہے - "قال الحارث المحاسبي المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان و ليس كذلك ٭

مگر یہ واہیات روایت کہ اُنھوں نے کچھ قرآن جلوا بھی دئیے محض بے ثبوت ہے[1] - یہ بھی واقعہ اسی قسم کا تھا کہ اگر ہوا ہوتا تو بہت مشہور ہوتا اور بہت اہل مصاحف شکایت کرتے اور ایک بڑی کھلبلی مچ جاتی - خصوصاً مخالفان عثمان رضی اللہ تو اُس کو بہت ہی مشہور کرتے مگر باینہمہ تو فرد واحد کا نوں کان خبر نہیں ہوئی ٭

اس کے علاوہ اوّل تو اسی میں اختلاف ہے کہ جلانے کا حکم دیا تھا یا پھاڑنے کا - فتح الباری شرح صحیح بخاری تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی میں ہے - قوله وامر بما سواه من القرآن في كل صحيفة او مصحف ان يحرق - في رواية الاكثر ان يخرق بالخاء المعجمة وللمروزي بالمهملة ورواه الاصيلي بالوجهين والمعجمة اثبت الخ

[1] اس روایت کا ایک راوی شیعہ ہے ٭

مگر ابن عطیہ کہتا ہے الروایت بالحاء المھملۃ اصح ۔

پھر ایک یہ بات بھی محل غور ہے کہ ہر ایک علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعمیل بھی ہو گیا ہو اور جب تک کہ اس کے وقوع کی خبریں ایسی ہی جزم اور یقین کے ساتھ نہ سننے میں آویں تب تک اس امر کے واقع ہو جانے اور تعمیل کیے جانے پر یقین نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسا امر جو حس اور مشاہدہ کے متعلق ہو۔ اور بخاری کی خبر واحد میں صرف امر ہی امر پایا جاتا ہے اور وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔

بخاری کی شرح کرنے والوں نے (جیسا کہ شرح کرنے والوں کا دستور ہے کہ متن کے متعلق آور مضامین بھی خواہ مخواہ تلاش کر لاویں گے) اس روایت کی شرح میں دو ایک خبریں جلائے جانے کی لکھی ہیں جو کسی طرح لائق اطمینان اور قابل قبول نہیں ہو سکتیں چنانچہ ایک روایت تو یہی ہے کہ بکر بن الاشج نے صرف قیاساً اور روایت بالمعنی کے طور پر انس کے قول "امران یحرق" کو "فامر بجمع المصاحف فاحرقھا" کمال مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور شعیب کی روایت میں (عند ابی داؤد والطبرانی) اس قدر عبارت زیادہ ہے "فذالک الزمان احرقت المصاحف بالعراق بالنار" مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انس کی یہ روایت کس قسم کی ہے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق کا حال کہتے ہیں اور مدینہ کے واقعہ کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے۔ غالباً اہل صلح نے اس جزر کو وضعی سمجھ کر طرح دیا ہوگا اور مصعب بن سعد کے طریق سے یہ روایت ہے "ادرکت الناس متوافرین حین احرق المصاحف فاعجبھم ذالک" اور پھر یہی روایت اس طرح پر بھی ہے "ولم ینکر منھم احد" یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور یقیناً دونوں بناوٹ معلوم ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت خلاف درایت کا ماخذ صرف قولاً یا وہماً اور قیاساً انس ہی تک پہونچتا ہے اور بوجہ خبر واحد اور مختلف فیہ ہونے کے اس کا غیر مفید علم ہونا ظاہر ہے۔

۱۸۔ یہ امر کسی قدر بیان بھی ہوا اور زیادہ بیان کا محتاج بھی نہیں کہ قرآن کے حفظ و کتابت میں ہر ملک اور ضلع کے مسلمانوں نے ہر طبقہ اور ہر صدی میں ایسی کوشش بلیغ کی اور اس کثرت سے اس کے نسخے مشہور اور محفوظ رہے کہ ایشیا میں اقصائے بلاد چین سے یورپ کے اقصائے بلاد اسپین تک اور ممالک افریقہ و دیگر جزائر ایشیا و یورپ میں دو نسخہ بھی

مختلف نہ پاینگے اور ایک بھی ایسا غلط لفظ یا سہو کاتب نہ ملیگا جس کی صحت میں حفاظ اور اہل فن کو ذرا بھی تامل ہو۔ تمام جہان میں جہاں دیکھو ایک ہی متن پاؤ گے اور اس کا ایسا اتحاد اور ہر ہر نسخہ کی ایسی تعجب انگیز موافقت اور یگانگت بلا مبالغہ ایک اعجاز ہے جسکو منکرین اعجاز بھی مجازاً یا مبالغتاً اعجاز سے منسوب کرتے ہیں۔ تمام بلاد مختلفہ اور امصار دور دست ایشیا و یورپ و افریقا سب ملکوں کے حافظوں کے دلوں کی زندہ الواح گویا کہ اس لوح محفوظ کے ایک ہی چھاپے کی لاکھوں۔ کروڑوں نقلیں ہیں جن میں جودہ سو برس سے آج تک بعینہ ایک ہی عبارت چلی آتی ہے *

مسٹر اڈوارڈ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے۔

". . . . . . . and the varios editions of the Koran assert the same miraculous privilege of an uniform and uncorruptable text."

E. Gibbon, Ch. 50, Vol. 6

یعنی "قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا سا خاصہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے" *

(تاریخ روم نتہ الکبریٰ جلد ٦ باب ۵٠)

سر ولیم میور فرماتے ہیں جلد اول صفحہ ٢٧

" . . . . We may upon the slightest presumption affirm that every verse of the Koran is the genuine and unaltered composition of Mahomet himself, and conclude with at least a close approximation to the verdict of Von Hammer —

"That we hold the Koran to be as surely Mahomet's word, as the Mahometans hold it to be the word of God."

Sir William Muir, Vol. I p. XXVII.

یعنی "نہایت قوی گمان پر ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر ایک فقرہ قرآن کا صحیح اور بلا تبدیل محمد ہی کا کہا ہوا ہے اور اسکے نتیجہ میں جیسا کہ وان ہیمر نے کہا ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم بالیقین ایسا ہی محمد کا کلام سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسکو کلام الٰہی سمجھتے ہیں" *

ہاں ایک جگہ اَوْر لکھا ہے اور وہ بھی خوب لکھا ہے:-

"The recension of Othman has been handed down to us unaltered. So carefully, indeed, has it been preserved, that there are no variations of importance,—we might almost say no variation at all,—among the innumerable copies of the Koran scattered throughout the vast bounds of the empire of Islam. Contending and embittered factions, taking their rise in the murder of Otham himself within a quarter of a century from the death of Mahomet, have ever since rent the Mohometan world. Yet but *ONE KORAN*, has always been current amongst them; and the consentaneous use by all to the present day of the same Scripture, is an irrefragable proof that we have now before us the very text prepared by the commands of the unfortunate Caliph. There is probably in the world no other work which has remained twelve centuries with so pure a text."

Ibid p. XIV and XV.

یعنی "عثمان کا نسخہ ہم تک بلا تحریف چلا آیا ہے درحقیقت ایسی احتیاط سے اسکی حفاظت ہوئی ہے کہ قرآن کے بے شمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں بڑے اختلاف نہیں ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بالکل اختلافات نہیں ہیں۔ محمد صلعم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں قتل عثمان کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی تاہم ان میں ایک ہی **قرآن** ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے کہ ہمارے پاس اَب وُہی کتاب ہے جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ غالباً دنیا میں کوئی اَور ایسی کتاب نہیں ہے جو ۱۲ سَو برس تک ایسی صحیح المتن رہی ہو"

۱۹- ہماری اگلی کُتب مقدسہ کی یہ کیفیت تھی کہ جوں جوں اُن کے نسخہ زیادہ منتشر اور مشتہر ہوتے تھے اختلاف عبارات بھی اسیقدر زیادہ ہوتے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہ اختلاف[1]

[1] توریت میں اختلاف پڑ جانے کی خبر قرآن میں بھی دی گئی ہے " واتینا موسی الکتاب فاختلف فیہ ہود ع ۱۰

عبارات ایک بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار ہوگئے - علمائے بنی اسرائیل اور مشائخ مسیحی ہمیشہ اسکے شاکی رہے - اور نسخوں کے دو قبیلہ مشرقی اور مغربی قایم ہوگئے ؞

توریت کے باب میں عبرانی - سامری - یونانی نسخوں کا اختلاف فیلو اور یوسیفس علاٰر کے زمانہ کی عبارتیں پھر کتب یہود مسل ربوث پرکی الیعاذر - اور قصری کی دوسری طرز کی عبارتیں اور ربی سعدیاس اور حیّی کی قرأتیں اور ان کے زمانہ کے بعد ابن عزرا - یرحیّی - ربی میمونیو دبن مرشی (رمبام) اور قمحی یہ سب لوگ اختلافوں کے شاکی رہے اور آخر میں میئر ہلیوی (بابت سنہ ۱۲۴۴ء) عبرانی نسخوں کے اختلافات پر بہت ہی نوحہ زن رہا (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ابراہام برلس ح ۴ سنہ ۱۸۱۹ء) اس زمانہ کے بعد ربانیین یہود نے متن کی اصلاح پر کمر باندھی ربی یونزانو نے اسی غرض سے سیاحت اختیار کی اور شلومو منوزی نے کتاب منحاث شائی میں خطی نسخوں سے دو ہزار اختلاف عبارات جمع کیے یہ کیفیت یہود کے مجاہدات کی اس وقت کی تھی جبکہ عیسائیوں میں توریت کی بالکل صحت پر پورا بھروسا تھا - اسی سائیکلو پیڈیا میں اس مضمون کے بعد لکھا ہے -

"So that at the time when Christians were generally insisting on the perfection of the Hebrew text, the Jews were labouring to correct it, and lamenting its great imperfaction in the following terms. . . . . "

کہ جس زمانہ میں کہ عموماً عیسائیوں کو متن توریت کی صحت پر اصرار تھا اسوقت یہود اس کی اصلاح میں شقت کر رہے تھے اور ان الفاظ میں اس کے بڑے نقص پر نوحہ سرائی کرتے تھے الخ ؞

پھر ۱۷ و ۱۸ صدی میں مسیحیوں کو بھی اصلاح اختلاف عبارات پر توجہ ہوئی اور یہود سے زیادہ کوشش کی اور ڈاکٹر کنیکاٹ اور ڈی روسی اپنا نام کر گئے - مطبوعہ نسخوں میں سے جو پہلے سنہ ۱۴۸۸ء میں چھپا تھا اس سے وانڈرہوف کو دوسرے نسخہ میں جو سنہ ۱۷۰۵ء میں چھپا بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا ؞

عہد جدید کے نسخوں کے اختلافات بھی جانچے گئے اور بہت سے جرمنی محققوں نے اس میں محنت کی ڈاکٹر میل نے عہد جدید کے چند نسخے جمع کر کے تیس ہزار اختلاف عبارات نشان دیئے (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برطینکا ح ۱۷ لفظ اسکرپچرس دفعہ ۱۳۳) پھر

جان جیمس ویلسطین نے مختلف ملکوں میں پھر کے اپنے متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھے اور اُس کی تعداد اختلاف عبارات کی دس لاکھ سے زیادہ ہوئی (ایضاً دفعہ ۱۳۵) اور ڈاکٹر گریساخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلاف عبارات شمار کیے (دیکھو طامس ہارٹ ول ہارن کی کتاب جلد ا ب ۲ ف ۳ ص ۱۰۶ مطبوعہ فلاڈلفیا ۱۸۳۳ء) حالانکہ کل تعداد انجیل کے نسخوں کی جو کلاً یا جزاً مقابلہ ہوئی تخمیناً پانچ سَو نسخوں تک پہونچتی ہے۔ مگر یہ تعداد ان نسخوں کی تعداد کی ایک جزو قلیل ہے جو پبلک اور پرائیوٹ کُتب خانوں میں ہیں (ہارن ج ۲ ص ۱۰۰ و ۲ ۱۸۲۹ء)

گو یہ اختلافات بحید و بے حساب ہوئے اور زیادہ تتبع اور تفحص پر آور بھی زیادہ ہونگے مگر تاہم ان سے ان کتابوں کے موضوع و مقصود اور منشار اصلی کو کم ضرر پہونچا ہے

لارڈ بولنگ بروک وغیرہ منکروں نے یہ حجت کی تھی کہ اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے تھیں تو ضرور تھا کہ وہ بعینہ اپنی اسی اصلیت اور اصلی صحت پر باقی رہتیں۔ مگر ڈاکٹر کینکاٹ نے ایسے اعتراضوں کے جواب میں کہا کہ ان کتابوں میں بہت سی غلطیاں پڑ گئیں ہیں تو ان سے جناب باری تعالیٰ کی حکمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ معظم امور ہنوز محفوظ اور متیقن ہیں اور ہمیشہ لوگوں نے ان کتابوں سے ہدایت پائی ہے

بعض اہل شوق نے قرآن کے بھی دو چار نسخے مقابلہ کیے اور ان میں کہیں بشرا کو نشرا اور تکلیف کو تکلف یا یرتع ویلعب کو مرتع وملعب پایا مگر یہ اختلاف محض بے حقیقت ہیں کیونکہ کتاب کی غلطی و سہو میں گفتگو نہیں شکایت تو اس امر کی ہے کہ دو عبارتیں ایسی مختلف پائی جائیں جن میں سچی اور اصلی عبارت کی تمیز دشوار ہو جاوے۔ پس قرآن کے نسخوں کے سہو کاتب کو صحف سابقہ کے اختلاف نسخ سے کچھ نسبت نہیں ہے اور بالآخر سر ولیم میور نے یہی فیصلہ کیا

"To compare (as the Moslems are fond of doing) the pure text with the various readings of our Scriptures, is to compare things between the history and essential points of which there is no analogy."

Sir William Muir, Vol. I, p. XV note.

یعنی مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف عبارات سے مقابلہ

کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے - انتہی ۔

۲۰ - اسی بحث کے متعلق تھوڑا سا حال اُن اخبار احاد ضعیف اور موضوع کا بھی ضرور ہے جن کو بعض نے قرآن کے نقصان یا بعض حروف کے تغیر میں پیش کیا ہے۔ اخبار احاد تو کبھی مفید علم ہوتی ہی نہیں نہ عقل کی راہ سے اور نہ قاعدہ روایت و ضابطہ درایت کی راہ سے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قطعیات اور متواترات کے مقابلہ میں ہوں ۔

علمائے شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر طوسی تفسیر تبیان میں ایسی روایتوں کی نسبت لکھتے ہیں کہ "طریقھا الاحاد التی لا توجب علماء" اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں " فان الخلاف فی ذالک مضاف الی قوم فعلوا اخبار ضعیفۃ ظنوا صحتھا لا یرجع بمثلھا عن العلوم المقطوع علی صحتہ " ۔

اور علمائے سنت وجماعت میں سے حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول میں فرماتے ہیں ۔ والعجب من ھؤلاء الرواۃ احدھم یروی عن ابن عباس انہ قال فی قولہ حتی تستانسوا وتسلموا ھو خطاء من الکاتب انما ھو تستاذنوا وتسلموا وما اری مثل ھذہ الروایات الا من کید الزنادقۃ فی ھذہ الاحادیث انما یریدون ان یکید والاسلام بمثل ھذہ الروایات الخ ۔

بعضے مستضعفین نے ایسی روایات نقصان کا معارضہ اَور طرح پر کیا ہے یعنی جب کہ ان کا ابطال محققانہ نہ کر سکے اور بناچاری ایک قسم کا نسخ یعنی منسوخ التلاوۃ ایجاد کیا اور ان خرافات روایات سے یوں پیچھا چھڑایا اور متاخرین نے اسکو مقلدانہ قبول کیا - مگر اہل عقل خوب سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک بے بنیاد بات ہے اور بہت لوگوں نے اس سے انکار بھی کیا ہے - تفسیر اتقان میں ہے - حکی القاضی ابوبکر فی الانتصار عن قوم انکار ھذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد ولا یجوز القطع علی انزال قرآن ونسخہ باخبار لا حجۃ فیھا ۔

اس قسم کے نسخ کے بطلان کو ذرا ہم مفصل بیان کریں ۔

(۱) وہ سب خبریں جن کے غلبہ وہم سے یہ قسم نسخ ایجاد ہوئی ہے سب اخبار احاد ہیں جنھم

کبھی یقین نہیں ہو سکتا ؛

(۲) اس مسئلہ پر سب اتفاق کرتے ہیں ان القرآن لا یثبت الا بالتواتر اور یہ بھی ماجاء بخبر الاحاد لا یثبت به القرآن۔ پس یہ بڑی غلطی ہے کہ ان روایتوں کے مذکورات کو قرآن منسوخ التلاوۃ سمجھا جاوے ؛

(۳) جو لوگ نسخ قرآن کو جائز رکھتے ہیں ان کے مسلک پر نسخ کے جواز کی یہ آیت ہے ماننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا پس اس میں ضرور ہے کہ جو آیت منسوخ ہو اُس کے بدلے میں ایک آیت آنی چاہیئے اور جو منسوخ التلاوۃ فرض کی گئیں ہیں اُن کے بدلے کی کوئی آیت نہیں بیان کی جاتی ؛

۱۴۔ یہ تقریریں کسیقدر مطول و مبسوط ہو گئیں اور گو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں مگر اس سے زیادہ مفید مطالب جو ہمارے پیش نظر تھے وہ ہنوز بیان میں نہیں آئے۔ اب ہم انشاء اللہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی حقیقت اور علم و حکمت کی وجوہ اعجاز اور پھر اسکے محاسن اصلی اور خیر محض کے اصول اور اسکی فضیلتوں کے بیان میں اہل یورپ کا اعتراف اور مخالفوں کی شہادت بیان و نقل کرینگے۔ پھر چند اعتراضات جو بنابر اصول تمدن و حکمت وارد کیے جاتے ہیں اور بعض مطاعن علمی و فلسفی جو حکمت جدید کی اشاعت اور فلسفہ فرنگ کی ترقی سے پیش آتے ہیں معرض بحث میں آوینگے ؛

پیغمبر پر سحر

"وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً"

(فرقان)

۱۔ کسی سچے مسلمان کا تو یہ کام نہیں کہ جناب پیغمبر کی نسبت ایسا کہے کہ اُن پر کبھی

سلہ ہم نہیں سمجھتے کہ آیہ کو یہاں اصطلاحی معنوں پر کیوں حمل کیا جاتا۔ جبکہ لغوی معنی ا ترجیح ہونی چاہیئے۔

ایک منٹ کے لئے بھی جادو کا اثر ہوا - یہ بات تو کافروں ہی کو زیبا تھی اور انھوں نے ہی کہی تھی کہ یہ نبی تو جادو کا مارا ہوا ہے - اور اس تہمت نالائق کو خدا نے بھی جھٹلایا چنانچہ سورہ فرقان اور اسری کی آیت کو ہم نے اس بیان کے عنوان میں لکھ دیا ہے مگر ایک عرصہ سے مسلمانوں میں سے ایسی حمیت جاتی رہی وہ اس کی تو کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ ایسے مضمون کی حمایت کرتے ہیں ؛

۲ - مسلمان محدثوں نے اس مضمون کی ایک عجیب وغریب روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے جناب پیغمبر پر جادو کر دیا تھا اور وہ چالیس دن تک یا چھ مہینے یا برس دن تک اس میں مبتلا رہے - ابی حمزہ کی روایت میں تو چالیس دن ہیں اور وہب کی روایت میں چھ مہینے - مگر زہری کی روایت میں برس دن ہے - علامہ ابن حجر نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے سبحانک ھذا بہتان عظیم ؛

۳ - اس سحر کا اثر (دروغ برگردن راوی) یہاں تک ہوگیا تھا کہ معاذ اللہ جناب پیغمبر کے دماغ میں خلل آگیا تھا - چوں مادہ سحر بسر مبارک رسیدہ بود چناں تخیل میکرد کہ چیزے کہ نکردہ است کردہ میشود و ایں تصرف ست از ساحر در طبیعت و مادہ دموی تا آں مادہ بر بطن مقدم دماغ غلبہ کرد و مزاج آں از طبیعت اصلی برگشت (سفر السعادۃ علامہ مجد الدین فیروز آبادی) ص ۱۶۹ - یہی مضمون ابن القیم نے بھی لکھا ہے ؛

۴ - ایسے لغو اور واہی خیالوں کو تو قرآن مجید جھٹلا چکا ہیں جو روایتیں بھی اس مضمون کی ہونگی وہ کب لایق التفات ہونگی وہ راوی بھی انھیں کافروں کی کہی ہوئی کہتے ہیں شیخ الاسلام

لہ وفي رواية ابي حمزة عند الاسماعيلي انه صلى الله عليه وسلم اقام اربعين وفي رواية وهيب عن هشام عند احمد ستة اشهر وجمع بان ستة اشهر من ابتداء تغير مزاجه والاربعين يوما من استحكامه لكن في جامع معمر عن الزهري انه لبث سنة واسناده صحيح - قال ابن حجر فهو المعتمد - ارشاد الساري شرح صحيح بخاري - ج ۸ ص ۳۲۴ -

مدت بقائے ایں عارضہ بقولے چہل روز و در روایتے شش ماہ و در روایتے یکسال بود - شرح سفر السعادت - عبد الحق دہلوی

علامہ امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں (ذیل ہاروت وماروت) لکھا ہے ؛

" ماروي من الاخبار ان النبي سحر فكان يرى انه فعل مالم يفعله او انه لم يفعل ما فعله فاخبار مفتعلة - لا يلتفت اليها "

۵ - اگرچہ جھوٹی روایتیں سچی ہوں تو پھر نبی کی بات پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے - بہتیری وحی کی باتیں بھی صرف اُن کے تغیرِ دماغ کی وجہ سے خیال میں آئی ہونگی - حدیث کی شرح کرنیوالے ایک عجیب مخمصہ میں گرفتار ہیں نہ توان سے اس روایت باطلہ کی تکذیب کرتے بنتا ہے اور نہ منکروں کو جواب دیتے بنتا ہے - قاضی عیاض الغرناطی نے (سنہ ۴۷۶ - ۵۴۴ ہجری) کتاب شفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ میں (ص ۲۹۹ و ۳۰۰) اس اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کی ہے مگر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جادو کا اثر جناب پیغمبر کے دل اور اعتقاد اور عقل پر نہ تھا صرف ظاہر میں اعضا پیغمبر پر ہوا تھا مگر بخاری و مسلم کی روایتوں کے مقابلہ میں وہ تاویلیں پیش نہیں جاتیں اور بہرحال اصل سحر کے مان لینے سے کچھ مفر نہیں ملتا - اور مسحور وہی ہے جس کی عقل میں خلل آ گیا ہو[1] ؛

۶ - ہمنے مناسب جانا کہ اس بحث میں اصل روایتوں پر نظر کی جاوے اور دیکھیں کہ وہ کچھ معتبر ہو سکتی ہیں یا نہیں ؛

بخاری نے روایت کی ہے - حدثنا ابراھیم بن موسیٰ اخبرنا عیسیٰ بن یونس عن هشام عن ابيه عن عايشة رضي الله عنها قالت سحر رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من بني زريق يقال له لبيد بن الاعصم حتى كان رسول الله يخيل اليه انه كان يفعل الشئ وما فعله الخ ؛

حدثني عبد الله بن محمد قال سمعت ابن عيينة يقول اول من حدثنا به ابن جريج يقول حدثني ال عروة عن عروة فسألت هشاما عنه فحدثنا عن ابيه عن عايشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم سحر حتى كان يرى انه ياتي النساء ولا ياتيهن الخ ؛

---

[1] والمسحور الذي قد سحر فاختلط عليه عقله وزال عن حد الاستواء هذا هو القول الصحيح تفسیر کبیر فخر رازی (اسری)

حدثنا عبید بن اسماعیل حدثنا ابو اسامہ عن ہشام عن ابیہ عن عایشہ قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یخیل الیہ انہ یفعل الشئ وما فعلہ الخ +

مسلم نے روایت کی ہے ۔ حدثنا ابو کریب قال حدثنا ابن نمیر عن ہشام عن ابیہ عن عایشۃ رضی اللہ عنہا قالت سحر رسول اللہ صلعم یہودی من یہود بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم قالت حتی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخیل الیہ یفعل الشئ وما یفعلہ الخ ۔

ان روایتوں میں یہ قول تو حضرت عائیشہ کی طرف منسوب ہے کہ جناب پیغمبر پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا اور اِس قول کے بعد ایک قصہ ہے کہ جس میں اختلاف الفاظ اور کسی قدر اختلاف مضمون بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر نے فرمایا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس شخص کا (یعنی پیغمبر صلعم کا) کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ یہ شخص مطبوب ہے اسکا ترجمہ حدیث کی شرح کرنے والوں نے مسحور کیا ہے یعنی جادو کا مارا ہے پھر اُس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا تب اُس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے پھر اُس نے پوچھا کا ہے سے جادو کیا ہے اُس نے کہا کہ کنگھی اور سر کے ٹوٹے ہوئے بال اور کھجور کے درخت کا گابہ ۔ پھر اُس نے پوچھا وہ کہاں ہے اُس نے جواب دیا کہ دروان کے کنوئیں میں ۔ تب جناب پیغمبر اور اصحاب وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اُس کنوئیں کا پانی سرخ سا تھا اور اُور درخت وہاں کے ایسے تھے جیسے سانپ کی سر یا بد صورت الخ ۔

۸ ۔ یہ ایسی روایت ہے کہ جس کو اگر صحیح و قطعی تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی کسی نیچی عقل اور صاف طبیعت آدمی کی نظر میں اس میں کچھ خلاف حقیقت نہیں ہے مگر جو لوگ جاہلی طبیعت کے ہیں اور دیو بھوت اور جادو کو مانتے ہیں وہ اس روایت کے مضمون کو اپنے ڈھنگ پر لیجاتے ہیں اور کچھ تحریف اور تاویل کر کے نبی کو جادو کا مارا ہوا بنا لیتے ہیں ذٰلک ظن الذین کفروا ۔

۹ ۔ اِس روایت کی تفسیر ہمارے مذاق پر تو یہ ہے کہ ہمکو اس امر سے تو انکار نہیں ہے کہ کوئی شخص جادو نہیں کرتا یا کوئی شخص کسی کو جادو کا مارا ہوا نہیں سمجھتا بلکہ ہمارا قول صرف یہی ہے کہ ہمکو جادو کے تحقق سے انکار ہے یعنی جادو کبھی چلتا نہیں اور کا اثر کسی پر ہوتا

نہیں " لا یفلح الساحر حیث اتیٰ " گو وہ لاکھ پڑا کہا کرے کہ میں نے اس شخص پر جادو کر دیا ہے اور جس شخص کی نسبت جادو کرنیوالا یا جادو کرنیکا دعویٰ کرنیوالا یہ کہے کہ میں نے اسپر جادو کر دیا ہے تو عرف میں اسکو مسحور یا جادو کا مارا ہوا بھی کہینگے گو حقیقت میں اس مسحور پر کچھ جادو کا اثر نہوا ہو جیسے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا معشوق ہے حالانکہ شخص عاشق کے عشق کا اسپر درحقیقت کچھ بھی اثر نہیں ہوا کرتا ۔

عرب میں اور یہودیوں میں سحر اور ساحری کا بڑا چرچا تھا ایسا ہوا ہو گا کہ لبید بن اعصم یہودی نے اسی خیال باطل یعنی جادو کے کارگر ہونے کی بنا پر جناب پیغمبر کی نسبت جادو کا عمل کیا ہو اور کنگھی اور سر کے بال کسی درخت کی چھال میں لپیٹ کر ذروان کے کنوئیں میں داب دیئے ہونگے ۔ اس معاملہ کا چرچا لوگوں میں ہوتا ہو گا ۔ ان میں سے دو آدمی جنہوں نے یہ بات سُنی ہوگی جناب پیغمبر کے پاس بیٹھکر باتیں کرتے ہوں گے کہ لبید نے اُن پر (اپنے زعم میں) فلانے کنوئیں میں جادو کیا ۔ اس بات کو سُن کر جناب پیغمبرؐ اس کنوئیں پر خود گئے یا کسی کو بھیجا ہو کیونکہ اور روایتوں میں ہے (عند ابن سعد من حدیث ابن عباس فبعث الیٰ علی و عمار فامرھما ان یاتیا البیر) کہ اپنے اصحاب کو بھیجا تھا اور یا یہ ہوا ہو کہ اصحاب میں سے کوئی خود ہی چلے گئے ہوں ۔

۱۰ ۔ پس اس روایت میں کوئی بات جادو کے تحقق کی نہیں نکلتی ۔ سب سے زیادہ مشکل اور باطل قول یہ ہے کہ سحر رسول اللہ الخ یہ اگر ان معنوں میں لیا جاوے کہ لبید نے پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا تو کچھ بھی دقت نہیں ہاں اگر یہ مراد ہو کہ درحقیقت پیغمبر پر کسی کے جادو کا عمل چل گیا اور جادو اُن میں مؤثر ہو گیا اور ان کے دماغ میں خلل آ گیا اور عقل میں فتور پڑ گیا تو یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے ۔ یقیناً راویوں کے دماغ میں فتور آ گیا ہو گا یا محدثوں کی عقل میں خلل آ گیا ہو گا ۔ کیونکہ کسی شخص کے جادو کے مارے ہوئے ہونے پر گواہی دینا ایک ایسے امر پر شہادت دینا ہے جو قابل حس نہیں ہے ۔ کسی کو مسحور سمجھنا امر حسی نہیں ہے پس اسپر کوئی گواہی نہیں ہو سکتی ۔

۱۱ ۔ عوام نے اس روایت کے مضمون سمجھنے میں چند غلطیاں کی ہیں ۔ اوّل تو یہ کہ سحر رسول اللہ الخ کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایسے ہی ثابت ہے کہ کوئی کہے کہ زید پر گولی چلی ۔ گو زید اس گولی کے اثر سے بالکل محفوظ ہو ۔ یا کوئی کہے کہ ہندہ تو خالد کی معشوق ہے گو ہندہ کو خالد سے کچھ بھی واقفیت نہو یا اُس کے عشق کا اثر ذرا بھی اس میں

نہوا ہو۔ دوم یہ کہ وہ جو دو شخص پیغمبر کے پاس آکے بیٹھے تھے اُن میں سے ان لوگوں نے ایک کو تو جبریل بنا لیا اور ایک کو میکائیل۔ حالانکہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں "رجلان" کا لفظ صاف موجود ہے (یعنی دو آدمی) جو روایتیں ان صحیحین کے درجہ سے گھٹی ہوئی ہیں اُن کے راویوں نے اپنے دل سے "رجلان" کی جگہ "ملکان یعنی دو فرشتے" کر دیا۔ جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے اور جن راویوں نے اَور بھی زیادہ آزادی برتی اور روایت بالمعنی پر کفایت نہ کی وہ اس سے بھی بڑھ گئے اور صاف صاف "جبرائیل و میکائیل" ہی کہدیا جیسا کہ ابن سعد کی ایک منقطع روایت میں ہے۔ سوم یہ کہ ان دونوں آدمیوں نے جو یقیناً لبید کے ہمراز تھے جناب پیغمبرؐ کو مطبوب بتلایا اس لفظ کو شارحین نے مسحور کے معنی میں قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک زبردستی ہی ہے۔ قسطلانی شارح بخاری نے اس کنایہ کو صرف تفاول کے طریق پر قرار دیا ہے اور قرطبی نے کچھ اَور ہی لکھا۔ انما قیل للسحر الطب لان اصل الطب الحذق والتفطن له فلما کان کل من علاج المرض والسحر انما یاتی عن فطنة وحذق اطلق علی کل منهما هذا الاسم۔ جب طب کا لفظ ایسا عام ہے تو اس سے خاص سحر سمجھنا خلل دماغ سے خالی نہیں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ امر تسلیم کر لیا ہے کہ جادو کا اثر ضرور متحقق ہوتا ہے پس اَب جو کوئی خبر جادو کی روایت میں آویگی وہ ضرور تسلیم کیجاویگی۔ حالانکہ اس کا تحقق محض ایک وہم اور خیال ہے اور معتزلہ کو جو مسلمانوں میں ایک حکیمانہ خیال کا فرقہ ہے جادو کے تحقق سے انکار ہے ٭

۲۱۔ اگر ضابطہ فن درایت کی رُو سے اس روایت پر نظر کیجاوے تو یہ کسی طرح صحیح و ثابت و یقینی و قطعی نہیں ٹھہر سکتی ٭

اوّل تو یہ ایک خبر واحد ہے اور اخبار احاد سے کسی امر کی نسبت جس کی وہ خبر دیتے ہیں یقین نہیں حاصل ہوتا پس یہ خبر بھی سچی اور یقینی نہیں ہو سکتی ٭

دوم یہ کہ اس روایت میں عنعنہ ہے یعنی عیسی بن یونس اور ابن نمیر اور ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر نے حدثنا یا اخبرنا کہکر روایت نہیں کی جس سے اتصال پایا جاتا بلکہ عن عن کہکر روایت کی ہے جس میں احتمال ہے کہ ایک نے دوسرے سے بگوش خود سُنا ہو یا اَوروں سے سُنا ہو جن کا نام ظاہر نہیں کیا اور ایسی روایت جس کا کوئی راوی بھی

مجہول یعنی نامعلوم رہجاوے صحیح اور سندی نہیں ہوسکتی +

اس باب میں جو کچھہ حجتیں اور تقریریں ہیں وہ ہمکو معلوم ہیں ۔ علی ابن المدینی (اُستاد بخاری) اور بخاری اور ابوبکر صیرفی اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ روایت معنعن کو متصل سمجھا جاویگا جبکہ دونوں راوی ایک ہی زمانہ میں ہوں اور اُن میں باہم ملاقات ہونا بھی ثابت ہو اور وہ لوگ مدلس بھی نہوں اور مسلم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں راویوں کا صرف ایک زمانہ میں ہونا چاہیئے تاکہ ملاقات ممکن ہو اور ملاقات کا ثابت ہونا شرط نہیں ہے مسلم نے مقدمہ صحیح میں اپنے مخالف کی بڑی فضیحت کی ہے اور ایک طولانی تقریر کی ہے مگر محی الدین نووی نے منہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج میں (باب ما تصح به روایۃ الرواۃ بعضھم عن بعض) لکھا ہے کہ جس بات کی طرف مسلم گیا ہے محققوں نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکو ضعیف بتلایا ہے اور جس بات کو مسلم نے رد کیا ہے اُسی کو صحیح قرار دیا ہے[۱] مگر ہماری رائے میں تو ان دونوں مذہبوں میں ایک گونہ سہل انگاری اور مسامحت ہے کیونکہ ان میں سے جس نے زیادہ تشدد کیا ہے وہ صرف یہی کہتا ہے کہ صرف ان دونوں راویوں کا جو عنعنہ کرتے ہیں باہم ملاقات کا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ[۲] شاید تمام عمر میں ملاقات کا ہوجانا بھی ثابت ہونا چاہیئے ۔ اور یہ اصول پھر بھی ناقص ہے کیونکہ جب تک ہر ہر خبر میں بالمشافہ سننے ہونے کی تصریح نہوگی ہمیشہ وہی احتمال ارسال قایم رہیگا ۔ ہم روز کے تجربہ سے یہ بات ثابت پاتے ہیں کہ گو زید و خالد دونوں راوی ایک ہی شہر میں رہتے ہوں اور ملاقات بھی ہوا کرتی ہو تاہم زید کا ہر عنعنہ خالد سے بلا واسطہ اور بالمشافہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ کتب احادیث کے راوی

---

[۱] وھذا الذي صار عليه مسلم قد انكره المحققون وقالو ھذا الذي صار اليه مسلم ضعيف والذي رده ھو المختار الصحيح الذي عليه ائمة ھذا الفن مثل علی ابن المديني والبخاري وغيرھا ۔ شرح صحيح مسلم للنووي +

[۲] والمعنعن الذي قيل فيه فلان عن فلان من غير لفظ صريح بالسماع او التحديث او الاخبار اتي عن رواة سمين معروفين موصول عند الجمهور بشرط ثبوت لقاء المعنعنين بعضهم ولو مرة الخ ۔ ارشاد الساري شرح بخاري للقسطلاني ج ا ص ۹ +

جن میں سے ایک تو خراسانی ہے اور ایک بصری اور ایک کوفی ہے تو ایک مصری اور پھر اُن کی معنعن روایتیں اتصال پر حمل کی جاتی ہیں یہ عجیب قاعدہ ہے ؛

مسلم نے اپنے قول کی تائید میں انہیں راویوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی۔ ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ۔ چنانچہ لکھا ہے بیقین تعلم ان ھشاما قد سمع من ابیہ وان اباہ قد سمع من عایشہ رضی اللہ عنہا الخ مگر جب تک ایک خاص خبر میں بالمشافہ سُننا ثابت نہو تب تک عام طور کا سماع کچھ مفید نہوگا ؛

غرض کہ اس میں نہایت شُبہ ہے کہ عیسےٰ بن یونس اور ابن نمیر نے ہشام سے یہ روایت بلا واسطہ سنی یا بواسطہ اور ایسے ہی ہشام نے عروہ سے بالمشافہ سُنی یا کسی اَور واسطے سے اور ایسے ہی عروہ نے ام المومنین عائشہؓ کے روبرو یہ روایت سُنی یا اَور کے ذریعہ سے۔ پس اس وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے ؛

سوم۔ یہ کہ اس روایت کا ایک راوی ہشام بن عروہ ہرچند کہ عموماً ممدوح اور ثقہ اور معتبر ہے مگر امام مالک نے اُس کو جھوٹا یعنی کذاب کہا ہے پس یہ راوی مقدوح ٹھہرا اور روایت کم سے کم ضعیف ٹھہر گئی اسماء رجال کی کتاب تہذیب الکمال میں لکھا ہے قال الحافظ ابوبکر الخطیب ؛ ؛ ؛ اخبرنی الرمانی قال حدثنی محمد بن احمد بن عبدالملک الاوفی قال حدثنا محمد بن علی الایادی قال حدثنا زکریا بن یحیی الساجی قال حدثنا احمد بن محمد البغدادی قال حدثنا ابراھیم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فلیح قال قال لی مالک بن انس ھشام بن عروۃ کذاب الخ

اگر ہمارے جواب میں یہ کہا جاوے کہ یہ روایت ایک خبر واحد ہے اس پر یقین نہیں ہوتا تو ہم کہینگے کہ پیغمبر صلعم پر جادو ہو جانے کی روایت بھی تو خبر واحد ہے اس پر بھی یقین نہ کیجئے ؛

چہارم۔ یہ کہ حضرت ام المومنین عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ سحر النبی الخ ضابطہ فن روایت کے موافق قابل قبول نہیں ہے کیونکہ امر کلی حسی کی خبر نہیں ہے پس جیسا کہ راوی کا ثقہ اور عادل ہونا ضرور ہے ویسا ہی یہ بھی ضرور ہے کہ اس نے امر حسی یا واقعہ چشمدید کی خبر دی ہو نہ کہ امر عقلی یا خیالی یا وہمی اور اعتقادی کی۔ ہم ان راویوں کے مشاہدات پر اعتبار کرتے ہیں مگر اُن کی رائے اور

خیالات کو نہیں مانتے۔ رائے تو صرف شخص معصوم صاحب الوحی کی مانی جاتی تھی +
پس ان وجوہ سے یہ خبر قابل قبول او۔ لائق اعتبار نہیں ہے +

سلیمان علیہ السلام

علم منطق الطیر۔ جن۔ نمل۔ طیر۔ ہدہد

عفریت۔ عرش بلقیس کشف ساق

علم منطق الطیر

(۱) وورث سلیمان داود وقال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیٔ۔ ان ھذا لھو الفضل المبین (سورہ نمل)

ترجمہ۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے صاحبو ہمکو پرندوں کا علم ملا ہے اور ہر چیز میں سے ہمکو عنایت ہوا ہے۔ یہ بیشک بڑی فضیلت ہے +

تفسیر۔ منطق الطیر ایک علم ہے جس میں پرندوں کی بناوٹ۔ صورت اور عادات کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایک شعبہ ہے حیواۃ الحیوان کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانداروں کا ذکر ہوتا ہے۔ منطق الطیر ٹھیک ترجمہ ہے یونانی اُرنی ثو۔ لوجیا۔ کا۔ اُرنیس اور اُرنی تھوس کہتے ہیں اُڑنے والے کو اور لوجیا کے معنی لغت اور علم +

جو لوگ اس حقیقی علم منطق الطیر سے ناواقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پرند آپس میں ایسی مرکب آوازیں بولتے ہیں جیسے انسان بولتے ہیں اور ان کی ایسی ہی باتوں کو سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے۔ عبرانی زبان میں ایسے علم منطق الطیر کو دبرھا حوف کہتے ہیں דברה העוף دبرھا کے معنی بات یا بیان اور عوف کے مانند پرند +

کتب سلاطین میں جو غالباً شاہی روزنامچہ کے حالات سے مؤلف ہوئی ہے اور باب یہود کے صیغہ کتوبیم میں داخل اور بیبل میں شامل ہے حکمت سلیمانی کی عموماً اور علم منطق الطیر کی

خصوصاً تصدیق اور تصریح پائی جاتی ہے - چنانچہ سلاطین کی پہلی کتاب نسخہ عبرانی کے پانچویں باب اور ۱۳ اسوق میں جو ترجمہ ہندی میں ۴ باب کی ۳۳- آیت ہے یہ مضمون ہے ؛

" اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی سرو کے درخت سے لیکر جو لبنان میں تھا اُس زوفے تک جو دیواروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا "

جن

(۲) وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون -

(سورہ نمل)

ترجمہ - اور جمع کیئے سلیمان کے پاس اُس کے لشکر جن اور انس اور پرند اور وہ روکے ہوئے تھے - یا ٹکڑے ٹکڑے تھے ؛

تفسیر - جن - کنعان کے گرد نواح میں ایک قوم قوی ہیکل دیو قامت تند و شدید اور جابر رہتی تھی جو عمالیق کہلاتی تھی اور بنی اسرائیل اُن کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور اُن کی بت پرستی اور دیو اور دیویوں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا سے اُن کو بھی شدیم یعنی جن کہا کرتے تھے اور وہی جابر بنی عمالیق حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان کچھ مقید اور کچھ ملازم و مصاحب تھے ؛

کتاب واعظ جو حضرت سلیمانؑ کی تصنیف سے ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میرے پاس جن یا شیطان مسخر تھے اصل عبارت کتاب واعظ ۲/۸ کی یہ ہے :-

כנסתי לי גם-כסף וזהב וסגלת מלכים והמדינות עשיתי לי שרים ושרות ותענגות בני האדם שדה ושדות

ترجمہ - میںنے سونا روپا اور بادشاہوں اور ملکوں کا خاص خزانہ اپنے لیئے جمع کیا میںنے گانے والے اور گانے والیاں رکھیں اور بنی آدم کے سامان عیش - شیطان اور جنات اپنے لیئے فراہم کیئے ؛

مگر بیبل کے سب ترجمے اس مقام پر جسکو ہمنے شیطان و جنات ترجمہ کیا ہے مختلف ہیں مگر یہود کی مدراش ہمارے موافق ہے ؛

ترجمہ اُردو ۱۸۴۵ء و ۱۸۷۰ء	بیگم اور بیگمات
ترجمہ انگریزی ۱۶۱۱ء	باجے اور سب قسم کے ساز
ترجمہ مذہب رومن کیتھلک ۱۸۴۹ء	پیالے اور برتن شراب ڈھالنے کے
ترجمہ عربی	سیدہ و سیدات
ترجمہ فارسی	انواع سازہائے موسیقی
ترجمہ یونانی قدیم	ساقی اور ساقیات۔
ترجمہ عربی ۱۸۳۱ء	شافات واباریق للخدمة لکسب الخمر

اصل عبری میں یہ الفاظ שדה ושדות (شدہ وشدوت) ہیں جن کی اصل שד (شد) ہے۔ اربع عسریم یعنی عہد عتیق کی اصل عبرانی کتابوں میں اور جہاں جہاں یہ لفظ آتا ہے وہاں شیطان اور دیو یا دیوتا کے معنی لیئے گئے ہیں۔ استثنا باب ۳۲-۱۷ "اُنھوں نے شیطانوں کی قربانیاں گذرانیں" יזבחו לשדים (یذبحو لشدیم) اور زبور ۱۰۶ - ۳۷ (نسخہ عبری) "انھوں نے تو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو شیاطین کے لیئے قربانی کیا ؛

ויזבחו את בניהם ואת בנותיהם לשדים

(ویذبحو اینہ بنیہم وایتہ بنوتیہم لشدیم)

ترجمہ۔ عربی میں یہ فقرہ ۱۰۵ زبور میں ہے وذبحوا بنیھم وبناتھم للشیاطین ؛

پس یہ سب ترجمے اُردو انگریزی عربی فارسی مقام مذکورہ بالا کے غلط ہیں۔

اَب دیکھنا چاہیئے کہ שד (شد) کی وجہ تسمیہ کیا ہے یعنی عبرانیوں میں جن اور شیطان کو שדה کیوں کہا۔ ظاہر ہے کہ پرانے یہودیوں میں جن و شیطان کے خیالات نہیں تھے وہ ان ناموں سے مطلق واقف نہ تھے جب ایرانیوں یعنی زردشت کے مذہب والوں سے اور یہودیوں سے میل جول ہوا تب اُنھوں نے اُن سے ایسے خیالات اور محاورات سیکھہ لیئے اگرچہ سلیمان کا زمانہ اس واقعہ سے قبل کا ہے۔ مگر مصریوں میں اور کنعانیوں میں اور اَور قوموں میں جو بنی اسرائیل کے اِرد گرد تھیں شدّت سے بُت پرستی اور جن پرستی اور شیطان پرستی ہوتی تھی اور بنی اسرائیل نے کسی نہ کسی مناسبت سے اُن کے نام

رکھ لیئے تھے مثلاً שעירם (سعیرم) بھی عبرانی کتابوں میں (لیویان ۱۷ - ۷ و ۲ اخبارالایام ۱۱ - ۱۵) شیاطین کے معنوں میں آیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ لفظ بالوں والے (بصیغہ جمع) ہے - شعیر کے معنی بال ہیں جسے عربی میں شعر کہتے ہیں اور م جمع کا ہے مصریوں میں ایسی بکری کی جس کے بڑے بڑے بال ہوتے تھے پرستش ہوتی تھی اور جس دیوتا کے نام وہ جھبرا بکرا مخصوص ہوتا (جیسے ہمارے یہاں میراں اور شیخ سدو) تو ایسے بکرے کو اسرائیلیوں نے اصل شیطان کے نام سے موسوم کیا - حالانکہ وہ بکرا شیطان نہ تھا ایسے ہی شدیم بھی اصل میں قوی ہیکل اور مرد ضابط و شدید جو اپنی حیات میں یا مرنے پر پجتے ہوں گے شیاطین کے نام سے موسوم ہو گئے حالانکہ در اصل وہ انسان تھے - یہی لفظ سعیرم اور سعیر توریت میں اور جگہ (توریت کی تیسری کتاب $\frac{4}{22 \text{ و } 23}$ و $\frac{16}{8 \text{ و } 9 \text{ و } 26}$) اپنے اصلی معنوں میں یعنی بکرا اور حلوان آیا ہے *

پرانی زبانوں میں ایسا محاورہ تھا اور اب بھی اس کے آثار ملتے ہیں کہ تمدن کی حیثیت نے بنی آدم کی دو تفریقیں کر دی تھیں ایک تو شہری دوسرے وحشی اور جبلی اس وجہ سے اس قسم کے الفاظ ایش سدہ اور ایش تم عبرانی میں (پیدایش $\frac{25}{27}$) اور جیسے بدوی اور حضری ایسے ہی جن اور انس تھے کیونکہ جن کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور انس جو چیز نظر آوے جو لوگ حضرت سلیمان کے یہاں پتھر تراشنے کا کام کرتے تھے اُن کو جبلیم (۱ سلاطین $\frac{5}{18}$) یعنی پہاڑی کہا ہے اور قرآن میں اُن کو جن اور شیاطین (انبیا) کہا ہے - ان کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ہوگا *

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ שד کے معنی ہیں تباہ کرنا فنا کرنا اور غارت کرنا داخل ہے اس لیئے ڈاکوؤں شریروں کو بھی שד شد کہتے ہیں (کتاب امثال سلیمان علیہ السلام ۲۱ - ۷ اور صحیفہ اشعیا ۱۶ - ۴ میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ہے) اور عربی میں بھی شدة سختی اور زور کو کہتے ہیں بس شد שד یا جو اسکی جمع ہے شدیم - ہندی میں اس کے معنی مہابلی اور مہادیو کے ہونے چاہئیں - اور چونکہ جسقدر چیزیں خدا کے ماسوا پوجی جاتی تھیں اور اب بھی پوجی جاتی ہیں وہ سب انسان اور انسان کی روحیں ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانہ حیات میں کسی نہ کسی وجہ سے بنی آدم پر غالب ہوئے اور بعد مرنے کے اِلٰہ بنائے گئے حتیٰ کہ سیاروں کی پرستش کی اصل یہی ہے کہ اُن کو بھی در اصل انسان مانا جاتا ہے بعد مرنے کے وہ آسمان کو اُڑ گئے

جیسے زہر وغیرہ = پس حضرت سلیمانؑ کے جن اور شیطان شدہ اور شدید ت ۔ واسب حضرت انسان ہی ہیں سے تھے اور قرآن کا مضمون حضرت سلیمان کی کتاب سے بالکل موافق ہے ۔ مخالفوں نے اور نادان دوستوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرآن کا یہ مضمون کہ سلیمان کے پاس جنات تھے محض ایک افسانہ ہے جسے یہود کے بے اصل قصہ کہانیوں سے اخذ کیا گیا ہے مگر اب اُن کی کیسی غلطی ثابت ہوئی کہ سلیمان کی سچی کتاب میں (واعظ ۲/۸) وُہی مضمون جس سے مضمون قرآن کی تصدیق ہوتی ہے ثابت ہوتا ہے ؎

نمل

(۳) حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یایها النمل ادخلو مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لا یشعرون ۔ (نمل)

ترجمہ ۔ یہاں تک کہ جب قوم نمل کی میدان میں پہونچی تو اس قوم کی رئیس عورت نے اپنے اہل قوم سے کہا کہ اے قوم نمل اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمکو نادانستہ آزار پہونچاویں ؎

تفسیر ۔ چیونٹی کو بھی نمل کہتے ہیں اور اس نام کا ایک قبیلہ بھی تھا جب اس قوم یا قبیلے کے ملک میں سلیمان کا لشکر پہونچا تو چونکہ دستور ہے کہ لشکری آدمی اکثر لوگوں پر زیادتی اور جبر کرتے ہیں اس لیئے رئیس قوم نے اپنے اہل قوم کو سمجھا دیا کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو ؎

اب دیکھیے کہ سب قوموں میں دستور ہے کہ وہ اپنے نام جانوروں کے نام پر رکھتی ہیں جیسے

۱؎ اس میں نمل سے ایسا خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ عقلاء یعنی آدمیوں سے کیا جاتا ہے نہ کہ جیسا غیر عقلاء یعنی حیوانات سے ہوتا ہے ۔ جانوروں کی خلقت میں عقل اور نطق رکھا ہی نہیں گیا ولا تبدیل لخلق اللہ ۔

۲؎ حطم کے معنی روندنے کے نہیں ہیں بلکہ توڑنے کے ہیں چیونٹیوں کے مضمون پر جمانے کے لیئے اسکا ترجمہ روندنا کر دیا جاتا ہے ۔

عرب میں اسد اور کلب کے دو مشہور قبیلے تھے اور ہندوستان میں ناگ بنسی۔ تو کیا درحقیقت وہ شیر اور کتے اور سانپ تھے۔ ایسے ہی نمل بھی جو چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور ایک قبیلہ یا قوم کا نام بھی تھا؛

مسلمان مفسروں میں سے عجایب پسند اور وہمی خیال کے آدمیوں نے اس قوم نمل کو چیونٹی سمجھا اور شاعروں کی وجہ سے اس کی بڑی شہرت ہوگئی اور نامسلمان مخالفوں نے اعتراض کی راہ سے اسپر طعن و طنز کیئے۔ ایک قوم تو اپنی سادگی سے اور دوسری قوم شرارت سے بہک گئی؛

قرآن مجید کے جس قدر عربی۔ فارسی اور ہندی ترجمے ہوئے سب نے نمل کا یہی ترجمہ کر دیا حالانکہ یہ نام ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے لائق نہ تھا؛

یونانی زبان کی پرانی کتابوں میں بھی قوم نمل کا حال ملتا ہے چنانچہ اسطرابو یونانی جو ۵۰ سال عیسوی سے ۶۰ برس پیشتر پیدا ہوا تھا اس نے اپنی کتاب جغرافیہ میں (جو اب انگریزی میں ترجمہ ہوکر ۳ جلدوں میں چھپ گئی ہے ۱۸۵۴ء) "مرمی گائیڈ" کا ذکر کیا ہے (اس لفظ کے معنی بھی چیونٹی کے ہیں) کہ وہ زمین سے مٹی کھودتی ہے اور اس میں سے موتی کے ذرے نکلتے ہیں اور ان کے اطراف کے رہنے والے باربرداری لیکر آتے ہیں اور چیونٹیوں سے لڑتے ہیں اور وہ مٹی بھر کر لیجاتے ہیں اور اس میں سے سونا الگ کر لیتے ہیں۔

اس امر کی تصدیق ہمکو مقریزی کی تاریخ سے ہوئی (یہ مورخ احمد المقریزی مصر میں ۱۳۶۰ء سے ۱۴۴۲ء تک تھا۔ اس نے عربی میں مسلمانوں کی تاریخ لکھی) کہ جب ہارون الرشید دورہ کرتے ہوئے وادی نمل میں پہونچے تو وہاں کی ایک بڑھیا نے ان کی دعوت کی۔ (عجیب اتفاق ہے کہ سلیمان کے وقت میں بھی شاید اس قبیلہ پر ایک عورت نملہ حکمراں تھی اور ہارون کے وقت میں بھی ایک بڑھیا اس قوم کی رئیس تھی) ہارون نے اس خیال سے کہ یہ گانوں بہت ہی چھوٹا ہے دعوت قبول کرنے میں تامل کیا آخر قبول کی اور رخصت کے وقت اس بڑھیا نے کئی تھیلیاں اشرفیوں کی نذر کیں۔ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں ایسا سونا بہت نکلتا ہے؛

۱؎ سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے کتاب اقوم المسالک فی احوال الممالک

طیر

(۴) وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الهدهد ام کان من الغائبین لأعذبنه عذاباً شدیداً او لاذبحنه اولیاتینی بسلطان مبین (نمل)

ترجمہ۔ اور سلیمان نے لشکر کا جایزہ لیا تو کہا کہ کیا وجہ کہ ہدہد (جو ایک شاید میر فوج یا مصاحب تھا) نظر نہیں آتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہو گیا اس کی پٹی سزا کروں گا یا قتل کرونگا اگر وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کریگا[1]۔

تفسیر۔ لوگوں نے اُردو میں اس کا ترجمہ عجیب کیا ہے کہ اور خبر لے اُڑتے

(ص ۳۷) میں جس کا ترجمہ نظم الممالک (ص ۶۲) میں ہوا ہے لکھا ہے کہ۔

"مقریزی نے ماموں رشید کی ایک حکایت لکھی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ثروت اور دولت اُن کے عدل کے زمانہ میں کیسی ترقی پر تھی چنانچہ اُسنے لکھا ہے کہ جب ماموں رشید نے مصر کے علاقہ کا دورہ شروع کیا تو وہ ہر گانوں میں ایک رات دن ٹھہرتا تھا جب وہ طاء النمل ایک گانوں میں پہونچا تو وہاں حسب معمول اُس نے قیام نہ کیا اور آگے کو چلا تو ایک بوڑھیا اُسی گانوں کی ماموں رشید کی خدمت میں آئی اور اُس نے عرض کیا کہ آپ میرے گانوں میں بھی قیام فرماویں جب ماموں رشید نے اُس کی التجا کو قبول فرمایا اور وہاں قیام کیا تو اُس بوڑھیا نے اپنی حیثیت کے موافق ماموں رشید کی اور اُسکے لشکر کی دعوت کا سامان کیا اور جب ماموں رشید نے وہاں سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو اُس بڑھیا نے دس تھیلیاں اشرفیوں کی ایک ہی برس کے تکلی کی ماموں رشید کی نذر گذرانیں ماموں رشید اوّل تو اپنی اور اپنے لشکر کی دعوت سے ہی متعجب ہوا تھا جب اُس نے اسقدر اشرفیاں دیکھیں تو اَور بھی زیادہ متعجب ہوا اور بوڑھیا سے کہا کہ ہم تیری نذر نہیں لیتے تو ایک غریب بوڑھیا ہے اُس بوڑھیا نے کہا کہ یہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ یہ سونا تو ہمارے گانوں کی مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے میرے پاس تو بہت کچھ اَور موجود ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے جب ماموں رشید نے یہ سنا تو اُسکو خوشی سے قبول کیا اور اُس بڑھیا کی اُس گانوں میں عزت اور وقعت زیادہ کردی"۔

[1] یہ باتیں اُسی کی نسبت کہی جاتی ہیں جو کہ مکلف اور ذی عقل نہ ہو کہ چڑیوں کی نسبت۔

جانوروں کی طرح حالانکہ طیرہ کے معنی لشکر کے بھی ہیں - حماسہ میں جو علم عربیت کی معتبر اور مشہور کتاب ہے - موسیٰ بن جابر کا یہ ایک شعر ہے +

فما نفرت جنی ولا فل مبردی

ولا اصبحت طیری من الخوف وقعاً

اس کی شرح میں شیخ ابو زکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی نے لکھا ہے ویجوز ان یرید بالطیر سوایاہ وطوایف خیلہ التی کانت تذھب فی الغارات والارتباء وتجسیس الاخبار وغیرھا (ص ۱۸۲ شرح حماسہ مطبوعہ بون ۱۸۲۸ع)

ہدہد

ہدہد ایک آدمی کا نام ہے اور ایک چڑیا بھی عربی زبان میں ہدہد کہلاتی ہے اور لفظ ہداہد جو کہ ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں تھا (صراح) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور آدمی اسی نام کے یا اسی کے قریب اللہجہ نام کے تھے چنانچہ ہدد ۱۱؎ جس کا ذکر کتاب اول سلاطین ۱۱/۱۴ میں ہے ہدد عزر ۱۱؎ ایضاً ۱۱/۲۳ اور شاید بعض تفسیروں میں ہے کہ ہدہد بلقیس کے چچا کا نام تھا اور ڈاکٹر پوکاک کی تاریخ عرب میں جو سولھویں صدی میں تصنیف ہوئی بلقیس کے باپ کا نام ہداد بن شرحبیل لکھا ہے - مفسرین نے لفظ طیر کی مناسبت سے ایک انسان سردار لشکر یا مصاحب حضرت سلیمان یعنی یہ ہدہد کو چڑیا بنا دیا +

عفریت - عرش

(۵) قال یا ایھا الملاء ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین - قال عفریت [1] - [2] من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین + (نمل)

---

[1] قولہ تعالیٰ - عفریت التاء زایدۃ لانہ من العفر یقال عفریت وعفریتہ - اعراب القرآن +

[2] بخاری نے (کتاب الصلوۃ وتفسیر میں) روایت کی ہے - حدثنا اسحاق بن ابراھیم

ترجمہ - حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ اس کا تخت اُن کے حکم بردار ہو کر آنے سے پہلے لے آوے قبیلہ جن میں سے عفریت نامی ایک شخص نے کہا

(بخاری صفحہ ۱۷۲)

حدثنا روح ومحمد بن جعفر عن شعبة عن محمد بن زیاد عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان عفریتا من الجن تفلت علی البارحة او کلمة نحوھا لیقطع علی الصلواة فامکننی اللہ منہ واردت ان اربطہ الی ساریة من سواری المسجد حتی تصبحوا وتنظروا الیہ کلکم فذکرت قول اخی سلیمان ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی قال روح فردہ خاسئا ٭

یعنی جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عفریت جن میں سے میری نماز میں آیا میں نے اُسکو پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد کے ستون سے باندھ رکھوں مگر سلیمان کا قول یاد آیا الخ

یہ روایت ثابت اور صحیح نہیں ہے ٭

اوّل تو یہ کہ یہ ایک خبر واحد ہے جو مفید علم و یقین نہیں ہوتی ٭

دوسرے یہ کہ اس کے راوی نے ٹھیک وہ الفاظ جو جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے یاد نہیں رکھے چنانچہ اس کا شک اور تردد او کلمة نحوھا سے ثابت ہے ٭

تیسرے یہ کہ یہ روایت معنعن ہے جس میں شعبہ اور محمد اور ابی ہریرہ اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عنعن کر کے روایت ہوئی ہے جو اتصال پر یقیناً حمل نہیں ہو سکتی احتمال ہے کہ ان سب راویوں کے درمیان ایک ایک دو دو واسطہ چھوٹ گیا ہو ٭

چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ سے اکثر غلط روایتیں مشہور ہو گئی ہیں اور خود اُن کے زمانہ میں بھی اُن کی روایت پر لوگ طمانیت نہیں کرتے تھے اور اُن کی روایتوں کو حضرت عائشہ پر عرض کر کے تصحیح یا تغلیط کرتے تھے - چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے (باب استحباب بدؤ النعال بالیمنی الخ) حدثنا ابوبکر بن ابی شیبہ (وابوکریب واللفظ لابی کریب قالا) حدثنا ابن ادریس عن الاعمش عن ابی رزین قال خرج الینا ابوھریرة رضی اللہ عنہ فضرب بیدہ علی جبھة فقال الا انکم تحدثون انی اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی ابو رزین کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ہم لوگوں کے پاس آئے اور اپنا ماتھا کوٹ کے فرمانے لگے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہوں الخ

(مسلم جلد ۲)

کہ آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے میں اُسکو لا دیتا ہوں اور میں اُس پر قوی اور امین ہوں ❊

تفسیر۔ عفریت ایک آدمی کا نام تھا اور کسی شہر یا قلعہ کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ قاموس میں عفر کے مادہ میں لکھا ہے اسم ارض وقلعۃ بفلسطین واسم امراۃ والرجل الکامل ضابط القوی ۔ پس یہ عفریت جو حضرت سلیمان کے دربار میں تھا قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے ہیں ہوگا اور یہ نام یا تو شہر عفرون کی نسبت سے اُس کا ہوگا یا اُس کا ذاتی نام اور یا اُس کی قوت اور شرارت کی وجہ سے وہ عفریت کہلاتا ہوگا جس کا اشارہ لفظ قوی میں بھی ہے اور یہ تو عجائب پرستوں کی ایک خام خیالی ہے کہ وہ راکھس یا دیو تھا ❊

عبرانی کتابوں میں عفرہ עפרה آدمی کا نام بھی ہے (١ اخبار الایام ١٤/٤) اور شہر کا نام بھی (قاضیوں کی کتاب ١١/٦ ٢٧/٨ ٥/٩) ایسے ہی عفرون עפרון بھی آدمی کا نام ہے (پیدائش ٨/٢٣ ٩/٢٥) اور شہر کا نام بھی (٢ اخبار الایام ١٩/١٣ یوشع ٩/١٥ ❊)

(٦) قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک[1] طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی اشکر ام اکفر (نمل)

ترجمہ۔ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا کہ میں اسکو ایک طرفۃ العین میں لا دیتا ہوں پھر جب سلیمان نے اسکو اپنے پاس کھڑا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے خدا کے فضل سے ہے کہ میری آزمایش کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری ❊

تفسیر۔ وہ عفریت تو قوم عمالیق سے تھا اور شخص اہل کتاب میں سے تھا اس نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو بہت جلد منگوا دیتا ہوں غالباً اس کا تخت ایک معمولی طور کے بیٹھنے کی چوکی ہوگی جسے بلقیس ساتھ لائی ہوگی وہ اس نے بلقیس کے یہاں سے منگوا دی اور یہ بات

پانچویں یہ کہ ربیع راوی بھی متکلم فیہ ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری تصنیف ابن حجر عسقلانی کے مقدمہ کی نویں فصل سے ظاہر ہے پس یہ روایت کسی طرح قابل یقین نہیں ہو سکتی ❊

[1] انہ اراد المبالغۃ فی السرعۃ کما یقول لصاحبک افعل ذلک فی لحظۃ وھذا قول مجاھد الخ ۔ تفسیر کبیر رازی

غالباً بلقیس کی اطلاع سے ہوئی چنانچہ دوسری آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب ملکہ سبا کو وہ تخت دکھلا کے پوچھا گیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے اس نے کہا "کانہ واوتینا العلم من قبلہا" کہ گویا یہ وُہی ہے اور ہمکو معلوم ہو چکا آگے سے۔ قصہ گو مفسروں نے محض ان سیدھی سادھی باتوں کو افسانہ کا رنگ دینے کو بہت کچھ مبالغے کیئے ہیں کہ بلقیس کا تخت حد سے زیادہ مثلاً ۸۰ گز لمبا تھا اور وہ اسکو سات کوٹھڑیوں میں سبا میں بند کرائی تھی اور اسپر پہرے کھڑے تھے۔ اور آصف وزیر سلیمان نے درحقیقت ایک طرفۃ العین میں اسطور سے منگا دیا کہ[1] اسم اعظم پڑھا اور وہ تخت زمین کے نیچے ہی نیچے چلا آیا اور سلیمان علیہ السلام کے قریب آکر زمین سے پیدا ہو گیا۔ قرآن کے مضمون میں کوئی ایسا مضمون خلاف مجرائی طبعی اور افسانہ کے طور پر نہیں ہے۔ مگر قصہ خوانوں نے اپنی طرف سے لغو اور بیہودہ حکایتیں بڑھا اور ملا کے اسی اصلی باتوں کو ایک مسخریہ بنا دیا ہے ۞

کشف ساق

(۷) قیل لھا ادخلی الصرح فلما رأتہ حسبتہ لجۃ وکشفت عن ساقیھا قال انہ صرح ممرد من قواریر (نمل)

ترجمہ کسی نے کہا اُس عورت کو اندر چل محل میں تو جب دیکھا اُس نے وہ سمجھی کہ پانی ہے اور گھبرائی (کہ کیونکر جاؤں) کسی نے کہا یہ تو ایک محل ہے اس میں شیشے جڑے ہیں ۞

تفسیر۔ کشف ساق سے کنایتاً گھبراہٹ مراد ہے کیونکہ جب کوئی ہنگامہ برپا ہویا معرکہ جنگ میں شکست ہو ہلڑ مچے اور ہل چل اور بھاجڑ پڑے تو عرب کے لباس کے مقتضا سے پنڈلیاں کھل جائینگی ۞

پس یہاں یہ ترجمہ بہت ہی مناسب اور چسپاں ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اَور بھی کشف ساق کا ذکر ہے یوم یکشف عن ساق (ن) اور یہاں قیامت کے ہَول اور گھبراہٹ اور ہڑاہڑ اور افراتفری مچ جانے سے یہی صاف اور صحیح معنی ہو سکتے ہیں کہ جس دن ہلڑ مچے۔ نہ یہ کہ حقیقت میں کسی کی پنڈلی کھل جائے اور عرب کا ایسا محاورہ بھی ہے کہ جب لڑائی میں شدت ہو

---

[1] ذوق اسمار الٰہی میں سب اسم اعظم اسکو ہر نام میں عظمت ہے نہ ایک نام میں خاص ۞

تو کہتے ہیں کشفت الحریم عن ساق۔ جو لوگ یہاں پر یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ ملکہ سبا نے اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کر دیں تاکہ اس پانی میں اتر جاوے وہ صرف اس لغو قصہ کی رعایت سے ایسا کہتے ہیں یعنی حضرت سلیمان سے جنات نے کہا تھا کہ ملکہ بلقیس ایک جنیہ کے پیٹ سے ہے اور اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اس کے پیر گدھے کے کھر کی مانند ہیں تو اس امر کی تحقیق کے لیے حضرت سلیمان نے یہ سب سامان کیا تھا مگر حضرت سلیمان کی نبوت اور حکمت پر نظر کرنے سے یہ قصہ محض واہیات معلوم ہوتا ہے اور یقیناً جھوٹ ہے یہ اُن کا بادشاہی سامان تھا اور اس پانی کو دیکھ کر ملکہ سبا گھبرائی تھی کہ کیونکر جاؤں اتنے میں کسی نے کہہ دیا کہ اس پانی پر آئینہ کا فرش ہے ✤

(۸) اس مضمون میں ہمنے تفسیروں کی عبارتوں سے اور مختلف مفسروں کے اقوال سے بحث نہیں کی۔ ہمیں ہندی سادہ سر سری۔ صرف قرآن مجید کی عبارت اور اُسپر ضروری امر متعلق تھا لکھدیا ہے کیونکہ اس تحریر سے مقصود ہے کہ قرآن مجید میں جو ایسی باتیں ضمناً تفسیر کے لباس اور قصہ خوانوں کی وجہ سے داخل سمجھی جاتی ہیں اُن سے مضمون قرآنی کو پاک کیا جاوے اور جو سچی اور سیدھی بات ہو وہی راست راست بیان کی جاوے اور جو کچھ اعتراضات منکروں کی طرف سے ان مضمونوں پر وارد ہوتے ہوں اُن کو یہ بات صاف صاف دکھلا دینی چاہیئے کہ اس قدر تو امر حق اور واقعی ہے اور اس قدر لغو اور جھوٹ ہے اور جس قدر جو مضمون قرآن میں ہے وہ تاریخی واقعات اور مجرائے طبعی کے موافق ہے۔ اگر تفسیروں میں جھوٹے قصے اور خلاف حقیقت حکایتیں بھری ہوں تو اس سے قرآن اس کا ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ہو سکتا ✤

بعضے بعضے ہوشیار اور حکیم مزاج مفسروں کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ یہ قصے تفسیروں کے پیرایہ میں اعتراض کے قابل ہیں اور اُنھوں نے اپنے زمانہ کے علم و حکمت کے رنگ اور مقدور کے موافق اس کے جواب دینے اور اعتراض اٹھانے پر کوشش بھی کی مگر پھر بھی اُنھوں نے جواب دینے میں ایک عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا وہ یہ کہ اُنھوں نے قرآن کے سچے مضمون اور تفسیروں کی جھوٹی کہانیوں میں تمیز نہیں کی الا کہیں کہیں ✤

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں سورہ نمل کی تفسیر میں انھیں آیتوں کے ذیل میں لکھا ہے :۔

ان الملاحدة طعنت فی ہذہ القصة من وجوہ - احدھا ان ھذہ الآیات اشتملت علیٰ ان النملة والھدھد تکلما بکلام لا یصدر ذالک الکلام الا من العقلاء وذالک یجر بنا الی السفسطه فانا لو جوزنا ذالک لما امنا فی النملة التی تشاھدھا فی زماننا ان یکون اعلم بالھندسه من اقلیدس وبالنحو من سیبویہ وکذ القول فی القملة والصبیان ویجوز ان یکون فیھم الانبیاء والتکالیف والمعجزات ومعلوم ان من جوزہ کان الی الجنون اقرب - وثانیھا ان سلیمان علیہ السلام کان بالشام فکیف طار الھدھد فی تلک اللحظة من الشام الی الیمن ثم رجع الیه +

والجواب عن الاول ان ذالک الاحتمال قایم فی اول العقل وانما یدفع ذالک بالاجماع وعن الثانی ان الایمان بافتقار العالم الی القادر المختار یزیل ھذہ الشکوک —

اور پھر دوسری جگہ لکھا ہے وھھنا سوال وھو انہ کیف یعقل وصول المسافر بعیدہ عن ینتقل العرش فی ھذالزمان وھذا تقتضی اما القول بالطفرہ او حصول الجسم الواحد دفعة واحدة فی مکانین - جوابہ ان المھندسین قالوا کرة الشمس مثل کرة الارض مایة واربع وستین مرة ثم ان زمان طلوعھا زمان قصیر فاذا قسمنا زمان طلوع تمام القرص علی زمان القدر الذی بین الشام والیمن کانت اللمحه کثیرة فلما ثبت عقلا امکان وجود ھذہ الحرکة السریعة وثبت انه تعالیٰ قادر علی کل الممکنات زال السؤال - (از نسخہ قلمی)

بھلا وہ قصے تو عجیب تھے ہی یہ جواب اُن سے بھی زیادہ عجایب و غرایب ہیں خیر اُس زمانہ میں شاید یہی جواب کافی ہوگا +

ہمنے جو ترجمہ اور مختصر سی تفسیر کردی ہے اس سے سب قسم کے اعتراضات خواہ وہ علوم حکمیہ کی قسم سے ہوں یا تاریخی واقعات کی قسم سے دفع ہوجاتے ہیں اور سچا مضمون قرآن کا ثابت ہوتا ہے +

اور مضامین حضرت سلیمان کے جو سورہ سبا - انبیا اور ص میں ہیں اُن پر پھر کبھی نظر کیجاویگی +

تسخیر ریح - جہاز رانی - عین القطر یعنی صناعت سے پگلا ہوا تانبا اور اُس کا مقام - جنّ و شیاطین - صور کے مُلک کے پہاڑی آدمی جو فنون اور دستکاری و جہاز رانی میں بڑے صنّاع اور اُستاد کا تھے - باذنِ ربّہٖ یعنی حرام کاریگر کا اپنے بادشاہ کی اجازت سے حضرت سلیمانؑ کا کام کرنا - اُسکی صناعیوں کی تفصیل - صحف سابقہ سے قرآن مجید کی تطبیق اور تصدیق اور انکشافات جدید کی توقع

(۱) قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا ہے کہ ہوا کو سلیمان علیہ السّلام کے تابع یعنی مسخر کردیا تھا - ولسلیمان الریح غدوّھا شھر ورواحھا شھر (سبا - رکوع ۲) ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیہ (انبیا رکوع ۶) وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب (ص رکوع ۳) •
سورہ ابراہیم میں ہے وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار •
ترجمہ - اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اُسکے حکم سے اور کام میں دیں

تمہارے ندیاں اور کام میں دیئے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں دیئے تمہارے رات اور دن ۔

ان آیتوں سے صاف کھل جاتا ہے کہ قرآن میں تسخیر کا مضمون کس محاورہ پر آتا تھا یہ عوام الناس کی تسخیر نہیں ہے جو پریوں کو تسخیر کرتے ہیں اور منتر پڑھتے ہیں - بلکہ جملہ اہل عالم کا ان چیزوں سے قدرتی طور پر متمتع ہونا ان چیزوں کا اُن کے مسخر ہو جانا ہے ورنہ کسی نے ہم میں سے کوئی پڑھنت پڑھکر کشتیوں اور دریاؤں کو اور چاند اور سورج اور رات اور دن کو مسخر نہیں کیا ہے ؛

(۲) مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان ایک اوڑن کھٹولے پر[۱] سوار ہو کر معہ ساز و سامان وحشم و خدم اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر یعنی ممالک شام و ایران و یمن و فلسطین یا دمشق سے اصطخر اور فارس اور وہاں سے کابل کی سیر کیا کرتے تھے مگر مفسرین کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہینگے تو ایک انوکھی بات کہینگے جس کا کچھ پتا ٹھکانا نہ ہو وہ اپنے خیال کی بلند پروازیوں سے وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ؛

میرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
شعرا اپنی ہوا باندھتے ہیں

وہ کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے - وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بارِ شتر یہود کے قصہ کہانیوں کا مل گیا تھا وہی اُن کا مایہ بساط ہے حالانکہ حضرت سلیمان کی تاریخی کتابیں جو یہود کے مجموعہ اربع عسیریم کے صیغۂ کتوبیم میں مدون ہیں - اگر اُن پر رجوع کرتے تو اُنھیں ان آیات کی تفسیر میں بادہوائی قصہ کہانی لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی ؛

(۳) کتاب سلاطین اور اخبار الایام کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے بنی اسرائیل میں اوّل اوّل جہازرانی شروع کی اُن کے دو بڑے بڑے بیڑے بحر روم اور بحر ہند میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے ہوا کے رُخ پر چلتے تھے اور چونکہ اُس زمانہ میں دخانی جہاز نہ تھے اور بادی جہاز بغیر تسخیر ہوا کام نہیں دیتے - اُن کی رفتار ایسی تھی کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اسقدر مسافت طے کر جاتے تھے جو اُس

۱ غبارہ کا احتمال ہوسکتا ہے مگر اسکا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے ؛

زمانہ میں ایک مہینے کے سفر میں طے ہوسکتی تھی۔ اور الی الارض التی بارکنا سے بھی اُن کی واپسی پر اشارہ ہے پس سلیمان علیہ السلام کے ان جہازوں کا چلنا اور ہوا کا مسخر ہونا ایک ہی بات ہے۔ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جس میں مفصل کیفیت لکھی جاتی بلکہ اس میں تو بر سبیل تذکرہ فضائل سلیمان علیہ السلام اور انعامات الٰہی کے بیان میں اس بات پر اشارہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مفصل لکھی ہوئی ہے ❊

(۴) سفر الملوک اوّل (ب ۹) میں لکھا ہے (۲۶) پھر سلیمان بادشاہ نے عصیون جبر میں جو ایلوث کے نزدیک ہے دریائے قلزم کے کنارہ پر جو ادوم کی سرزمین میں ہے جہازوں کے بحر بنائے اور حیرام نے اُس بحر میں اپنے چاکر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے سلیمان کے چاکروں کے ساتھ کر کے بھجوائے اور وے اوفیر کو گئے اور کتاب سفر الایام ثانی (ب ۲) میں حیرام کا قول بخطاب سلیمان منقول ہے (۱۶) ہم جتنی لکڑیاں تجھکو درکار ہیں لبنان میں کاٹینگے اور اُنھیں بیڑا بندھوا کے سمندر پر سے تیرے پاس یافا میں پہونچاویں گے۔ پھر اسی کتاب کے باب آٹھ میں ہے۔ اُسوقت سلیمان سمندر کے کنارے ادوم کے ملک میں عصیون جبیر اور ایلوث کو گیا اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں کو اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس اپس بھیجا اور وے سلیمان کے چاکروں کے ساتھ اوفیر کو گئے اور وہاں سے ساڑھے چار سَو قنطار سونا لیا اور سلیمان بادشاہ کے پاس لائے ❊

پھر اسی کتاب کے نویں باب میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ کے جہاز حورام کے نوکروں کے ساتھ طرسیس کو جاتے اور وہاں سے اُن پر تین برس میں ایک بار سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور بندر اور مور لے کے لیئے بھیجتے تھے۔ اس سے ثابت ہے کہ مقام عصیون جبر میں حضرت سلیمانؑ نے جہاز بنوایا تھا اور وہ جہاز اوفیر کو جاتا تھا اور دوسرا جہاز طرطیس کو جاتا تھا ❊

(۵) محققین نے اس امر میں اختلافؔ کیا ہے کہ اوفیر کس مقام پر تھا اس شہر کا نام صحیفہ

لہ دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۶۰۷۔ اور مبلط کی کتاب الکائنات (ج ۲ ص ۴۹ ۲ و ۵۰۰) اور خطبات الاحمدیہ تصنیف مولوی سید احمد خاں بہادر نجم الہند خطبہ جغرافیہ عرب۔

ایوب ۲۸ ۱۶ میں بھی ہے۔ ترجمہ یونانی سبٹوا جنٹ میں اوفرہ کی جگہ سفرہ لکھا ہے۔ بعضے تو ہاتھی دانت اور بندر اور طاؤس کے قرینہ سے اسکو ہندوستان کا کوئی شہر جو مغرب کے کنارہ پر ہوگا بتلاتے ہیں اور بعضے اُسکو افریقہ کا مشرقی کنارہ بتلاتے ہیں اور لفظ تکوہم کا ترجمہ طوطوں کی ایک قسم کرتے ہیں نہ کہ طاؤس۔ ادریسی نے اپنے جغرافیہ میں سفرا کو افریقہ میں قائم کیا ہے اور بطلیموس نے ایک سفرا عرب میں اور ایک ہندوستان میں لکھا ہے ؛
شاید طرسیس وُہی مُلک ہے جو قرطاجنہ کے پاس افریقہ کے کنارہ پر ہے اور اب ٹونس[1] کے نام سے موسوم ہے۔ مگر ان باتوں کی تحقیق خارج از بحث ہے اس لیئے اوفیر اور طرسیس کی بحث میں جو جغرافیہ کے متعلق ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاتی ؛

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ[2] الْقِطْرِ[3] (سبا)

(۶) شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ ہے "و روان ساختیم برائے او چشمۂ مس" اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے "اور بہا دیا ہمنے اُسکے واسطے چشمہ پگھلے تانبے کا"۔ مگر تانبا جو ایک معدنی جوہر ہے وہ پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ جماہ جواہر کانی یعنی معدنیات بجز پارے کے سخت اور صلب ہوتے ہیں۔ قطر کے معنی جمال قرشی نے صراح میں مس کے لکھے ہیں۔ اور فیروزآبادی مجدالدین نے قاموس میں اس کے معنی (النحاس الذائب اوضرب منه) یعنی پگھلا تانبا یا اُس کی ایک قسم۔ اس میں قدرت کا بیان نہیں ہے کیونکہ فطرت میں تانبا پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ صنعت کا بیان ہے جس سے سمجھا جاویگا کہ حضرت سلیمان نے تانبے کے پگھلوانیکا کارخانہ جاری کیا ہوگا جو کہ بیت المقدس اور بیت الملک

---

[1] ٹونس مدينة كبيرة محدثة بافريقة على ساحل البحر عمرت من انقاض قرطاجنة وهي على ميلين ههنا وكان اسم ٹونس ترسيس۔ ابوالفداء

[2] مشہور ہے کہ عربی زبان میں عین کے بہت معنی ہیں چنانچہ عاین کے معنی گزیدہ ہر چیز ہے وشخص ونفس ہر چیز بھی ہیں۔ صراح اور قاموس میں ہے دار الشی والسیل پس یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ہمنے اس کے لیئے عمدہ تانبا پگھلا دیا ؛

[3] اسلنا۔ اذبنا۔ جلالین ؛

وغیرہ عمارات شاہی کے مصرف میں آتا ہوگا +

(۷) پس جو کچھ اس میں علم حقایق اشیاء کی جہت سے اعتراض ہوتا ہے وہ تو رفع ہوگیا۔ اب اس پگھلے تانبے کے چشمہ کا تاریخی ثبوت باقی رہا اور وہ یہ ہے :-

سفر الملوک الاول جو ملاخیم کی پہلی کتاب ہے اور اُردو ترجموں میں سلاطین کی پہلی کتاب کہلاتی ہے اُس کے ساتویں باب کی ۱۳ اور ۱۴ آیت میں ہے :-

پھر سلیمان بادشاہ نے صور سے حیرام کو بلا بھیجا اور وہ نفتالی فرقہ کی بیوہ عورت کا بیٹا تھا اور اُس کا باپ صور کا آدمی ٹھٹھیرا تھا اور وہ دانش اور عقلمندی اور حکمت سے کہ پیتل کے سب طرح کے کام کرے معمور تھا۔ سو وہ سلیمان بادشاہ پاس آیا اور اُس کا سب کام کیا۔ اور اسی باب میں تانبے سے جو چیزیں بنائی گئیں اُن کی تفصیل بھی لکھی ہے اور پھر کتاب سفر الایام الثانی جو اخبار الایام کہلاتی ہے اُسکی دُوسری کتاب کے دوسرے باب کی ۱۳ و ۱۴ آیت میں ہے۔ اور اب میں حورام ابی ایک ہوشیار شخص کو جو کہ امتیاز کرنا جانتا ہے بھیجتا ہوں اور وہ دان کی بیٹیوں میں سے ایک عورت کا بیٹا ہے پر اُسکا باپ صور کا ایک شخص ہے وہ سونے روپے اور پیتل اور لوہے اور پتھر اور لکڑی اور ارغوانی اور آسمانی اور کتانی اور قرمزی اور ہر طرح کے نقشہ کا کام جانتا ہے اور ہر ایک منصوبے کو جو اُس سے پوچھا جاوے اُس کے ایجاد کرنے میں ماہر ہے +

اصل عبرانی میں نحاس کی جگہ נחשת (نحشت) ہے اور وہ ایک ہی لفظ ہے جسکے معنی تانبے کے ہیں +

اور کتاب دبری ہیم ۲ (۴/۱۶) میں נחשת מרוק نحشة مروق یعنی نحاس مروق اور وہ یہی قطر۔ مس گداختہ اور پگھلے تانبے کے بنے ہوئے برتن تھے ترجمہ عربی میں (نحاس نقی) اور کتاب ۱ ملاخیم میں ۷/۴۵ נחשת ממרט نحشة ممراط جس کا عربی ترجمہ نحاس رومی ہے یعنی صاف بنایا ہوا تانبا +

(۸) یہود کی انھیں کتب مقدسہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمہ تانبے کا یعنی وہ مقام جہاں تانبا پگھلایا گیا تھا اردن کے میدان میں کنکھناتی مٹی میں سوکوث (ساخوت) اور صرطان (صاروثانا) کے درمیان میں تھا (دیکھو اخبار الایام ۴/۱۷ و سلاطین اول ۷/۴۶) +

مفسرین اسکو قدرتی چشمہ بتلاتے ہیں اور یہ خلاف فطرت ہے اور اسکی جگہ ملک یمن میں

تبلاتے ہیں اور یہ خلاف حقیقت ہے

(کاریگران)
(۹) ومن الشّیاطین من یغوصون له یعملون عملاً دون ذالك وکنا لهم حٰفظین (انبیا) والشّیاطین کل بنّاء وغوّاص - واٰخرین مقرنین في الاصفاد (ص ۲ ع) ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر - یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات اعملوا اٰل داؤد شکراً وقلیل من عبادي الشکور (سبا ۱۴۸)

ان میں کوئی اصطلاحی جن و پری اور خیالی شیاطین و دیو مراد نہیں اور نہ وہ ہوائی جنات ہیں جن کو تشکل باشکال مختلفہ کا اختیار ہے اور نہ وہ شیاطین ہیں جن کو شیطان پرستوں نے معبود باطل اور شفیع مان رکھا ہے بلکہ یہاں جن اور شیطان اُن کاریگروں اور اُستادکاروں کو کہا ہے جن کو حیرام ۲ نے حضرت سلیمان کی درخواست پر بیت المقدس کی تیاری اور بنانے کے لئے بھیجدیا تھا اور نیز ان ملاحوں اور جہازی کام دینے والوں کو کہا ہے جن کو اسی حیرام ۲ بادشاہ صور نے حضرت سلیمان کے جہازوں پر کام کرنیکو بھیجدیا تھا - اور نیز ان غیر قوم کے آدمیوں کو کہا ہے جو بنی اسرائیل کی قوم سے نہ تھے اور غیر ئیم کہلاتے تھے - جن کو تعمیر کے کام پر لگایا تھا - انھیں تینوں قسموں کے آدمیوں نے

بیت المقدس اور شاہی تعمیرات اور جہاز رانی کے کام کیئے اور یہی لوگ جن اور شیطان اور بنّار اور غوّاص ✦

(۱۰) جب سلیمان نے بیت المقدس (مسجد اقصےٰ) بنانے کی تیاری کی تو حیرام بادشاہ صور کو کہلا بھیجا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت داؤد کی جو مراد بیت المقدس بنانے کی تھی وہ تو لڑائیوں کے شغل سے پوری نہیں ہونے پائی مگر اب میں چاہتا ہوں کہ اسکو پورا کروں الا میری قوم میں صیدانیوں کی طرح لکڑی کاٹنے کے کام جاننے والے نہیں ہیں (ا سلاطین ب ۵ - ۲ اخبار باب ۲) چنانچہ حیرام ۲ نے ایک مرد عارف بھیجدیا جو معدنیات کے کام اور نقاشی وغیرہ میں اُستاد تھا۔ (سفر الایام - ب ۲/۱۴) ✦

اور اپنے لڑکوں کو اجازت دی کہ جبل لبنان سے دریا تک ارز اور سرو کی لکڑیاں پہنچادیں اور سلیمان کے بنا، (عمارت بنانیوالے) اور حیرام کے بنا اور جبلیوں یعنی پہاڑی آدمیوں نے لکڑی اور پتھر تراشے (کتاب اول سلاطین ۵/۸ و ۱۸) ✦

(۱۱) پھر جب سلیمان علیہ السلام نے عصیون جبر کے مقام پر جہاز بنوایا تو حیرام ۲ بادشاہ صور نے بہت سے ملاح جو فن جہاز رانی کو خوب جانتے تھے بھیجدیئے (اسلاطین ۹/۲ ۲ اخبار ۸/۱۸) - اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس پاس بھیجا - انہیں کو قرآن مجید میں غوّاص کہا ہے - وہ جواہرات اور سونا وغیرہ بھی لاتے تھے (اسلاطین ۹/۲۸ ۲ اخبار الایام ۹/۱۰) ✦

(۱۲) پھر اقوام غیر میں سے جو لوگ بقیۃ السیف کنعان میں بچ رہے تھے حضرت سلیمان نے اُن کا شمار کر کے (جو ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ پائے گئے) ان کو مصالح ڈھونے اور پہاڑ کھودنے کے کام پر لگایا (۲ اخبار الایام ۲/۱۷ و ۱۸) یہ بھی جن و شیطان کہلائے جو کہ اموریوں - حیتانیوں - فرزانیوں - حوائیوں اور یابوسیوں کی قوم سے تھے ✦

(۱۳) پس یہ تو سب انسان اور بنی آدم ہی تھے جن کو جن اور شیطان کہا ہے نہ کہ وہ جن اور شیطان جن کو عوام نے اپنے ذہن سے عجیب عجیب خواص اور کیفیتوں کی ارواح بنالیا ہے - اب یہ بات کہ بن آدمیوں کو عبرانی زبان کی کتب ملاخیم اور دبری حیم میں ؛؛ بنی - تعمیر کرنیوالے کتاب اول سلاطین ۵/۳۲ و ترجمۂ لب ۵/۱۰)

اور - אנשי אניות ידע הים انشی اینوث یدیع ہیم - ملاح لوگ سمندر

جاننے والے (کتاب اوّل سلاطین ۹/۴) اور דּבלים جبلیم۔ پہاڑی (کتاب اوّل سلاطین ۵/۱۸ ترجمہ انگریزی ۵/۳۲) اور זרים غیریم۔ اجنبی اور اغیار (جن کو عربی ترجمہ میں رجال الغربا لکھا ہے ۲ اخبار الایام ۶/۳۲) اور وہ لوگ صور اور صیدا اور جبل لبنان کے رہنے والے اور غیر قوم کے تھے اُن کو قرآن مجید کے عربی الفاظ میں جن اور شیاطین کیوں کہا۔

(۱۴) اسکا جواب یہ ہے کہ تعجب یا اعتراض معترض کے سبق ظن سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر سب کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جن ایک خاص قسم کی ایسی مخلوق ہوا میں رہتی ہے اور شیطان بھی ایک وجود خاص ہے جو آدمیوں کو بھکاتا پھرتا ہے۔ اس لیے جب یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں فوراً وہی خیالات پیش نظر ہوجاتے ہیں۔ اگر ان توہمات سے انسان خالی الذہن ہو تو نہ کچھ تعجب ہوگا اور نہ اعتراض کا موقع ملیگا البتہ زبان نہ جاننے سے جو دقت پیش آویگی وہ کتب لغات سے رجوع کرنے اور علم مطابقت السنہ کے پڑھنے سے دُور ہوجاویگی۔

(۱۵) عرب کے محاورہ میں اُس شخص کو جو اُستاد فن یا بڑا کاریگر اور تیز و چالاک اور عارف اور حاذق ہو جن اور شیطان کہتے ہیں اس محاورہ کی تصدیق شیخ ابو زکریا یحیٰی بن علی الخطیب التبریزی کی شرح حماسہ سے ہوتی ہے جس کے صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ ۱۸۲۸ء میں لکھا ہے قال ابوالعلاء[1] کانت العرب تذکر الجن کثیرا و تشبیہہ الرجل النافذ فی الامور بالجنی والشیطان فلذالک قالو انفرت جنہ او اضعف و ذل الخ پس جس شخص کو یہودی کتب مقدسہ میں رجلا حکیما عارف الفہم (سفر الایام الثانی ۲/۱۳) اور رجلا حاذقا الصناعۃ النحاس ملہما حکمۃ و عقلا (سفر الملوک الثالث ۷/۱۴) لکھا ہے اسی کو اور ایسوں ہی کو قرآن میں عرب کے محاورہ پر جن اور شیطان کہا ہے۔

(۱۶) علاوہ ازیں ملک صور یا شہر صور اور جبل لبنان کے رہنے والے جن اس وجہ سے کہلائے ہیں کہ عربی میں جنان پہاڑ کو بھی کہتے ہیں (قاموس) پس جو لوگ لبنان پہاڑ کے رہنے والے عبری میں דּבלים جبلیم کہلائے اُن کو عربی میں۔ جن۔ ترجمہ کرنا بہت ہی

[1] ابوالعلاء احمد بن عبداللہ بن سلیمان المعری۔ ج غ

صحیح ہے - اس کے علاوہ جو چیز نظر نہ آوے اُسکو بھی جن کہتے ہیں (دیکھو مستورات قاموس)
اور چونکہ یہ سب آدمی بنی اسرائیل سے غائب لبنان کے پہاڑ پر لکڑی اور پتھر کا کام کرتے
تھے اور وہاں سے بنے بنائے پتھر اور تراشی ہوئی لکڑیاں بھیجتے تھے اور بیت المقدس
کے مقام پر نہ ہتھوڑے کی آواز سُنی گئی اور نہ پھاوڑے کی (اسلاطین) اس لیئے بھی اُن کو
جن کہنا درست ہوا +

(۱۷) اور اُن کو شیطان کہنا بھی لغت کی راہ سے بہت درست ہے کیونکہ شیطان کے
معنی مخالف اور دشمن کے ہیں خواہ وہ حقیقی وجود ہو جیسے آدمی یا حیوان - خواہ کوئی ذہنی
بات ہو جیسے مرض یا کوئی روح - چنانچہ صراح اور قاموس میں شیطان کے معنی میں لکھا ہے
کل عات متمرد من الجن والانس والدواب فہو شیطان - اور معلوم ہے کہ بنی اسرائیل
اپنے ماسوا جملہ اقوام کو اپنا مخالف اور دشمن جانتے تھے خواہ وہ مخالفت مذہبی ہو یا
مدنی و ملکی - جو لوگ کہ کنعان کے قدیم بت پرست قوم کے بقیۃ السیف رہ گئے تھے اور
جن کو بنی اسرائیل نے ہلاک نہیں کیا تھا[1] وہ یقیناً مذہبی اور مُلکی طور سے اُن کے مخالف
تھے اور صور یا جبل لبنان کے رہنے والے بھی مذہبی مخالف تھے صور کا مُلک حضرت
داؤد کا فتح کیا ہوا مُلک تھا اور گو بادشاہ صور اور سلیمان سے مصالحت تھی مگر قومی
اختلاف صرف دو آدمیوں کے اتفاق سے رفع نہیں ہو سکتا ہے ،

سلیمان کے زمانہ تک شیطان کی نوعیت اور اس کا کام ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا
جیسا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے عرف میں ہے اس وقت تک اسکو اصلی مخالف
کی جگہ بولتے تھے +

پس اب کلام الٰہی کے معنی بہت صاف ہو گئے جس کو ہر ایک عاقل و حکیم تسلیم
کریگا - اور کتب سابقہ سے اس کے مضمون کی تصدیق اور تطبیق بھی عمدہ طور سے
ہوگی - والحمد للہ علیٰ ذالک +

(۱۸) سورہ سبا کی آیت جو اوپر لکھی گئی وہ کسیقدر تفصیل کی محتاج ہے اسکی
تفسیر یہ ہے +

---

[1] اوّل سلاطین $\frac{9}{20 و 21}$ +

آیۃ - ومن الجنّ من یعمل بین یدیہ باذن ربّہ -

ترجمہ - اور اُن پہاڑوں میں ایک یا کئی آدمی سلیمان کے پاس کام کرتے اپنے مالک کی اجازت سے ٭

تفسیر - اور سب لوگ پہاڑوں پر شہر صور میں لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور غواص وہاں سے آئے تھے وہ جہازوں پر سمندر میں کام کرتے تھے مگر ایک شخص حورام خاص سلیمان علیہ السلام کے پاس کام کرتا اور حیرام ثانی بادشاہ صور کی اجازت سے آیا تھا۔ یہ مضمون کتاب ملاخیم اور کتاب دبرھیم سے اچھی طرح ثابت ہے اس کے مقامات مناسب کی نقل دوسری دفعہ میں گذری ہے۔ شاید اور بھی ایسے ہی صناع وہاں حاضر ہونگے ٭

(۱۹) - یہ جن جبلی یا پہاڑی کاریگر بادشاہ صور کا بھیجا ہوا آیا تھا (اخبار الایام ثانی ۲-۱۳) پس باذن ربہ سے مراد باذن ملک حیرام ہے اور مالک آقا کو رب کہنا ایک معروف بات ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی کو ان کا رب کہا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (مائدہ)

حضرت یوسف نے اپنے آقا کو رب کہا ان ربی احسن مثوای (یوسف ۳ع) اور فرعون کو اس کے ملازم کا رب کہا اما احدکما فیسقی ربہ خمرا (ایضاً ۱۵ع) اور اذکرنی عند ربک کا (--) اور یہود اپنے اُستاد اور معلم کو ربی کہتے ہیں جیسے ربی یحیی اور ربی میمو اور ربی شلوموت یوحانی - اور قرآن مجید میں بھی ان کو ربانیون (آل عمران) کہا ہے۔ اور فرعون نے اپنے آپ کو انا ربکم الاعلیٰ (نازعات) کہا یعنی راس و رئیس اور بڑا سردار ٭

(۲۰) آیۃ - ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر

ترجمہ - اور جو کوئی ان پہاڑیوں میں ہمارے حکم سے پھر جاتا ہم اس کی سزا کرتے ٭

تفسیر - یہ فقرہ کچھ محتاج تفسیر و تاویل نہیں ہے - اتنے بڑے جم غفیر اور جمع کثیر کے لیئے کہ ہزاروں ہی تھے ضرور کچھ سیاست کے قاعدے مقرر ہوئے ہونگے

اور اسی طور سے وہ سزا پاتے ہونگے +

(۲۱) آیۃ - یعملون لہ مایشاء من محاریب -

ترجمہ - سلیمان کے لیئے جو وہ چاہتا بناتے تھے مثلاً قلعی یا بڑے بڑے مکانات یا شہر پناہیں +

تفسیر - حضرت سلیمانؑ نے بہت سے شہر آباد کیئے تھے - مثلاً ملو - حاصور - مجدو - غزنر - بیت حوران - بعلوت - تدمور وغیرہ - اور شہر اورشلیم کی فصیل بنوائی اور ہر ایک شہر جس میں فصیل تھی اس کی شہر پناہ بنوائی - یہی مراد قلعوں سے ہے - (کتاب اول سلاطین $\frac{9}{19-17 و 15}$) +

(۲۲) آیۃ - وتماثیل

ترجمہ - تصویریں

تفسیر - شیروں اور بیلوں اور کروبیوں کی پوری پوری تمثیلیں بنائی گئی تھیں جن کی خبر کتاب اول سلاطین باب ۷ درس - ۲۵ و ۲۹ و ۳۶ اور دوم اخبار الایام $\frac{4}{15 و 3 و 4}$ میں مفصل لکھی ہوئی ہے +

(۲۳) یہ آیت ہر ایک قسم کی تصویر اور تمثیل یعنی نقشے اور مجسم کی جائز بلکہ مستحب ہونے کی قطعی دلیل ہے - اس کی بحث ہمنے جداگانہ کی ہے (دیکھو پرچہ تہذیب الاخلاق نمبری ۱۲ مطبوعہ یکم رمضان ۱۲۹۲ ہجری) صفحہ نمبر ۱۴۴ +

(۲۴) آیۃ - وجفان کالجواب -

ترجمہ - اور لگن جیسے حوض +

تفسیر - ان بارہ بیلوں کے سر پر ایک بہت بڑا لگن حوض نما بنایا تھا جس کا دور ۳۰ ہاتھ اور قطر ۱۰ ہاتھ اور بلندی ۵ ہاتھ کی تھی - (کتاب اول سلاطین $\frac{7}{23}$ ۲ اخبار الایام $\frac{4}{2}$) -

اور ایسے ہی ایسے اور بھی بنے ہونگے +

(۲۵) آیتہ - وقدور الراسیات

ترجمہ - اور دیگیں جمی ہوئیں -

تفسیر - ان دیگوں کا ذکر کتاب سلاطین اول ۷/۴۵ اور کتاب اخبار الایام دوم ۴/۲ و ۱۶ میں اور یہ بھی کہ وہ عمدہ دوں پر جمی ہوئی تھیں ٭

(۲۶) عیسائیوں نے ہمیشہ ان آیتوں کو ٹھٹھے میں اڑایا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ لکھا ہے (کتاب اوّل سلاطین ۶/۷) کہ جب بیت المقدس بنتا تھا تو ہتوڑے یا بہاوڑے یا کسی لوہے کے اوزار کی آواز نہیں آئی - یہاں سے لوگوں نے یہ قصہ بنالیا کہ سلیمان نے جنات اور پریوں اور دیووں کی مدد سے مسجد اقصےٰ بنوائی تھی اور یہیں سے یہ قصہ قرآن میں بھی لیا گیا مگر یہ سب اُن کی بالکل غلط خیالی ہے اُنھوں نے بھی سلیمان کے جن و شیاطین کو عرفی اور اصطلاحی معنوں میں لیا ہے اور بنا بر فاسد بر فاسد کے طور پر اعتراض اور تشنیع شروع کی ہے - مگر الان حصحص الحق - اب اصلی حقیقت ظاہر اور ثابت ہوئی اور قرآن مجید کے ان حقایق التحقیقات اور صوادق التصدیقات کی سچی تفسیر اور حقیقی تعبیر قطعی اور یقینی طور سے عیاں ہوئی اور طعن اور سخریہ کرنیوالوں کی خرافات اور عامہ مفسرین کی لغویات سب باطل اور رد ہوگئیں - واللہ یحق الحق بکلماتہ وھو یہدی الی السبیل ٭

(۲۷) یہ مضامین قرآن مجید سے دفع اعتراضات اور کتب سابقہ سے تطبیق اور دیگر تاریخی واقعات اور مسائل حکمیہ سے تصدیق کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور گو ہم جانتے ہیں کہ بہت سے خفاش منش لوگوں کی آنکھ میں تجلی انوار سے چکا چوند ہو جاویگی (یکاد البرق یخطف ابصارھم -) مگر ہمکو امید ہے کہ مُسلمانوں میں بہت سے ذی بصیرت اور مستعد اہل تحقیق اس طرف توجہ فرماوینگے کیونکہ ابھی بہت کچھ باقی ہے ہاں ابھی قصہ سلیمان ہی میں کئی ایک مشکلات اور بھی حل کرنی ہیں جس کے حل کرنے کی راہ کو جنات اور شیاطین کی اندھیری بادشاہت اور عوام الناس کے تیرہ و تاریک خیالات کو کلام الٰہی کی نورانی شعاعوں کی تاثیر سے منور کر دیا گیا ہے - ولیکن من لم یجعل اللہ نوراً فمالہ من نور - اب یقین ہے کہ اکثر دھندلی نظر والوں کے دل کی آنکھوں سے توہمات ظلمانیت کی ٹپی کھل جانے اور خیالات سوداویہ کے پردہ اُٹھ جانے سے اُن پر حقیقی آفتاب کی روشنی مثل الشمس

فی کبدالسماء ظاہر و مجلی ہوجاوگی ٭

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

اب کھول دی ہمنے تجھ پر سے تیری اندھیری اب تیری نگاہ آج تیز ہے (ق ۲ع)

دریائی گھوڑے - نماز عصر - گھوڑوں کا ذبح کرنا

آفتاب کا پلٹ آنا - انگشتری سلیمان - صخر دیو

بُت پرستی

(۱) (۳۰) اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد -

(۳۲) فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب -

(۳۲) ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق - (ص)

ترجمہ - جب دکھانے کو آئے اُسکے سامنے تیسرے پہر کو گھوڑے خاصے بولا مَیں نے چاہی محبت گھوڑوں کی اپنے خدا کی وجہ سے یہاں تک کہ چھپ گئی اوٹ میں - سلیمان نے کہا کہ پھیر لاؤ اُن کو میرے پاس پھر اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں چھونی شروع کیں ٭

عام قصہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس ہزار دریائی گھوڑے جن کے پہ لگے ہوئے تھے لائے گئے اُن میں سے نوسَو گھوڑوں کا جایزہ ہوچکا تھا کہ حضرت سلیمان کو نماز کا خیال آیا مگر آفتاب غروب ہوچکا تھا نماز فوت ہوگئی تو اُنھوں نے افسوس کیا اور اُن گھوڑوں کو واپس منگا کر تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں اور سَو گھوڑے بچ رہے سو اَب جو گھوڑے آدمیوں کے پاس نظر آتے ہیں اُنھیں بقیۃ السیف کی نسل ہیں !!! اور یہ کہ پھیر لانے کا حکم فرشتوں کو دیا تھا وہ آفتاب کو پھیر لائے اور اُنھوں نے نماز پڑھ لی !!!

(۲) یہ قصہ جیسا کہ بیان ہوا بالکل جھوٹ اور قصہ گریوں کی اکاذیب اور مفتریات سے بھرا ہوا ہے اکثر تفسیریں ایسی ہی اکاذیب اور بیہودہ باتوں سے بھری ہوئی ہیں - ابن کمال نے

خوب کہا ہے کتب التفسیر مشحونۃ بالاحادیث الموضوعۃ کہ تفسیر کی کتابیں جھوٹی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں (فیض القدیر شرح جامع الصغیر عبد الرؤف مناوی) اور شیخ محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار انوار کے خاتمہ میں مقاصد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ تین علم کی کتابیں بے اصل ہیں اور وہ کتابیں مغازی اور ملاحم اور تفسیر کی ہیں اور خطیب نے کہا ہے کہ امام احمد نے ان علوم کی وہ خاص کتابیں مراد لی ہیں جو اُن کے بیان کرنیوالوں کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے غیر معتمد ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ ان میں قصہ گووں نے قصے بڑھا دئیے ہیں اور اس قسم کی کتابیں تفسیروں میں سے بہت مشہور تو کلبی اور مقاتل کی تفسیریں ہیں۔

> في المقاصد قال احمد ثلث كتب ليس لها اصل المغازي والملاحم والتفسير الخطيب هو محمول على كتب مخصوصة في هذه المعاني الثلثة غير معتمد عليها لعدم عدالة ناقليها وزيادة القصاص فيها فاما كتب التفسير فمن اشرها كتابان الكلبي ومقاتل بن سليمان (ص ۵۰۹ مطبوعہ ۱۲۸۳ع)

اور پھر لکھا ہے۔ کہ معین بن صیفی نے تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ امام محی السنہ بغوی تو اپنی تفسیر میں ایسی باتیں اور حکایتیں لکھ دیتے ہیں جن کے ضعیف بلکہ وضعی یعنی بنائے ہوئے ہونے پر سب متاخرین نے اتفاق کیا ہے۔

> وفي جامع البيان لمعين بن صيفي قد تذكر محي السنه البغوي في تفسيره من المعاني والحكايات ما اتفقت كلمة المتاخرين على ضعفه بل على وضعه (ص ۵۱۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں اکثر جھوٹی روایتیں اور بے اصل حکایتیں اور قصہ گویوں کی بناوٹیں پائی جاتی ہیں سو ایک صاحب حمیت مسلمان کا یہ کام ہے کہ وہ خدا کے سچے اور مقدس کلام کو اُن لغویات سے پاک کرے اور ان جھوٹی باتوں کے ردّ کرنے میں اور اصلی سچے معنی بیان کرنے میں سعی بلیغ کرے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

(۳) یہ بات واقعی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا اور گھوڑوں کی ایک تعداد کثیر اُن کے ہاں جمع تھی۔ چنانچہ اسکی تصدیق میں کتاب

دویمین کی فصل نویں آیت ۲۵ میں لکھا ہے "وسلیمان چہار ہزار آخور جہت اسپان و عرادہ ہا داشت و دوازدہ ہزار سواران کہ ایشان را در شہرہائے عرادہ دار و او رشلیم نزد ملک گذشت و (آیت ۲۸) و از برائے سلیمان اسپ ہا را از مصر و تمامی ولایت ہا آوردند" - اور کتاب اول ملوک فصل دسویں آیت ۲۸ میں لکھا ہے "وسلیمان را اسپان از مصر آوردہ شدہ را داشت و ہمچنیں ریسمان کتانی کہ تاجران ملک آں را بقیمت معین گرفتند"۔

(۴) یہ بات کہ ان گھوڑوں کے ملاحظہ کرنے میں اُن کی نماز فوت ہوگئی تھی بالکل بے اصل ہے - انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی[1] کے بہت صاف یہ معنی ہیں کہ میں گھوڑوں کو بہت چاہتا ہوں اور یہ چاہنا بوجہ خدا ہے نہ صرف اپنی خواہش سے - چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدین (مسئلہ ۳۲) میں لکھا ہے کہ جب سلیمان کو گھوڑے دکھلائے جاتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ میں نے گھوڑوں کی محبت کی اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا تو ضرور ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اسکے چاہنے کو بھی چاہے مگر جبکہ اس نے اسکو چاہا اور چاہنے کو بھی چاہا تو اس سے محبت یعنی چاہنے میں مبالغہ مراد ہے پھر فرمایا کہ عن ذکر ربی یعنی محبت شدید بوجہ ذکر خدا اور خدا کے حکم سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ اپنی ہی آرزو اور خواہش سے -

ان سلیمان کان یقول عند عرض الصافنات الجیاد علیہ انی احببت حب الخیر و معناہ ان الانسان قد یحب شیاً ولکن لا یحب ان یحبہ فاما اذا احبہ واحب ان یحبہ فذاک بالمبالغۃ فی المحبۃ ثم قال عن ذکر ربی ای ہذہ المحبۃ الشدیدۃ انما حصلت بسبب ذکر ربی و عن امرہ لا عن الہوی والشہوۃ -

اور شرح مواقف سید شریف جو جانی ہیں جو علم کلام کی بڑی مستند کتاب ہے اس کے موقف چھ مقصد پانچ ورق ۳۷۲ میں لکھا ہے ؛

[1] لفظ عن تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے - جس سے سبب کے معنی پیدا ہوتے ہیں - چنانچہ ماکان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ اور مانحن بتارکی الھتنا عن قولک ؛

کہ احببت حب الخیر سے محبت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ کسی شئے کو چاہتا تو ہے

قوله احببت حب الخير مبالغة في الحب فان الانسان قد يحب شيأ لكن لا يحب ان يحبه فاذا احبه واحب ان يحبه فذالك هو الكمال في المحبة وقوله عن ذكر ربي اے بسببه كما يقال سقاه عن الغيمة اى لاجلها فالمعنى ان ذالك الحب الشديد انما يحصل بسبب ذكره اى بامره لا بالهوا وطلب الدنيا وذالك لان رباط الخيل في دينهم كان بامره كما في ديننا او هو مندوب اليه وقوله طفق معناه يمسح راسها واعرافها اكراما لها واظهار الشدة لا شفقة عليها لكونها من اعظم الاعوان في دفع اعداء الدين وحمله على القطع كما ذهب اليه طائفة حيث قالوا المعنى انه عليه السلام جعل اليمسح السيف بسوقها واعناقها اى يقطعها اما غضبا عليها بسبب ما جرى عليه واجلها واما لتصدق بها ضعيف جدا ولا دلالة له للفظ كما في قوله وامسحوا بروسكم وارجلكم

مگر یہ نہیں ہوتا کہ اس کے چاہنے کو بھی چاہے تو جبکہ اس نے اس کو چاہا اور اس کے چاہنے کو بھی چاہا تو یہ کمال محبت ہے اور یہ جو فرمایا کہ بذکر ربی یعنی خدا کے ذکر سے تو اس سے مراد ہے کہ خدا کے سبب سے چنانچہ کہا جاتا ہے سقاہ عن الغیمۃ جس سے مراد ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے تو معنی یہ ہوئے کہ یہ محبت شدید بسبب ذکر یعنی بحکم الٰہی ہے نہ کہ اپنی خواہش اور طلب دنیا کی وجہ سے کہ ان کے مذہب میں گھوڑے رکھنا خدا کے حکم سے تھا جیسا کہ ہمارے مذہب میں ہے یا وہ مندوب ہوگا اور طفق مسحا کے یہ معنی ہیں کہ سلیمان ان کے سر اور پنڈلیاں چھوتے تھے۔ ان کی تکریم کے لیے اور شفقت کی وجہ سے کیونکہ وہ گھوڑے دین کے دشمنوں کے دفع کرنے میں بہت مدد دیتے تھے۔ اور جو لوگ اس سے کاٹنا مراد لیتے ہیں اور وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹتے تھے یا تو غصہ کی وجہ سے اور یا ان کو قربانی کرتے

تھے سو یہ بات بہت ضعیف ہے کیونکہ مسح کے لفظ میں اسپر کچھ دلالت نہیں ہے جیسا کہ وضو کی آیت میں مسح کا ذکر ہے اور کاٹنا مراد نہیں ہے ؛

اور حتی توارت بالحجاب سے یہ معنی لینے کہ سورج ڈوب گیا محض خیالی ہیں سو اس کا

اس میں کچھ ذکر نہیں اور ایسی بات بالکل سیاق کلام اور موضوع اور منشار مقام سے بعید ہے بلکہ انہیں صافنات کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن کا ملاحظہ کیا اور وہ اُن کے آگے سے چلے گئے ✦

قال ردوھا۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ان کو پھر لے آؤ تو گھوڑے پھر لائے گئے

علامہ احمد بن خلیل نے تفسیر کبیر میں حتی توارت بالحجاب کی تفسیر میں یہی دلیلیں اس کے ابطال پر قائم کی ہیں کہ یہاں آفتاب کا غروب ہونا مراد نہیں ہے اور سب کے آخر میں لکھا ہے۔ کہ ہماری ان دلیلوں سے ثابت ہوا کہ حتی توارت بالحجاب (یہاں تک کہ اوٹ میں چھپ گئے) کو سورج کے چھپنے پر حمل کرنا اور ردوھا علی (اسے پھیر لاؤ) سے سورج کا پھیر لانا سمجھنا بہت ہی بعید ہے ✦

ثبت بما ذکران حمل قوله حتی توارت بالحجاب علی تواری الشمس و ان حمل قوله ردوھا علی ان المراد منه طلب رد الله الشمس بعد غروبها فی غایة البعد عن الغیط ✦

"فطفق مسحا بالسوق والاعناق" اور سلیمان نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو چھوا جیسا کہ دستور ہے کہ ہر ایک فن کا بصیر گھوڑوں کا امتحان کرتے وقت اُس کی گردن پر مہربانی اور شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے اور اُن کی پنڈلیوں کی مضبوطی کو ہاتھ لگا کے دیکھتا ہے۔ چنانچہ زہری اور ابن کیسان نے ایسا ہی کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے تاکہ ان سے گرد جھاڑ دیں اور یہ محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا ✦

انه کان یمسح سوقها واعناقها بیده بکشف الغبار منها حباً لها وشفقته علیها۔

اور یہ بیشک معقول اور صاف معنی ہیں مگر ہمارے مفسرین اس پر راضی نہیں ہوتے وہ اس کو فرماتے ہیں ھذا قول ضعیف (معالم التنزیل بغوی) اور یہ انھیں کے ضعف عقلی کی دلیل ہے ✦

(۵) جن لوگوں کو قصہ گوئی اور عجائب پسندی کا زیادہ شوق ہے اُنھوں نے ردوھا (پھیر دو) سے یہ مراد لی ہے کہ حضرت سلیمان نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج جو کوہ قاف کی آڑ میں

جا چھپا ہے اُسے پھیر لاؤ اور اس خلاف حقیقت مضمون کو بعض صحابیوں کی طرف افترا اور بہتان کے طریق پر منسوب کرتے ہیں ÷

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس ردّ شمس کی نسبت لکھا ہے کہ

انہ لم یثبت ذلک عن احد والثابت عند جمھور اھل العلم بالتفسیر ان ضمیر ردوھا للخیل (تفسیر کمالین ص ۳۸۰)	اس مضمون کی روایت کسی سے ثابت نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک بھی ثابت ہے کہ پھیر لانے سے گھوڑوں کا پھیر لانا مراد ہے ÷

(۶) " ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب " (ص ۱۴ ع ۲)
اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اُسی کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اُس نے اپنے حکم سے رجوع کیا ÷

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اکاذیب اور قصاص کے خرافات بیش از بیش ہیں جن کا بیان نقل کرنا بھی تضیع اوقات ہے جس کو شوق ہو وہ تفسیر معالم التنزیل بغوی میں وھب ابن منبہ اور سعید بن مسیب کی روایتیں دیکھ لے اس کا خلاصہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے " حضرت سلیمانؑ استنجے کو جاتے تھے تو انگشتری ایک خادم کو سپرد کر جاتے تھے اس میں لکھا تھا اسم اعظم ایک جن تھا صخر نام اُس خادم کو بہکا کر انگشتری لے گیا اپنی صورت بنائی سلیمان کی سی تخت پر بیٹھکر لگا حکمرانی کرنے۔ حضرت یہ معلوم کر کے نکل گئے کہ مجھکو مروا نہ ڈالے ایک گانوں میں چھپ کر رہے چھ مہینے بعد منو تھا شراب کے نشہ میں انگشتری دریا میں گر پڑی ایک مچھلی نگل گئی وہ شکار ہوئی حضرت سلیمان کے ہاتھ پیٹ میں سے انگشتری لیکر پھر آئے اپنے تخت سلطنت پر یہ جا نچ ہوئی اسپر کہ اُن کے گھر میں ایک عورت تھی اپنے باپ مرے کو یاد کر کے رویا کرتی تھی اُس کو بنادی جنوں نے تصویر اُس کے باپ کی کہ جیسی تھی وہ لگی پوجنے اُنھوں نے خبر نہ لی یا خبر پا کر تغافل کیا " ÷

(۷) یہ قصہ بالکل موضوع اور مفتری ہے۔ مگر مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ اصل میں اُس کو یہود کے قصاص اور شیاطین نے بنایا ہے اور مسلمانوں نے اُسکو امنا اور صدقنا کہکر قبول کیا ہے یہ قصہ یہود کی کتاب تالمود میں مذکور ہے۔ اور علامہ جاراللہ زمخشری نے

اروي عن حديث الخاتم والشيطان وعبادة الوثن في بيت سليمان فمن اطيل اليهود (تفسير كمالين ص ۳۸۰) مايروي من حديث الخاتم والشيطان وعبادة الوثن في بيت سليمان فمن اباطيل اليهود ـ	لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت سلیمان ع کی انگوٹھی اور دیو اور اُن کے گھر میں بُت پرستی ہونے کی ہے وہ یہود کی جھوٹی باتیں ہیں ؛ اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں بھی ہے لکھا ہے کہ انگشتری اور شیطان اور سلیمان کے یہاں بُت پوجے جانے کی روایت یہود کے باطل قصوں میں سے ہے ؛

اور امام فخرالدین رازی نے کتاب اربعین في اصول الدين کے ۳۲ مسئلہ میں اسی قصہ کی نسبت لکھا ہے ؛

فاما الحكاية الجنية التي يرويها الحشوية فكتاب الله مبرا عنها	کہ جن کی حکایت جو عامہ ناس نے روایت کی ہے سو کتاب الله اس سے بری ہے ؛

اور ایسا ہی سید شریف جرجانی نے شرح مواقف (موقف ۶ مقصد ۵ ورق ۴۴۷) میں بھی لکھا ہے پس یہ ثابت ہوا کہ محقق مسلمانوں نے اس قصہ کو بالکل جھوٹ اور افترا سمجھا ہے ؛

(۸) معقول پسند مفسروں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان کبھی بیمار پڑے ہونگے اور چونکہ بیماریوں کو انبیا کے کلام میں خدا کی جانب سے آزمایش کہا جاتا ہے سو اسی میں اس کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیماری کی شدت میں مثل جسم بیجان پڑے تھے اور تقدیر کلام اس طرح پر ہوگی ـ والقينا على كرسيه جسدا یعنی اُن کے تخت پر اُن کا جسم ڈالدیا مگر مبالغہ کی جہت سے (ہ) حذف ہوگئی پھر بیماری سے اچھے ہوئے اسکی خبر ثم اناب (پھر اُس نے رجوع کیا) میں ہے ؛

چنانچہ امام فخرالدین رازی نے کتاب اربعین في اصول الدين (مسئلہ ۳) میں

ثانيا ان الله تعالى امتحنه بمرض شديد	یہ معنی بھی لکھے ہیں کہ خدا نے سلیمان کی ایک مرض شدید سے آزمائش کی تو ایسا جسم

فصار احسد لاحراك بہ مشرفا علی الموت کما یقال لحم علی وضم وجسد بلا روح علی معنی شدۃ الضعف والتقدیر القینا جسدہ علی کرسیہ فحذف الہاء المبالغۃ

بے حرکت قریب مرگ ہو گئے جیسے بیمار کی نسبت کہتے ہیں کہ لکڑی پر گوشت پڑا ہے اور جسم بیجان یعنی شدت سے ضعیف ہے اور تقدیر کلام یہ ہوگی کہ اُن کے دھڑ کو اُنکے تخت پر ڈالا اور حرف (ہ) مبالغہ کی وجہ سے حذف ہوگیا ✦

اور علامہ شمس الدین ابی العباس احمد ابن خلیل نے تکملہ تفسیر کبیر میں اُسی کے قریب لکھا ہے کہ

اقول لا یبعد ان یقال انہ ابتلاہ اللہ تعالی بتسلیط خوف او توقع بلاء من بعض الجانب علیہ وصار بسبب قوۃ ذالک الخوف کالجسد الضعیف الملقی علی ذالک الکرسی ثم ازال اللہ عنہ ذالک الخوف واعادہ ذالک الی ماکان علیہ من القوۃ وطیب القلب ✦

یہ کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ خدا نے سلیمان کو کسی خوف یا بلا کے مسلط ہونے سے آزمایا اور سلیمان اُس کی وجہ سے ایسے ہوگئے تھے جیسے کوئی جسم ضعیف اِک تخت پر پڑا ہو۔ پھر خدا نے اُن پر سے وہ خوف زائل کردیا اور جو قوت اور صحت ان میں تھی وہ پھر آگئی ✦

(۹) مگر دراصل جس قصہ پر اس آیت میں اشارہ ہے وہ کتاب ملاخیم میں مفصل لکھا ہوا ہے چنانچہ کتاب اول ملوک کی فصل سوم میں حضرت سلیمان کے ذکر میں لکھا ہے ۔

(۱۶) آنگاہ دو زن زانیہ بنزد ملک آمدہ در حضورش ایستادند ۔

(۱۷) ویکی از آن گفت کہ اے خداوند من وایں زن در یک خانہ ساکنیم و دراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم ✦

(۱۸) و واقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم ایں زن نیز زائید و با ہم دیگر بودہ دیگرے با ما در خانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے در آں خانہ نبود ✦

(۱۹) و پسر ایں زن وقت شب مرد زیراکہ او بر رویش خوابیدہ بود ۔

(۲۰) و وقت نیم شب برخاستہ پسر مرا از پہلوئے من وقتیکہ کنیزت خوابیدہ بود از من گرفت و در بغل خود خوابانید ✦

(۲۱) وصبحدم وقتے کہ برائے شیر دادن پسرم برخاستم اینک مردہ است وصبحدم او را تشخیص نمودہ اینک پسرے کہ زائیدہ بودم نبودہ است ❖

(۲۲) وزن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زندہ از من است و پسر مردہ از تست واں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است وچنیں در حضور ملک سگفتند ❖

(۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے میگوید کہ پسر زندہ از من است وآں پسر مردہ از تست وآں دیگرے میگوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است ❖

(۲۴) وملک گفت کہ شمشیرے را بمن آورید وشمشیر را بنزد ملک آوردند ❖

(۲۵) وملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصہ تقسیم نمائید و یک نیمہ بایں بدہید و نیمہ دیگر بدیگرے ❖

(۲۶) وزنے کہ پسر زندہ از آن او بودہ در حالتے کہ رحمش بر پسر او اضطراب میکرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را باو بدہید و البتہ او را نکشید اما آن دیگرے گفت کہ نہ از آں من و نہ از آں تو باشد او را تقسیم نمائید ❖

(۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید و او را البتہ مکشید کہ مادرش اوست ❖

(۲۸) وتمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ واز ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد" ❖

پس اب قرآن کی آیت کو دیکھیے کہ اس میں صاف اسی قصہ پر اشارہ ہے کہ القینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب ہم نے سلیمان کے تخت (عدالت) پر ایک لاش یا جسم (اسی زندہ یا مردہ لڑکے کا) ڈالا (سلیمان کا حکم محذوف ہے) پھر اس نے (اس حکم اول سے) رجوع کیا۔ یعنی پہلے اس لڑکے کے چیرنے کا حکم دیا تھا پھر اس حکم سے پھر کر اس لڑکے کو زندہ اس کی ماں کے حوالہ کر دینے کا حکم دیا ❖

پس یہ ہے سچی تفسیر کلام الٰہی کی۔ نہ کہ وہ جن اور بھوت کے قصے نہ وہ یہود کے اکاذیب و مفتریات اور مفسرین کے اباطیل و لغویات۔ امام محی الدین بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے (جلد ۴ صفحہ ۱۰) کہ سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ جو جسم سلیمانؑ

واشهر الاقاويل ان الجسد الذي اُلقي۔

على كرسيه هو الصخر الجني	کی کرسی پر ڈالا گیا تھا وہ صخر دیو تھا +

مَیں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مشہور یہ بات ہے مگر سب سے زیادہ جھوٹ بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ سچ اور صاف اور سیدھے اور معقول وہی معنی ہیں جو ابھی ہمنے بیان کیئے اس میں حضرت سلیمان کی حکمت اور عدالت کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے نہ کہ وہ نامعقول قصہ کہ سلطنت سلب ہوگئی اور ایک ناپاک دیو اُن کے تخت بادشاہت پر مسلط ہوگیا اور سلیمان معزول اور مخروج رہے وغیرہ ذالک من الخرافات جس سے سلیمان علیہ السلام کی بدنامی اور حقارت اور ذلت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ قصہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان کے محامد اور فضائل کے ذکر میں ہے -

(۱۰) اسی قصہ باطلہ یعنی حضرت سلیمان کے گھر میں بُت پرستی کے متعلق روایت بھی ہے جو ملاخیم اوّل کے گیارھویں باب میں لکھی ہے کہ حضرت سلیمان نے خلاف حکم خدا کے سات سو بیگمیں اور تین سو حرمیں اپنے لیئے جمع کیں[ل] اور اُن کے باعث سے حضرت سلیمان کا دل خدا سے پھر گیا اور اُنھوں نے اپنی اخیر عمر میں بُت پرستی اختیار کی +

قرآن مجید میں اسی نالائق اتہام اور جھوٹے بیان کے رد میں فرمایا ہے ماکفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا + (بقر)

یہ مضمون اگرچہ یہود کے اربع عشریم کی کتابوں میں سے ایک کتاب ملاخیم اوّل میں ہے مگر وہ مضمون یقیناً جھوٹ اور شدت کے مرتبہ کا کفر ہے - جس کو اشرار یہود نے افترا کرکے اس کتاب میں داخل کردیا ہے +

واضح ہو کہ حضرت سلیمانؑ کے حالات کے بیان میں فی الحال دو کتابیں موجود ہیں -

---

[ل] یہ تعداد یقیناً غلط ہے - کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمان نے اُن کی تعداد ساٹھ بیگمیں اور اسی خواصیں لکھی ہے - سو یہ بھی قطعی نہیں ہے - عبرانی کتابوں کے عددوں کا کبھی اعتبار نہیں ہوسکتا کیونکہ اُن کے عدد ہمیشہ حرفوں کی صورت میں لکھے جاتے تھے یعنی ابجد کے حساب میں اور چونکہ عبرانی حروف اکثر باہم مشابہ ہیں تو اس سے بڑی غلطی ہوجایا کرتی ہے کتاب سلاطین اور کتاب تواریخ کے باہم مقابلہ کرنے سے بڑا فرق پایا جاتا ہے +

ایک تو ملاخیم کہلاتی ہے اور دوسری دبری ہیم - اب یہودیوں نے آسانی کے لئے اُن کے دو دو حصّہ کر دئیے ہیں اور اس لیئے اُردو وغیرہ ترجموں میں کتاب سلاطین اول و دوم اور کتاب اخبار الایام اوّل و دوم کے نام سے معروف ہیں یہ بات یقیناً نہیں معلوم ہے کہ کتاب سلاطین ملاخیم کس کی تصنیف سے ہے یا کب تصنیف ہوئی ؛

یہ کتاب بعد زمانہ قید بابل عہد بخت نصر میں لکھی گئی یعنی تخمیناً پانسو برس بعد حضرت سلیمان کے تو یقیناً اور اسکے بعد اور جس قدر عرصہ ہوا ہو لکھی گئی - یہ بات کہ اس کا مصنف بعد زمانہ قید بابل زندہ رہا اس سے ثابت ہے کہ وہ قید بابل سے یہود کے واپس آنے کا بھی ذکر کرتا ہے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۲۲) اسکا مصنف یہ بھی کہتا ہے کہ اسکے زمانہ میں اسرائیل کے دس قبیلہ ہنوز جلا وطنی میں تھے (دوم سلاطین باب ۱۷ آیت ۲۳) اور نیز باب ۱۷ میں اُس نے یہود اور اسرائیل کی مصیبتوں پر کچھ تقریر کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص ان مصائب کے بعد ہوا ہے (دوم سلاطین باب ۱۷ - آیت ۶ - ۲۲) اور برخلاف اسکے بعضے نشان اس میں ایسے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبل زمانہ قید بابل یعنی عہد بخت نصر ہے - مثلاً اول سلاطین باب ۸ - آیت ۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نامہ کا صندوق ہنوز ہیکل میں موجود تھا اور پھر باب ۱۲ آیت ۱۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بادشاہت ہنوز قائم ہے پھر کسی جگہ باب ۶ آیت ۱ و ۳۷ و ۳۸ میں زیو ؟ اور بول בול یعنی زیو اور تشرین کے مہینوں کا نام ہے حالانکہ قید بابل کے زمانہ سے ان کا یہ نام متروک ہوگیا تھا اور کبھی کبھی اس کا مصنف ایسا لکھتا ہے جیسا کوئی واقعات ہمعصر کو لکھے اور حاضر ماجرا ہو ان وجہوں پر نظر کرنے سے یہود کا وہ دعویٰ کہ یہ کتاب عزرا نبی کی لکھی ہوئی ہے باطل ہوتا ہے اور ایسا پایا جاتا ہے کہ اصل میں مختلف قسم کی تحریروں یادداشتوں اور شاہی روزنامچوں سے اور زبانی روایتوں اور بعضی مشہور اور متواتر خبروں سے یہ کتاب تالیف ہوئی تھی ؛

اسی کتاب کے ہم مضمون ایک دوسری کتاب دبری ہیم ہے وہ بھی ایسی ہے کہ اُس میں مختلف تحریروں سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے اور کچھ تو قبل زمانہ بخت نصر کی ہے اور کچھ بعد کی ہے ؛

بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ اُسی شخص کی تصنیف یا تالیف ہے جس کی کتاب ملاخیم

ہے مگر واقعات کی تاریخوں میں اور اُن کے بیان میں اور نسب ناموں میں اختلاف کثیر کی وجہ سے یہ خیال بالکل غلط نکلتا ہے۔ یہودی کی رائے میں یہ کتاب حضرت عزرا نبی کی ہے جنہوں نے بعد قید بابل ذکریا اور حجی نبیوں کی مدد سے اُسکو تالیف کیا یعنے اپنے زمانہ کی اور اگلی کتابوں سے اخذ کرکے اُسے مرتب کیا اور اس رائے کی تائید میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کی طرز تحریر اور سیاقت کلام عزرا نبی کی عبارت سے بہت مشابہ ہے اور اس کتاب کی اخیر تین آیتیں عزرا نبی کے صحیفہ کی پہلی تین آیتوں سے بہت قریب قریب ملتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کا مصنف قید بابل کے بعد بھی زندہ تھا کیونکہ اُس نے قورش بادشاہ کے حکم کا ذکر کیا ہے اور اُس نے داؤد کا نسب نامہ زرو بابل تک لکھا ہے مگر اُس کے خلاف یہ امر ہے کہ اُس کے مصنف نے زرو بابل کا نسب نامہ بارہ پشت تک لکھا ہے اسوقت تک حضرت عزرا زندہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ نسب نامہ الحاقی ہو اور ایسا اکثر ہوتا ہے پس یقین تو نہیں ہو سکتا مگر گمان غالب ہے کہ یہ کتاب حضرت عزرا کی تالیف اور مرتب کی ہوئی ہو۔

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ یہ دونوں کتابیں باہم شفیق ہیں اور جو تاریخی واقعات ایک میں ہیں وہ دوسری میں بھی ہیں مگر یہ قصہ موضوع و ساختہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سات سو جورو میں اور تین سو حرمیں کیں اور اُن کی وجہ سے بُت پرستی اختیار کی (کتاب اوّل سلاطین باب ۱۱- آیت ۱-۱۵) اس کتاب دوسری ہیم میں نہیں ہے اور چونکہ یہ کتاب غالباً حضرت عزرا نبی کی تالیف کی ہوئی ہے پس بظن غالب پیدا ہوا ہے کہ اُنھوں نے اس قصہ کو باطل اور تہمت سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔

اگر یہ بات نہ بھی ہوتا ہم اس مضمون کا ایک دوسری کتاب میں جس کا موضوع اور منشا وہی ہے جو اس کتاب کا ہے نہ پایا جانا اور ظاہر نظر میں اس مضمون کا بالکل خلاف حکمت سلیمان اور منافی منصب نبوت ہونا کبھی صرف ایک غیر مستند روایت کے اعتبار پر لایق قبول نہوگا۔

فلمّا قضينا عليه الموت ما دلّهم على موته الّا دابّة الارض تاكل منسأته فلمّا خرّ تبيّنت الجنّ

ان لو کانوا یعلمون الغیب مالبثوا فی العذاب المهین - (سبا ۴۲)

"جب سلیمان مر گئے تو اُن کا مرنا جنوں کو نہ جتایا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کا عصا کھاتا رہا پھر جب وہ گر پڑے تو معلوم ہوا کہ اگر جن غیب کی خبر رکھتے ہوتے تو ذلّت کی تکلیف میں نہ رہتے"۔ (سبا) ۰

(۱) تفسیریں تو اس سیدھے واقع کو بھی افسانہ و داستان کے ڈھنگ پر لگئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے آگے روز ایک بوٹی حاضر ہو کر باتیں کرتی تھی ایک روز خرنوب نامی ایک بوٹی آئی حضرت سلیمانؑ نے اُس کا مصرف پوچھا۔ اُس نے کہا کہ میں بیت المقدس کے خراب کرنے کو آئی ہوں حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ اب میری موت آگئی تو جنوں کو عمارت کا نقشہ بنا کر آپ شیشہ کے مکان میں در بند کر بندگی میں مشغول ہوئے بعد وفات کے برس دن تک جن بناتے رہے اور سلیمانؑ بھی عصا پر مُردہ کھڑے رہے اور دستور تھا کہ اگر ہیکل یا عبادتخانہ میں کوئی جنی آ کر حضرت سلیمانؑ کے آگے کو گذرتا تھا تو وہ جل جاتا تھا ایک روز جو پیچھے آگے کو جن گئے تو وہ نہ جلے اور گھن کے کیڑے سے عصا گرا اور سلیمانؑ ان کے گرنے سے اُن کی موت معلوم ہو گئی۔ جنات نے دیمک کا بڑا شکریہ ادا کیا اور اُسی کی جانفشانی میں اسکو اب تک گیلی مٹی پہونچاتے ہیں ۰

اصل بات اتنی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی لاش دستور کے موافق مومیائی بنائی گئی تھی۔ ان کنعانیوں وغیرہ گنواروں کو ان کی موت جب معلوم ہوئی جبکہ عصا میں دیمک لگ جانے سے لاش گر پڑی۔ اسکی تفصیل یہ ہے ۰

(۲) مصر میں مُردوں کو حنوط کرنے کا ذکر۔ اہل مصر میں بہت قدیم الایام سے یہ دستور تھا کہ مُردے کی لاش میں خوشبوئیاں بھر کے اسکو بجنسہٖ قائم رکھتے تھے اور مُردے کے چہرے اور بشرے میں سر مو فرق نہیں آتا تھا۔ قدیم مورخوں میں سے **هرودوٹس** (مقالہ ۲ باب ۸۶ - ۸۸) اور ڈایو ڈورس (مقالہ ۱۔ باب ۹۱ - ۹۳) نے مصریوں کی اس رسم کا مفصل بیان کیا ہے۔ تین طرح پر حنوط کرنے کا دستور تھا اور اس کام کے کاریگروں کی ایک

جماعت اور کارخانہ ہی جُدا تھا۔ ایسی لاشوں کو مرمی۔ مومیا اور ممی کہتے ہیں اور مصری زبان میں اس کا نام سوہ ہے ۔

(۳) بنی اسرائیل میں حنوط کرنے کی رسم۔ مصریوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے یہی رسم بنی اسرائیل نے بھی اختیار کی تھی کہ بزرگ اور امیر آدمیوں کی لاش کو حنوط کرتے تھے سب سے پہلے خود حضرت اسرائیل ہی کی لاش کی حنوط کی گئی۔ کتاب پیدایش کے پچاسویں باب میں ہے۔ "(۲) اور یوسف نے اپنے طبیب چاکروں کو حکم کیا کہ اس کے باپ میں خوشبوئی بھریں (۳) سو طبیبوں نے اسرائیل میں خوشبوئی بھری اور اس پر چالیس دن گذرے کیونکہ جن پر خوشبو ملی جاتی ہے اتنے دن گذرتے ہیں اور مصری اس کے لیئے ستر دن تک رویا کیئے۔ پھر حضرت یوسفؑ بھی حنوط کیئے گئے چنانچہ اسی باب میں لکھا ہے "(۲۶) یوسف ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کر مرگیا اور انھوں نے اس میں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندوق میں رکھا"۔ اصل عبرانی میں خوشبو بھرنے کے لیئے لفظ חנט (حنط) ہے۔ یہی لفظ عربی میں بھی ہے۔ جمال قرشی نے صراح من الصحاح میں لکھا ہے "حنوط پراگندگی از بوے خوش۔ تحنیط پراگندن حنوط مردہ را۔ تحنط خوشبوے شدن بحنوط الخ" مردے کے ساتھ خوشبوئیوں کا ذکر اور بھی کئی جگہ ہے (مثلاً ۲ اخبار الایام ۱۶/۱۴ ۲۱/۱۹) یوحنا ۱۹/۴۰ ۔

(۴) لاش کو منظر عام میں رکھنیکا دستور۔ مصریوں میں تو یہ عام دستور تھا کہ مومیا کی ہوئی لاشوں کو ٹھیک زندہ آدمی کی طرح کھڑے رکھتے تھے اور اس مردہ کے عزیز و اقربا معین اوقات پر اُسکے دیکھنے کو بھی جاتے تھے۔ ایسے ممیز کی تصویریں رالنسن کے حاشیہ تاریخ ھِروڈوٹس میں نقل ہوئی ہیں۔ کتاب اعمال ۹/۳۷ سے مردے کی لاش کو بالا خانہ پر رکھدینے کی رسم معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ اسرائیلی مقبرے بھی ایسے ہوتے تھے جیسے حویلیاں اور مکانات جن میں کوٹھڑیاں اور دالان ہوتے تھے حتی کہ اُن میں مسافر راہ گیر بھی تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور چور بھی وہاں رہا کرتے تھے دیکھو کتاب تاریخ یہود صفحہ ۱۴۷

(۵) سلیمان کے آخر زمانہ کی بغاوتیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے آخر زمانہ سلطنت میں کئی ایک بغاوتیں ہو چلی تھیں چنانچہ ہدد اور ریزن اور یربعام کے مفسدے اور بغاوتیں کتب تواریخ میں لکھی ہوئی ہیں اور نیز رعایا بھی کسی قدر ناخوش ہو چلی تھی کیونکہ ان بغاوتوں کی وجہ سے تجارت بند ہو چلی تھی اور نیز رعایا پر خراج بھی زیادہ

تھا اور خصوصاً قوم اجنہ کے آدمیوں پر کسیقدر سختی اور ذلت کی تکلیف تھی (دیکھو کتاب سلاطین اول کا گیارھواں باب ورس ۱۴ و ۲۳ و ۲۶ اور بارھواں باب ورس ۴ و ۷ و ۱۱ و ۱۴ اور نواں باب ورس ۲۱ و ۲۲ اور سورہ سبا ر عذاب مھان)

(۶) اکثر ارکان سلطنت کو یہ منظور ہوگا کہ اُن کی موت کا عام شہرہ نہو دے تاکہ بغاوتوں کی وجہ اور رعایا کی نی الجملہ ناراضی اور بعض رجال جن کی سخت تکلیف سے ملک میں اور زیادہ سرکشی نہو جاوے اور اسی لیئے حضرت سلیمانؑ کی وفات پر کسی قسم کی نوحہ وزاری و ماتم و سوگواری کا کچھ مذکور نہیں ہے اور نہ اُن کے دفن کے جلوس اور سامان وغیرہ کا کچھ ذکر ہے حالانکہ بنی اسرائیل میں بادشاہوں کی دفات پر بہت کچھ جزع و فزع و ساز و سامان ہوا کرتا تھا اور اجرت پر رونے والے بھی مقرر ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لاش کے ساتھ باجا ہوا کرتا تھا اور عطریات کی مقدار کثیر صرف ہوتی تھی (یرمیا $\frac{9}{17 \text{ و } 18}$ ۲ اخبار الایام $\frac{35}{25}$ ایوب $\frac{3}{8}$ واعظ $\frac{12}{5}$ عاموس $\frac{5}{16}$ متی $\frac{9}{23}$ اور اعمال $\frac{9}{39}$) - اس امر پر بعض ارباب تاریخ بھی متنبہ ہوئے ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر نوحہ وزاری کم ہوئی چنانچہ جاہان نے عبرانیوں کی سلطنت کی تاریخ میں (مقالہ ۴ فصل ۲۳ میں) لکھا ہے کہ "سلیمان ۹۷۵ قبل عیسوی مرگئے اور باوجود اُن کی عظمت و شان کے اُن کا ماتم تھوڑا ہی سا ہوا" ص ۷۹ +

(۷) ان سب قراین حالات کو پیش نظر رکھ کے اِس آیت کا مضمون یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اُن کی لاش مومیا کی گئی کیونکہ خود بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہوتا تھا اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک بیوی فرعون مصر کی بیٹی تھی اُس نے ضرور اِس معاملہ میں سعی بلیغ کی ہوگی اور نیز ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جانے سے ارکان سلطنت نے بھی اُن کی موت کو چھپانا مصلحت اور مناسب سمجھا ہوگا اور اِس نظر سے یہی ترکیب بہت ہی خوب تھی کہ امراء و سلاطین و نیز حکماء و انبیا کے دستور پر اُن کی لاش کو حنوط کر کے ایک جلوۃ کے مکان میں جہاں اکثر لوگ دیکھ سکیں رکھدیا جاوے اور عصا کے سہارے اُسے کھڑا کردیا ہوگا[۱] - اتفاقاً دیمک یا گھن کے کیڑے نے اسکو کھانا شروع کیا

[۱] زمانہ حال میں سید محمد صاحب کی موت چھپانے کے لیئے اُن کے مریدوں نے اسی طرح اُن کا ڈھانچہ بناکر پہاڑ کی کھوہ میں بٹھا دیا تھا +

اور جب وہ عصا ذرا بھی نیچے سے خالی ہوا اُن کی لاش دھڑے سے گر پڑی ٭

اور جو لوگ اُن کی موت سے واقف نہ تھے اُن کو اس دیمک کی وجہ بھی معلوم ہوگی اور قوم جن کے آدمیوں کو معلوم ہوا اور افسوس ہوا کہ اگر ہم علم غیب جانتے ہوتے تو اس تکلیف میں نہ رہتے ٭

(۸) بعضی روایتوں سے بھی اس مضمون کی جو ہمنے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے حنوط یا سومیا کیئے جانے کی نسبت لکھا ہے تائید ہوتی ہے شیخ الاسلام امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے - روي انہ اطلعہ اللہ سبحانہ علی حضور وفاتہ فاغتسل و تحنط و تکفن والجن في عملہم - کہ روایت ہے کہ جب سلیمانؑ کی موت آئی تو خدا نے اُن کو خبر کر دی تو وہ نہائے اور حنوط کیا اور کفن پہنا اور جن اپنے کام میں تھے ٭

اور تفسیر مواہب علیہ معروف بہ تفسیر حسینی میں ہے کہ "منقضی اجل سلیمان علیہ السلام در آمد و طلب ودیعت روح کرد - سلیمان علیہ السلام کسان خود را وصیت کرد کہ مرگ مرا فاش نکنید و مرا بعد از مرگ بر عصائے من تکیہ دہید تا جن از کار خود باز نمانند و عمل مسجد با تمام رسد پس چوں سلیمان ہم درگذشت او را بشستند و برا و نماز گزاردند و او را بعصا تکیہ دادند دیواں از دور او را زندہ مے پنداشتند و بہماں کارکہ نامزد ایشاں بود قیام می نمودند ٭

(۹) تفسیروں میں یہی قصہ اسی طرز پر ہے مگر اُن کی روایتوں میں افسانہ آمیز تقریر کا رنگ ہے اور سچا واقعہ اور جھوٹی کہانی کی باتیں ملی ہوئی ہیں - ان کے نفس واقعہ صحیحہ مندرجہ قرآن کا طرز بیان بھی قصہ گوئی کی طرف منجر ہے مگر اسپر جو اَور حاشیے لگائے گئے ہیں وہ خلاف حقیقت ہیں - مثلاً -

اس قصہ کے متعلق ایک غلط بات یہ ہے کہ بیت المقدس بننے سے ایک سال پیشتر حضرت سلیمانؑ نے وفات پائی - چنانچہ اکثر تفسیروں میں ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات تاریخی واقعات کے خلاف ہے کیونکہ بیت المقدس حضرت سلیمان کی زندگی میں تمام بن چکا تھا - اور قرآن مجید میں اس مقام پر نہ بیت المقدس کی تعمیر کا ذکر ہے اور نہ ایک سال کا ذکر ہے ٭

ہمیشہ مخالفوں نے قرآن پر اِس وجہ سے اعتراض کیا ہے - اس میں خلاف واقعہ سلیمان کی

موت کو طیاری بیت المقدس سے ایک پیشتر سال بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ سب کچھ اعتراضات مفسرین کی لغو روایت کی بدولت ہوئے ہیں ؛

(۱۰) اب یہ بات کہ وہ جن کون تھے اور ان کو تکلیف کیا تھی اس کا بیان یہ ہے کہ وہی غیریم جو عدم موانست کی وجہ سے بنی اسرائیل کے محاورہ میں غیر اور اجنبی کہلائے اور ان کا مناسب ترجمہ عربی میں یا اس کے لائق مرادف اللفظ قرآن میں جن آیا ہے جو ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے اور عبری کتب مقدسہ میں ان کے مختلف قبیلے فلسطین اور عنقیم اور ایمیم اور زمزمیم مذکور ہیں اور ان کے عذاب مہین کا ذکر صحف سلیمان میں ہے اور اس طرح پر مضمون قرآن کی پوری تصدیق ہوتی ہے ؛

پہلے سلاطین کے نویں باب میں ہے (۲۰) لیکن وہ سارے گروہ جو اموری اور حتی اور فرزی اور حوی اور یبوسی سے باقی رہے اور اسرائیل سے تھے (۲۱) ہاں ان کی اولاد جو بعد میں باقی رہی جنہیں بنی اسرائیل نابود نہ کر سکے سو سلیمان نے ان پر خدمت کی کر لگائی جو آج کے دن تک ہے۔ اور کتاب دوم اخبار الایام کے نویں باب (۷ و ۸) میں بھی یہی مضمون ہے اور اصل کتاب عبرانی میں لفظ מס ہے جس کا ترجمہ کسی قدر غلط "خراج" ہوا ہے مگر اس کا صحیح ترجمہ بدنی خدمت ہے خواہ وہ بیگار کے طور پر ہو یا اجرت اور نوکری کے طور پر مگر پیشتر خدمتی کام کے لیئے آتا ہے ؛

اور کتاب ۲ اخبار الایام یا تواریخ کے دوسرے باب میں ہے (۱۷) اور اپنے باپ داؤد کے گننے کے موافق سلیمان نے اسرائیل کے دیس کے سارے پردیسیوں کو گنا اور وے ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو ٹھہرے (۱۸) اور اس نے ان میں ستر ہزار بار بردار اور اسی ہزار پتھر توڑنے والے پہاڑ میں ٹھہرائے اور ان پر تین ہزار چھ سو داروغے مقرر کیئے کہ لوگوں سے کام لیویں ؛

پس یہی غیریم اور نیز وہ کاریگر لوگ جن تھے ؛

(۱۱) صور اور صیدا کے کاریگر جو لکڑی کے کام میں استادکار تھے (۱ سلا ۵/۶) اور پتھر تراشنے والے ماہران فن (۱ سلا ۵/۱۸) اور جہازی کام دینے والے ملاحان پر فن (۱ سلا ۹/۲۶ - حزقیل ۲۷/۸) اور غوّاصان نادر روزگار اور نیز وہ پردیسی اور اجنبی یعنی غیر قوم کے آدمی جو بوجھ اٹھانے اور پہاڑ کاٹنے کے کام میں لگائے تھے (۲ تواریخ ۲/۱۷ و ۱۸)

جنکو قرآن میں جن و شیطان کہا ہے یہ سب لوگ دراصل منوتی فلسطی اور کنعانی تھے۔ اور جو معنی فلسطیم کے ہیں وُہی معنی غیریم کے ہیں ملک فلسطین کے اصلی باشندے کنعانی تھے انھیں کنعانیوں כנען کو یونانی زبان میں فرفی نی کیس کہتے ہیں (دوسری جگہ صاف لکھا ہے کنعان ارض فلسطیم (اصفنیا ٥/٢) یہ قومیں جبکہ بنی اسرائیل اُن پر مسلط ہوئے غیریم یعنی پردیسی اور اجنبی کہلائے اور داؤد اور سلیمان کے زمانہ میں یہ بالکل مطیع اور منقاد ہو گئی تھیں اور اُن سے خدمتی کام لیا جاتا تھا (٢ صموئیل ٥/٦-٨ ا تواریخ ٩/٢-٤ ا سلا ٩/٢٠ ٢ تواریخ ٢/١٧ و ١٨ و ٨/٧ و ٨)

(١٢) سپٹواجنٹ میں جو کہ یونانی زبان کا ترجمہ توریت ہے وصحف انبیا میں ملک کنعان کو جن کہا ہے یوشع ٢/٤ اور انجیل میں بھی جن آیا ہے (متی ٥/٣ لوق ٢/٤٠ ٣/٤)۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یونانی زبان میں زمین اور ملک کو جی کہتے ہیں یہیں سے فارسی میں گیو گیتی اور گیہان جہان بنا ہے اور جی کا مجرور مونث واحد جن ہے پس اس اعتبار سے یہ کنعانی لوگ بھی جن کہلاتے ہو گئے زمانہ نزول قرآن میں یہودیوں میں سے اصل تورات کا علم یا عبرانی زبان کم رائج تھی سب یہود ترجمہ سپٹواجنٹ پڑھتے تھے اس وجہ سے ان کنعانیوں کا نام عربی میں جنی آتا ہوگا جس کی جمع جن ہے اور قرآن مجید میں وہی لفظ آیا جو ان کے محاورہ میں تھا یعنی جن اور صور و صیدونی بھی کنعانی تھے کیونکہ کنعان کے بڑے بیٹے کا نام صدون تھا اور صور و صیدا دونوں شہر سمندر کے کنارے پر تھے۔ ابو الفدا نے صیدون کو دمشق سے ٦٠ میل کے فاصلہ پر بتلایا ہے۔ اگلے زمانہ میں یہ دونوں شہر آبادی کی کثرت سے ملے ہوئے تھے اس کے آثار اب تک نمودار ہیں ٭

(١٣) لفظ جن قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور ایسے ہی اس لفظ کے ماصدق علیہ میں بھی تعدد ہے یعنی کئی طور پر مختلف حیثیتوں سے (بانحاء شتیٰ) بنی آدم زندہ اور مردہ پر اسکا اطلاق ہوا ہے جسکی تفصیل اک جداگانہ آرٹکل یا رسالہ کے مناسب ہے جو عنقریب شایع ہوگا مگر جنات سلیمانی تو بجز اُن لوگوں کے جو بنی اسرائیل میں اغیار یعنی کنعان کے اصلی باشندے اور صور و صیدا کے کاریگر پہاڑی وحشی تھے اور کوئی قوم نہیں ہوسکتی اور خصوصاً وہ ہوائی جنات جو عامہ ناس کے خیالات میں ہیں کہ وہ ہوا سے جاندار ہیں کر بھروپ خوب بدلتے ہیں (الجن حیوان ھوائی یتشکل اشکالا کثیرۃ) وہ تو

کسی طرح سلیمانی جن کی مصداق ہو ہی نہیں سکتے اور ہم آگے چلکے مفسرین ہی کے اقرار سے ہاں انہیں مفسرین کے اقرار سے جو جنات کے بڑے ہوا خواہ ہیں ثابت کردیں گے کہ حضرت سلیمانؑ کے جنات وہ عام جنات نہیں تھے بلکہ وہ ایک خاص مخلوق تھے۔ فانتظر +

(۱۴) سلیمانی جنات کو علم غیب کا دعویٰ ہونا قرآن کے ان الفاظ سے تو نہیں نکلتا۔ اس لیئے اس کی تفسیر میں مفسروں نے اختلاف کیا ہے۔ تبیّنت الجن کے یہ معنی قرین قیاس ہیں کہ اوروں کو معلوم ہوگیا کہ اگر جن علم غیب جانتے ہوتے الخ ایسا ہوگا بنی اسرائیل کو ایسا خیال ہوگا کہ یہ لوگ جو کاریگر اور اُستادکار اور صناع ہیں ان سے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے محفوظ کیئے جانے کی حکمت چھپی رہی اگر یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اُن کے مرنے پر سرکش ہو جاتے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ صور وصیدا کے آدمیوں یا بعضے کنعانی قبیلوں نے (جن کو جنّ کہا ہے) فن تنجیم یعنی اخترشناسی کا اظہار کیا ہو کیونکہ یہ علم نجوم کلدانیوں کی قوم کا نکالا ہوا ہے اور اسی خالدیہ یعنی ملک شام میں ملک صور وصیدا و فلسطین داخل ہے۔ اور صور وصیدا کے آدمیوں کو جہاز رانی کے لیئے بھی اخترشناسی کی بڑی ضرورت تھی اور اس زمانہ میں کمپاس اور قطب نما کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لیئے ستاروں کی شناخت بہت ضروری تھی۔ اور قوم فونیقیا بھی نجوم میں ماہر تھی اور صوری و صیدونی سب فونیقی تھے +

"وحشر لسلیمان جنوده من الجن والانس والطّیر فهم یوزعون" (نمل × ۱۷)

اس مضمون کے ابتداء میں اس آیت کی تفسیر میں صرف اسیقدر بحث کی گئی تھی کہ حضرت سلیمان کے پاس جنّ تھے چنانچہ اس کی تصدیق اُنھیں کی کتاب واعظ کے ۲ باب کے ۸ سیوق سے جس میں لفظ שדה (شدہ) اور שדות (شدوت) سے کی گئی تھی اور ایک عام طور سے بیان کیا گیا کہ یہ شد یا جنّ کون لوگ تھے مگر اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کی فوج کی تقسیم ٹھیک ٹھیک ایسی ہی تھی جیسے کہ قرآن مجید میں

مذکور ہے - ہر اک فوج سلیمانی اِک جُداگانہ نام اور خصوصیت سے مرسوم تھی ÷

حضرت داؤد نے جو کہ حضرت سلیمانؑ کے باپ تھے اپنی فوج ۳ قسم پر تقسیم کی تھی - ایک لشکر میں تو فلسطینی قوم کے آدمی تھے اُن میں کوئی شخص بنی اسرائیل میں سے نہ تھا اور چونکہ بنی اسرائیل کا محاورہ تھا کہ اپنی قوم کے آدمیوں میں اور غیر قوم کے آدمیوں میں تمیز و تفریق کرتے تھے اور غیر قوم کے آدمیوں کو اِک خاص نام جس سے نفرت اور حقارت یا اُن کے کفر کا اشعار ہوتا ہو موسوم کرتے تھے جیسے גוים (غیم) یا גוים (گوئم) اور بربر اور اُمیین وغیرہ - یہی قسم فوج کی قرآن مجید میں "جن" کے نام سے آئی ہے - دوسری قسم خاص بنی اسرائیل کی قوم تھی جو قرآن میں "انس" کے نام سے اس مقام میں آئی ہے - اور تیسری قسم کی فوج ایک خاص طور کی جماعت تھی جیسی باڈی گارڈ - وہ ہمیشہ طیار رہتی تھی اور چھوٹی جماعت صرف ۶۰۰ بہادروں کی تھی اور وہ اس کام کے لیئے مخصوص تھی جیسی عربی فوجوں کی قسم میں "طیر" ہوتی ہے ÷

اُن کی تفصیل یہ ہے

(۱) فوج جن - کریتی اور فلیتی قوم کے آدمی جو اجنبی قوم کے تھے - ان کا ذکر کتاب دوم صموئیل باب ۱۵ کی ۱۸ - ۱۹ آیتوں میں ہے اور اسی کتاب کے آٹھویں باب کی ۱۸ آیت اور بیسویں باب کی ۷ اور ۲۳ آیت میں بھی ان کا نام ہے - یہ دونوں قبیلے فلسطانیوں کی نسل سے تھے (دیکھو گزینیوس کا عبرانی لغت جو کہ ابو الولید ابن جناح القرطبی کی کتاب الاصول سے ماخوذ ہے ص ۱۷۴ و ۶۷۷ - اور ای وآلد کی عبرانی گرامر ص ۲۹۷ اور ہارن کی ۳ ج ص ۲۰۲) ÷

دوسری قسم فوج اسرائیل کے نام سے تھی اس میں سب بنی اسرائیل و اہل کتاب تھے اُن کو لفظ انس سے تعبیر کیا ہے - اِن کی تفصیل کتاب اخبار الایام باب ۲۷ میں (۱ - ۱۵) و ۲ صموئیل باب ۸ کی ۱۶ اور باب ۲۰ کی ۲۳ آیت میں مذکور ہے ÷

بنی اسرائیل ہمیشہ اپنی قوم اسرائیل کو غیر قوم کے آدمیوں سے اپنے محاورات میں ممتاز کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو עם (جو اصل میں עם יהוה (خدا کی قوم) اور עם קדוש (مقدس قوم) اور עם נחלה (قوم محفوظ) ہے (خروج ۱۵ باب ۱۳ استثنا باب ۳۲ و ۳۶ و باب ۷ و ۶ و باب ۴ - ۲ وغیرہ) کہتے تھے اور اپنے ماسوا

کو גדוד جس سے مراد عام لوگ اور مخالف تھے (زبور دوسرا باب ۱ و ۸ نواں باب ۶ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ دسواں باب ۱۶ - اٹھواں باب ۶ و ۹ اٹھاسی باب ۶ و ۱۰ ایک سو چھٹا باب ۴۷) کہا کرتے تھے - ان تینوں محاوروں کی رعایت اور مناسبت سے فوج اسرائیل اور فوج اقوام فلسطینی کو انس اور جن کی فوج سے اس آیت میں بیان کیا ہے ۔

بنی آدم کی ایسی تقسیم ہر ایک قوم اور اُمہ میں کسی کی رعایت اور لحاظ سے مثلاً مذہبی تفریق سے یا زبان کی تمیز سے یا رنگ کی تفریق سے یا ملک اور ولایت کی مبائنت سے یا میل جول اور وحشت اور مخالفت کی نظر سے یا دوستی اور دشمنی کی راہ سے کر لیتے تھے یونانی اور رومی اپنے ماسوا اَور سب قوموں کو بربری یعنی جنگلی کہتے تھے اور عرب اپنے ماسوا سب کو عجم کہتے تھے پھر خاص عرب میں دو تفریقیں تھیں اہل الحضر اور اہل البدو بنی آدم کی دو تفریقیں کر رکھی تھیں احمر اور اسود اور ہند میں قدیم آریا لوگ اپنے ماسوا آدمیوں کو دسو کہتے تھے ۔

تیسری قسم فوج کی طرح تھی جو داؤد کے بہادروں کے نام سے موسوم تھی גבדי דוד (کتاب اوّل سلاطین باب اوّل آیت ۸) اُن کی تفصیل کتاب دوم صموئیل کے باب میں (۸ - ۳۹) اور کتاب اوّل اخبار الایام کے گیارھویں باب میں (۱۱ - ۴۷)

یہ لوگ تعداد میں ۶۰۰ تھے اور پھر اُن میں دو دو سو کی ٹکڑیاں تھیں اور پھر اُن میں بیس بیس کی تفریقیں اور تقسیمیں ۔

فوج کی یہی تقسیمیں جو حضرت داؤد کے وقت میں تھیں حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی قائم اور موجود ہیں اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہیں ۔

حضرت عیسیٰ

مسیح

ابن مریم رسول اللہ

اور

صلیب

"وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ"
"وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین"
"اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا"
"اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً ۔ بل رفعہ اللہ الیہ"

(نساء ۲۲ ع آیت ۱۵۶)

ترجمہ ۔ اور یہود کے اس کہنے پر کہ ہمنے مسیح عیسے ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا حالانکہ نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب دیکر مارا ہے لیکن ان کے آگے صورت بن گئی اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شک میں پڑتے ہیں اُن کو اسپر یقین نہیں مگر اٹکل پر چلتے ہیں اور اُس کو مارا نہیں یقیناً بلکہ اسکو خدا نے اپنی طرف اُٹھا لیا ۔

(۲) حضرت عیسےؑ نہ تو تلوار سے یا پتھروں سے مار ڈالے گئے اور نہ صلیب پر مارے گئے لیکن اُن کے قتل کرنے والوں کو دھوکا ہو گیا یا اُن سے اصل بات پوشیدہ ہو گئی یا انکو حضرت عیسےؑ کی موت کا تشابہ ہو گیا حالانکہ وہ یقیناً نہیں مرے تھے البتہ وہ تین گھنٹہ تک صلیب پر اذیت سے لٹکتے رہے اور پھر اُتار لیئے گئے ۔ صلیب پر مصلوب ہونے سے جلدی کوئی شخص نہیں مر جاتا بلکہ کئی روز تک لٹکنے سے دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت اور زخموں کی تکلیف سے البتہ مر جاتا ہے یہ معاملہ حضرت عیسےؑ کے ساتھ نہیں ہوا ۔ اور جب وہ اُتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو اُن کو کہ وہ ابھی زندہ مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین شب کو مقبرہ سے نکال کے گھر میں کہیں پوشیدہ لے گئے اور پھر حضرت عیسےؑ بعضے حواریوں کو زندہ نظر آئے مگر یہود کی عداوت اور رومیوں کے اندیشہ سے کہیں

دیہات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رہتے تھے پھر خدا نے اُن کو اُٹھا لیا یعنی اپنی موت طبعی سے مر گئے اور خدا کے پاس چلے گئے اور اُس کے داہنے ہاتھ جگہ پائی۔ یہ دونوں باتیں مجازاً اور فضیلتاً کہی جاتی ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اُن کو مار ڈالا قرآن مجید اُن کو جھٹلاتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کی صورت کا ایک دوسرا آدمی پکڑا گیا اُن کو بھی قرآن مجید جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اُن کو علم قطعی نہیں ہے اٹکل پر چلتے ہیں اور پھر اصلی حقیقت بتلاتا ہے۔ کہ اصل بات ایسی چھپ گئی یا پوشیدہ کی گئی ٭

(۳) اب ہم انہیں متعددات کو مفصل اور مدلل بیان کرتے ہیں ٭

یہودیوں کی بے ایمانی اور سخت مکاری اور شدید ریاکاری سے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول پر اضلال کا اتہام لگایا گیا اور تکفیر کا فتویٰ دیا گیا ٹھیک جیسا کہ اس زمانہ میں یہود ھذہ الامۃ کر رہے ہیں۔ وہ حضرت عیسےٰ کو مضل کہتے تھے (متی ۲۷/۶۳ یوحنا ۲/۴) ٭

(ب) ایسے شخص کی سزا یہود کی شریعت میں سنگساری سے قتل کرنے کی تھی (کتاب اخبار ۲۴/۱۴ و مابعد و کتاب استثنا ۱۳/۱ و مابعد) ٭

(۴) مگر حضرت عیسےٰ پر کچھ صرف مذہبی جرم ہی قایم نہیں ہوا تھا بلکہ بے ایمان یہودیوں نے اُن پر بغاوت کا جرم بھی ضمیمہ کر دیا تھا تاکہ حکام وقت کو اُن کی سزا پر توجہ ہو یہی وجہ تھی کہ پلاطس نے حکم دیا ورنہ وہ یہود کے مذہبی الزامات کی کچھ پروا نہ کرتا اور اسی لیئے وہ سنگسار نہیں کیئے گئے جو کہ یہود کی شرعی سزا تھی بلکہ صلیب پر چڑھا کے مار ڈالنے کی تجویز ہوئی کیونکہ یہ رومیوں کی سزا تھی ٭

(۵) یہود کے کاہنوں نے جو موت کا فتویٰ دیا تھا وہ بغیر رومی گورنر کی منظوری کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا اس لیئے ضرور ہوا کہ پلاطس کے دربار میں حضرت عیسےٰ کو لیجاویں اس حاکم نے تحقیقات کے بعد حکم دیا کہ میں اس شخص پر کوئی جرم نہیں پاتا مگر یہود نے پھر غل مچوایا (یہود وہاں حاضر نہ تھے یوحنا ۱۸/۳۸) اور اخیر کو اس حاکم کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عیسےٰ مجرم سہی مگر عید فصح کے روز ایک مجرم چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیئے اس نے یہود سے کہا کہ تمہاری عادت کے موافق میں اُن کو چھوڑ دیتا ہوں۔ تب پھر یہودی چلائے اور سب حاضرین سے کہلوایا کہ یسوع باربان چھوڑ دیا جاوے اتفاق سے اس مجرم کا بھی نام

یسوع تھا اور باربان لقب تھا (دیکھو رینان کی تاریخ مسیح باب ۲۴ ص ۹-۴۲۷ ۱۸۶۵ء)

(۶) بالآخر حضرت عیسےٰ کو مقام جلجتہ میں لاکر صلیب سے باندھا۔ صلیب دو لکڑیوں سے جو باہم منقطع ہوں بنی ہوتی ہے اور مصلوب کے دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھوک دیتے تھے اور پیروں میں بھی میخیں ٹھوکتے تھے یا کبھی کبھی ہاتھ اور پیر رسّی سے باندھ دیتے تھے (ہارن کی کتاب جلد ۳ ص ۷۰۵) اور جو لکڑی عمودی شکل کی ہوتی تھی اسکے بیچ میں ایک لکڑی لگی رہتی تھی جو مصلوب کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی تھی ورنہ بغیر اسکے مصلوب کا دھڑ نیچے کو لٹک آتا اور میخوں سے ہاتھ نکل جاتے (یہ بات شیخ آرینیوس جو پہلی صدی میں تھا اور جسٹن جو دوسری صدی میں تھا اُن کے کلام سے معلوم ہوتی ہے ارنسٹ رینان باب ۲۵ ص ۴۸۷) حضرت عیسےٰ کو بھی یہ سب اذیتیں اُٹھانی پڑیں مگر یہ بات صاف معلوم نہیں ہوتی کہ اُن کے پیر چھیدے گئے تھے یا باندھے گئے تھے کیونکہ بعد واقعہ صلیب جب حضرت عیسےٰ بعض عیسائیوں سے ملے تو لوک کی روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ اور پانوں نشان کے لیئے دکھلائے (لوک ۲۴/۳۹) مگر یوحنا کی روایت میں ہے (۲۰/۲۰) کہ ہاتھ دکھلائے۔ لوک نے بچشم خود نہ دیکھا ہوگا اور یوحنا نے شاید دیکھا ہو

(۷) مصلوب کے لیئے جہاں اور سختیاں تھیں وہاں ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے زمانہ کی پھانسی کی طرح فوراً یا جلد نہیں مرجاتا تھا بلکہ تین چار دن تک اُسپر لٹکنے یا بندھے رہنے میں بھوک کی شدت پیاس[1] کی سختی زخموں کی تکلیف اور دھوپ کی تپش سے مرتا تھا اور جو کوئی قوی مزاج کا آدمی ہوتا تھا وہ صرف فاقوں کا مارا مرتا تھا۔ یہ بات کہ صلیب پر تین یا چار دن تک موت نہیں آتی تھی پطرونیوس طبطوس کی شہادت سے کتاب سطیری کان ۱۱۱ وغیرہ) جو پہلی صدی عیسوی میں نیرو شہنشاہ روم کا دوست تھا اور شیخ ازیحبوس

---

[1] حضرت عیسےٰ کو صلیب پر پیاس کی شدت میں سرکا ایک اسفنج کے ذریعہ سے پلایا گیا تھا (متی ۲۷/۴۸ مرق ۱۵/۳۶ لوق ۲۳/۳۶ یوحنا ۱۹/۲۸-۳۰) رومی سپاہیوں کے پاس ہر موقع میں یہ شربت سرکہ کا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا دیکھو تصنیفات اسپارطیانوس اور ولکاطیرس علیکانوس اور یہ رومی سپکا نہایت صحت بخش اور مفید ہوتا تھا چنانچہ ڈاکٹر مگزہام نے رسالہ حمیات کے بیان میں اسکی تصریح کی ہے اِس شربت سے حضرت عیسےٰ کو بہت کچھ تسکین ہوگئی ہوگی۔ واللہ الرحمان الطاف خفیہ

کی شہادت سے (تفسیر انجیل متی مطبوعہ کوبیگا رٹن ص ۶۳ وغیرہ) جو تیسری صدی عیسوی میں مذہب عیسوی کا مستند اور معتمد بزرگ گذرا ہے ثابت ہے (دیکھو ارنسطاریناں کا تذکرہ مسیح ص ۲۹۰) اور قوی مزاج آدمی کا مرض بھوک کے صدموں سے مرنا یوسی بس پیفلی (جو قیصریا میں اسقف اور تیسری اور چوتھی صدی میں تھا) کی تاریخ کلیسا ۸/۸ سے ثابت ہے (ایضاً ص ۲۹۱) ؁

اس لئے جب پلاطس سے یوسف نے حضرت عیسےٰ کے دفن کی اجازت مانگی تو وہ بہت متعجب ہوا کہ ایسی جلدی مر گئے (مرقس ۴۴/۱۵) ڈاکٹر اے کلارک نے تفسیر انجیل متی ۲۷/۳۲ میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں ہیں کہ شخص مصلوب ایسی شدت کے عذاب میں کئی دن تک زندہ رہا ہے (دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ سنہ ۱۸۲۸ء) ؁

(۸) حضرت عیسےٰ کے شاگرد تو سب بھاگ گئے تھے اور صلیب کے وقت کوئی حاضر ناظر نہ تھا۔ ہاں دور کھڑی ہوئی کچھ عورتیں اور جو لوگ حضرت عیسےٰ کو جانتے تھے دیکھ رہے تھے (متی ۵۵/۲۷ و ۵۶/۲ مرقس ۴۰/۱۵ و ۴۱/۱ لوق ۴۹/۲۳) مگر یوحنا کی انجیل میں ہے ۲۵/۱۹ کہ وہ صلیب کے پاس کھڑے تھے۔ مگر کتنے ہی پاس ہونگے تب بھی دشمنوں کے خوف اور سپاہیوں کے اہتمام کی وجہ سے دور ضرور ہونگے یوحنا نے آپکو پاس بتلایا صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے حضرت عیسےٰ کی بات سن لی ؁

(۹) صلیب والا دن عید فسح کا دن تھا دوپہر کے وقت یہ واقعہ صلیب پیش آیا اور اب تھوڑی دیر کے بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور سبت بھی کیسا کہ معمولی طور کا نہیں بلکہ ایک خاص طور کا جسمیں ان کو بڑا اہتمام اور مذہبی احترام تھا۔ اور یہ بھی شریعت یہود میں حکم تھا کہ شخص مقتول (مرجوم) یا مصلوب کی لاش اسی دن دفن کر دی جاوے (کتاب استثنا ۲۲/۲۱ و ۲۳/۲ و یوشع ۲۹/۸ و ۲۶/۱۰ و تاریخ یوسیفس مورخ یہود کتاب ۴ ۵ کتاب احادیث یہود یعنی مشنا (سنہدریم ۶/۵) مگر یہود کے ہاں یہ دستور تھا کہ پہلے سنگسار کر کے مار ڈالتے تھے تب صلیب پر لٹکاتے اور اب جب سے کہ ان کی حکومت جاتی رہی اور رومیوں کا قانون جاری ہوا سنگساری کی رسم موقوف ہو گئی تو اب یہود کے حساب سے شخص مصلوب مرے یا نہ مرے مگر اسی دن اس کو صلیب پر سے اتارنا چاہیے۔ پس ان وجوہ سے یہودیوں نے نہ تو کچھ معاملہ صلیب میں اہتمام کیا بلکہ نہایت جلدی چاہی اور نہ بعد صلیب حضرت عیسےٰ کو

صلیب سے متعلق رہنے دیا بلکہ حکام رومیہ سے درخواست کی کہ حضرت عیسےٰ کی ٹانگیں توڑ کے اُترو الیں تاکہ اُن کی لاش سبت کو لٹکتی نہ رہجاوے (دیکھو یوحنا کی انجیل ۱۹/۳۱) یہ ٹانگیں توڑوانا بھی قتل کی غرض سے تھا کیونکہ اُن کو معلوم تھا کہ مطلق صلیب پر لٹکانے سے کوئی مصلوب مرتا نہیں ۔ الا حضرت عیسیٰ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں کیونکہ وہ تو ضعف یا غشی کے باعث سے مردہ معلوم ہوتے ہی اور اسی پر اشارہ ہے ۔ شبہ لہم (نساء ۱۵۶) میں ٭ فلو یہودی فیلسوف الکندری (سنہ ۲۰ قبل مسیح تا سنہ ۴۰ ء) نے اپنی کتاب فلقیم (۱۰) میں لکھا ہے کہ یہود نے درخواست کی تھی کہ ہمارا مقدس سبت اس ناپاک لاش کے رہنے سے خراب نہووے ٭

پس اِن وجوہ سے بہت جلد حضرت عیسےٰ کو صلیب پر سے بظاہر مردہ و بباطن زندہ اُتار لیا گیا ٭

(۱۰) مگر اسی کے متعلق ایک واقعہ اَور بھی گذرا کہ جب رومیوں نے ان اَور دو شخصوں کی جو حضرت عیسیٰ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ٹانگیں توڑ دیں اور حضرت عیسےٰ کی ٹانگیں نہیں توڑیں تو ایک نے برچھی سے حضرت عیسےٰ کے پہلو میں ذرا چھید دیا شاید صرف اس غرض سے کہ اگر ہوش باقی ہوگا تو وہ متاذی ہو کر کوئی حرکت مذبوحی کرینگے ۔ اس زخم سے خون اور پانی جاری ہوا یہ بات صرف یوحنا کی انجیل میں ہے جو حضرت عیسےٰ کے بعید ہوں یا قریب ہونگے مگر خون کا نکلنا بے شک اُن کی زندگی کی دلیل ہے کیونکہ مردے کے جسم سے زخم یا نشتر دینے پر خون نکلتا ہے نہ پانی ۔ پس اس وقت حضرت عیسےٰ زندہ تھے اور اُسی وقت اُتار لیے گئے ۔ سب کام نہایت عجلت میں ہوا ۔ یوسف جو ایک ذی عزت مالدار اور کونسل سنہدریم کا ممبر تھا اُس نے لاش مانگ لی جو اُس کے حوالہ کردی گئی اس نے اور ایک اَور مرد مومن نے دفن کا سامان کیا اور سب لوگ چلے گئے ٭

برچھی سے چھیدنے کا مضمون (یوحنا ۱۹/۳۴ و ۱۹/۳۷) گو ہمارے خلاف نہیں مگر ہمکو اسپر بہت شبہ ہے ۔ اور اناجیل نویس متی مرقس لوقا اس بات کا بیان نہیں کرتے حالانکہ ایک امر عظیم اور ضروری تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں عیسائیوں نے صرف بعض پیشگوئیوں کو (زبور ۳۴/۲۰ ذکریا ۱۲/۱۰) جاننے کے لیئے یہ بات اپنی طرف سے بنا کر روایت میں شامل کردی ہے ٭

جبکہ باوجود اجازت اور حکم کی بھی اُن کے ٹانگیں نہیں توڑی گئیں تو یہ امر خلاف قیاس ہے

[redacted]

کرکسی ایک سپاہی نے ایسی جرأت کی ہوکر برچھی سے اُن کو چھید دیا ہو ؛

عیسائیوں نے یہ بات کہی ہے کہ وہ برچھی حوالی قلب میں جا لگی اور وہاں سے رقیق سفید رنگ کا مادہ نکلا مگر حوالی قلب کے زخمی ہونے پر اس کا مادہ اندر ہی کی طرف کو نکلتا اور اسفل کی جانب بہ جاتا نہ کہ فوارہ کی طرح باہر کو سیدھے سامنے کو پچکاری کی مانند جوش مارتا نکلتا اور تعجب کہ بہنے میں پانی اور خون الگ الگ رہے ؛

(۱۱) رومیوں کے دستور کے موافق ضرور تھا کہ مصلوب کی لاش پر صلیب لٹکتی رہے اور چڑیوں کا شکار ہو جاوے - یہی دستور اہل مصر کا بھی تھا دیکھو قرآن سورہ یوسف و اما الاٰخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ (۱۲ ج ۵ ع) رومیوں کے اس دستور کی سند ہوریس لاطینی شاعر کے خطوط (جو حضرت عیسٰے سے قبل پہلی صدی میں تھا) جووینل (پہلی صدی ع) لوکن (رومی شاعر پہلی صدی ع) پلاطوس شاعر (دو صدی قبل عیسوی) پلینی (پہلی صدی) پلوطارس فیلوف (پہلی اور دوسری صدی) پطرونیس (پہلی صدی) کے کلام سے ثابت ہے برخلاف اس کے حضرت عیسٰے اسی روز صلیب پر صرف ڈھائی تین گھنٹے رہنے پر یوسف کے حوالہ کر دیئے گئے ؛

(۱۲) دفن کرنے والوں نے بھی بڑی عجلت کی اور کامل طور سے انھیں دفن نہیں کیا - اُنھوں نے ایک لحد میں حضرت عیسٰے کو رکھ کے دروازوں پر ایک چٹان یا پتھر کی سل رکھدی تھی تاکہ پرسوں کو عطریات لاکے قبر میں رکھینگے اور کل سبت کو تو کچھ ہو نہیں سکیگا ؛

اور وہ عورتیں بھی جو صلیب کے وقت دور کھڑی دیکھتی تھیں اُس وقت پاس سے حضرت عیسٰے کی لاش کا موقع خوب دیکھ گئیں (لوقا ۲۳ ۵۵) اور اب سب لوگ چلے گئے نہ وہ دشمن خونخوار یہودی رہے اور نہ وہ رومیوں کا گارد رہا - کیونکہ یہ تو ہفتہ کے دن یہود کو سوجھی کہ مبادا اُن کی لاش کو اُن کے شاگرد چرا لیجاویں تب اُنھوں نے پلاطس سے ایک گارد مانگا کہ وہ پہرہ بٹھادے اُس نے کہا کہ تمہارے پاس سپاہی ہیں اُن کو بھیجدو - اب دوسرے روز وہ احمق پہرہ بٹھلانے گئے (متی ۲۷ ۶۲ و ۲۷ ۶۵)

(۱۳) اتوار کو صبح کے وقت وہی عورتیں قبر پر آئیں اور پتھر کو ہٹا ہوا دیکھا اور حضرت عیسٰے کو وہاں نہ پایا اور اُس وقت ایک یا دو شخص جو حاکم کے فرستادے یعنی فوج کے سپاہی تھے (انجیل کے ترجموں میں اُن کو فرشتہ بنا لیا ہے) اُنھوں نے کہا کہ تم زندے کو مُردوں میں ڈھونڈھتے

ہو - اب یہاں پر بہت سی مختلف روایتیں ہیں جو متی باب ۲۸ مرقس باب ۱۶ لوق باب ۲۴
یوحنا باب ۲۰ میں لکھی ہوئی ہیں ان عورتوں نے پطرس و یوحنا اور حواریوں کو خبر کی اور مشہور
ہوگیا کہ وہ جی اُٹھے ۔

(۱۴) واقعہ صلیب کے بعد تین دفعہ حضرت عیسےٰ زندہ مگر مجروح اپنے حواریوں کو نظر
آئے جن کی تفصیل یوحنا کی انجیل کے بیسویں اور اکیسویں باب میں ہے مگر مجدلینی کو حضرت
عیسےٰ کا نظر آنا غلط ہے اس عورت کے قول کا کچھ اعتبار نہیں وہ شدت سے ضعیف العقل
تھی اسکو سات جن لپٹے ہوئے تھے (لوق ۸ یونانی) زبان میں اس محاورہ سے مراد یہ ہے
کہ مجنون تھی ۔ اور خود اُسکو شبہ تھا بلکہ اُس نے اس شخص کو باغ کا چوکیدار سمجھا اور درحقیقت
ایسا ہی تھا ۔ مگر اس کے ذہن میں اور خیال میں حضرت عیسےٰ بسے ہوئے تھے اُس نے
بعد میں یقین کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہی تھے ۔

(۱۵) اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی موت کی نسبت بہت سے شبہے پیدا ہوگئے تھے ۔
پلاطس نے جب اس سے دفن کی اجازت لی گئی تو تعجب کیا اور اپنے صوبہ دار سے جو صلیب
کے اہتمام میں تھا پوچھا کہ کیا وہ مرگئے (مرق ۱۵/۴۴ و ۱۵/۴۵) ۔

اور بعد میں عیسائیوں کو خود یہ بات کھٹکتی تھی کہ ایسی جلدی مرجانا بالکل خلاف عادت تھا
صلیب پر آدمی چار چار روز تک نہیں مرتے اس لیئے اُنھوں نے حضرت عیسےٰ کے
جلدی مرجانے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا اور جی اُٹھنے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا !!! ۔ اوریجنوس
نے (جو تیسری صدی عیسوی کے مشائخ میں تھے) تفسیر انجیل متی میں اسی قبل موت کو
ایک معجزہ قرار دیا ہے ۔ کئی مثالیں اس قسم کی معلوم ہوئی ہیں کہ اشخاص مصلوب کو موقع سے
اُتار کے مجرب دواؤں سے معالجہ کیا اور وہ زندہ رہے ۔

چنانچہ ہیروڈوطس مورخ رومی اپنی تاریخ کی کتاب ۷ باب ۱۹۴ میں لکھتا ہے کہ سندوکیس جو
صوبہ ایولیس کے شہر کیمی میں حاکم تھا جبکہ وہ بادشاہی قاضیوں میں سے ایک قاضی تھا تو اسکو
دارا بادشاہ نے رشوت ستانی کے جرم میں مصلوب کر دیا تھا مگر درآنحالیکہ وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا
دارا کو خیال آیا سندوکیس کی عمدہ خدمتیں بہ نسبت اس امر کے جرم کے زیادہ ہیں اور کہا کہ میں نے
جلدی میں حکم دیا اور اسیوقت حکم دیا کہ اسکو صلیب پر سے اُتار کے رہا کر دو ۔ پس سندوکیس
اس طرح دارا کے ہاتھ سے موت سے بچ رہا ۔ اور یوسیفس یہودی مورخ نے جو پہلی صدی عیسوی

میں تھا اپنی سوانح عمری کی دفعہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ مجھے بادشاہ طیطوس قیصر نے ہزار سوار لیکر قریالیوس کے ساتھ موضع ثقوا آ کے دیکھنے کو بھیجا کہ وہ جگہ فوج کے قیام کے لیئے مناسب ہے یا نہیں جب میں وہاں سے پلٹ کے آیا تو دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب ہوگئے ہیں انہیں تین آدمی میرے پہلے ملاقاتی نکلے اس بات سے میں بہت رنجیدہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر بادشاہ کے پاس جا کے عرض معروض کی بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ وہ مصلوب اُتار لیئے جاویں اور ان کا معالجہ کیا جاوے تا کہ وہ جی بچیں۔ اُن میں سے ۲ آدمی طبیبوں کے زیر معالجہ مر گئے مگر تیسرا شخص بچ رہا۔

بڑے سے بڑا قرینہ اُن کی یقینی موت کا یہی ہو سکتا ہے کہ یہود جو شدت سے دشمن تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے کیا وہ کیونکر بغیر قطعی اور یقینی قتل کیئے باز آئے ہونگے یا اُنھوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا۔ مگر معلوم ہے کہ یہود کو اُس دن بہت تردد تھا وہ دن اُنکے یہاں روز عید فصح تھا اور اُس کے تھوڑی دیر بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور اُن کو خود اُس دن کسی فعل کے مباشر ہونے کی ممانعت تھی وہ تو شاید صلیب گاہ پر بھی حاضر نہ تھے کیونکہ وہاں مذہبی ممانعت ہے کہ عید فصح کے دن کوئی کام نہ کرنا چاہیئے (کتاب خروج ۱۲ / ۱۶ لیویان ۲۳ / ۷ و ۸) وہ لوگ پلاطس کے ایوان عدالت میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ اور عید کے باعث سے قربانیوں اور فطیری روٹیوں کی فکر میں تھے۔

پس وہ تو ان شغلوں اور مذہبی اندیشوں اور شرعی مانعوں کی وجہ سے اسمیں کچھ اہتمام نہ کر سکے۔

(۱۶) کئی ایک قدیم فرقے عیسائی مذہب کے اسبات کے معتقد تھے کہ حضرت عیسےٰ قتل نہیں ہوئے باسالیدیان اور سرن تھیان اور کورپوکری تیان وغیرہ عیسائی قدیم فرقے کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ شمعون قریتی صلیب دیا گیا اور فوطیس نے (بطریق قسطنطنیہ نویں صدی) لکھا ہے کہ کتاب سیر الحواریان جس میں پطرس یوحنا اندریو طامس اور پولوس کے حالات لکھے ہیں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ اُن کی جگہ کوئی اور مصلوب ہوا۔ اور برنباس کی انجیل میں لکھا ہے کہ یہودا اسخریوطی اُن کی جگہ مصلوب ہوا اور یہود کو یہ دعویٰ تھا کہ ہمنے یقیناً سنگسار کر کے مصلوب کر دیا۔ مگر ان سب کے خیالات درست نہیں تھے اور قرآن نے انکی تکذیب کی ہے چنانچہ فرمایا ہے ان الذین اختلفوا فیہ لفی شك منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن۔

(۱۷) پس جبکہ ایکطرف حضرت عیسےٰ کی موت ثابت نہیں ہوئی اور دوسری طرف اُن کی لاش کا قبر سے

بہت جلد غایب ہوجانا ثابت ہے تو اب کوئی اور احتمال نہیں ہوسکتا مگر یہی کہ وہ قبر میں زندہ رکھے گئے اور زندہ چلے گئے - ظن غالب ہے کہ اسی یوسف اور نقیدیموس نے اسباب میں کوشش کی ہوگی کیونکہ ان لوگوں کو یہ بات خوب ظاہر تھی کہ حضرت عیسےٰ پر موت طاری نہیں ہوئی کیونکہ ایسی موت بالکل خلاف عادت تھی اُنھوں نے اپنی رسم کے موافق حضرت عیسےٰ کو نہلایا بھی نہ تھا حالانکہ رومیوں یہودیوں اور مصریوں میں مردے کو نہلانے کی عام رسم تھی اور وہ جانتے تھے کہ وہ فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ اُن کو نکال لانے میں ایک معصوم نبی اور اولوالعزم رسول کی جان بچائی ہے اور وہ دونوں اس میں کامیاب ہوئے - وَعَلَى اللّٰهِ اَجرُهُم ؕ

(۱۸) قرآن میں حضرت عیسےٰ کے مصلوب ہونے کے باب میں جو مضمون ہے اسکو ہمیشہ عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ وہ اُنھیں فرقوں سے لیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کی جگہ کوئی دوسرا آدمی مصلوب ہوا اور وہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن حقایق واقعی یعنی تاریخی واقعات کے خلاف ہے مگر یہ اعتراض بیجا ہے - قرآن خود بتلاتا ہے کہ لوگ اس باب میں مختلف ہیں یعنی کوئی کہتا ہے حضرت عیسےٰ یقیناً صلیب پر مرے اور کوئی کہتا ہے کہ اُن کی جگہ دوسرا آدمی مارا گیا پھر کوئی کہتا ہے کہ وہ شخص یوسف تھا اور کوئی کہتا ہے کہ یہودا تھا ان سب کی نسبت قرآن کہتا ہے ان الذین اختلفوا فیہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن ؕ

پس قرآن نے تاریخی واقعات کو بھی ثابت رکھا اور سچی حقیقت بھی بیان کردی ؕ

(۱۹) اب ہم ان مقدمات کے بعد قرآن کی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں ؕ

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ؕ

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے یہ سزا سنگین جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دیجاتی تھی جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ کی تابش اور دوران خون کی سوء مزاجی سے مرجاتے تھے اور دوسری قسم دفعتاً جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی (۱) سنگسار کرنا اور (۲) تلوار سے قتل کرنا - اس لیئے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسےٰ کو پتھر اؤ کرکے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسےٰ سنگسار کیئے گئے چنانچہ یہود کی کتاب مشنا اور تالمود یروشلم اور تالمود بابل سنہدریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو ازمنبط ریبان کا

تذکرہ مسیح باب ۲۵ ص ۲۸۴) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اسلئے قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارا ہے ماقتلوہ وما صلبوہ ۔ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ قتل بذریعہ صلیب ہوا نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھونکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اتار لینا مار ڈالنے کو کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی موت کی نفی مراد ہے ۔

(۲۰) ولکن شبہ لہم ۔ مگر صورت بنا دی گئی ان کے لئے یعنی موت کی صورت بنا دی گئی اس طور کہ حضرت عیسیٰ ان لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیت سے غشی یا بیہوشی میں آ گئے تھے اس سے انہوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی (بر چہار ہاتھا امتی ۲/۲۴ مارچ ۱/۱۴ ق ۲/۲۴) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اتار لیئے گئے تھے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہونچا ۔

(۲۱) حشویہ اور عام مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی صورت ایک اور شخص پر القا کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم ان میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہو بلکہ کسی اور کی صورت اسپر القا ہوئی ہو ۔ اور اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح و طلاق و ملک پر وثوق نہیں رہتا ۔ اگر ہم شبہ کو مسیح کی طرف مسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ مفسرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ ہیں نہ کہ مشبہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف جو مقتول ہوا بتاتے ہیں مسند کرتے ہیں تو اس کا کچھ ذکر قرآن میں نہیں ہے ۔

(۲۲) وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن ۔
اور جو لوگ اس میں یعنی ان کی صلیبی موت کی نسبت کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ میں پڑتے ہیں اور کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا ۔

ہمنے دفعہ ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہمنے قتل کیا دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے تیسرے فرقہ باسالیدیان اور سرن تھیان کا قول کہ ان کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے چوتھے فرقہ کا قول کہ ان کی جگہ یہودا اسخریوطی قتل ہوا ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں اس میں سے کسی بات کا انکو قطعی

علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیح کا صلیب پر نہ مرنا تو ہمنے مقدمات ۷ و ۸ و ۹ میں ثابت کیا ہے اور کسی اَور کا اُن کی جگہ مصلوب ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہے اور قراین اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ شمعون قرینی بعد میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا اور یہوداا سخریوطی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مرگیا ؛

(۴۳) وما قتلوہ یقیناً۔ اور اُس کو کسی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنے کا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا اور کیونکر وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لئے کافی نہیں ہے ؛

(۴۴) بل رفعہ اللہ الیہ۔ بلکہ خدا نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھا لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا انی ذاہب الی ربی (صافات ۹۷) اور مہاجروں کی نسبت کہا ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ (نسا ۱۰۱) یہ بات تعظیم و تشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف کو بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے ان باتوں کی ہمارے ہاں کچھ اصل نہیں ہے۔ بعد میں حضرت عیسےٰ یقیناً مرگئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی (آل عمران ۴۸) جس کی

---

[1] صحیح بخاری کی ایک روایت جو کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ہے اس میں بضمن قصہ معراج یہ مضمون ہے کہ حضرت عیسےٰ و یحییٰ دوسرے آسمان پر ملے۔ مگر یہ روایت تو بہت ہی مشتبہ ہے ہدبہ راوی کی نسائی صاحب صحیح نے تضعیف کی ہے اور ہمام راوی کو کبھی کبھی حدیث بیان کرنے میں وہم ہو جاتا تھا اور خلیفہ راوی کبھی کبھی روایت حدیث میں خطا کرتا تھا اور سعید راوی شدت سے تدلیس کیا کرتا تھا اس کی عقل مختلط ہوگئی تھی اور ہشام راوی بھی کبھی کبھی تدلیس کرتا تھا اور انس راوی نے مالک بن صعصعہ سے جو قصہ معراج روایت کیا ہے اس میں عنعنہ ہے اور مالک قدیم زمانہ میں مرگئے (شاید انس سے ملاقات ہونے سے پہلے) اور نیز مالک نے ارسال کے طور پر وہ روایت بیان کی ہے ؛

ان راویوں کا حال کتب رجال میں ملیگا خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ۱۲۷۱ھ ہجری میں یہ باتیں ملینگی ؛

تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس وپیش کیا ہے بلکہ اُسکو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں رافعك الي ومتوفيك ـ مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی قرآن بنایا ہو تو اُسمیں ہوگی ـ پھر دوسری جگہ اَور بھی صاف ہے فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم (مایدہ ۱۱۷) کہ حضرت عیسےٰ جناب باری سے عرض کرینگے کہ جب تو نے مجھے وفات دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (زمر ۴۲) پس اُن کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں جیسیکہ حضرت مریمؑ کا حال پھر کچھ نہ معلوم ہوا حالانکہ حضرت عیسےٰ نے اُن کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنا حواری صاحب تصنیفات بھی تھے پھر بھی کچھ حال اُن کا نہیں لکھا اور حضرت مسیحؑ تو دشمنوں سے پوشیدہ ہوکے دیہات میں چلے گئے تھے +

واقعہ صلیب کے متعلق عام عیسائیوں کی اَور جو کچھ دلیلیں ہیں وہ پھر کبھی بحث میں آوینگی

ڈیوٹی

ڈاکٹر سموئل سمائلز کی مشہور اخلاقی کتاب ڈیوٹی کا اردو ترجمہ کتاب مذکور بحیثیت اپنے اعلےٰ مضامین کے اس قابل ہے کہ کوئی فرد بشر اس کے مطالعہ سے خالی نہ رہے لکھو کھا کتابیں فروخت ہوتی ہیں اسمیں مندرجۂ ذیل مضامین ہیں۔ فرض منصبی۔ فرض علمی۔ دیانتداری صداقت۔ راستی۔ دلیری۔ تحمل انجام تک برابر پہنچانا۔ رولا۔ جانثاران سپاہی۔ نیک عملی میں بہادری۔ ہمدردی۔ خیرخواہی علم طالب علم اور اخلاقی سبق لینے والوں کے لئے نہایت عمدہ اتالیق ہے سلسلۂ ہند میں طیار ہے قیمت .. .. .. عہ ر

سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ

اپنی طرز کی سب سے پہلی کتاب جو دنیا کے کتب خانہ کو بہم پہنچی تھی اپنے زمانہ کی چشم دید تاریخ مسلمانوں کی شاہنشاہی۔ فتح و نصرت۔ بزرگی اور حکومت ترقی و تہذیب علمیت فضیلت ایجاد و اختراع۔ جاہ و جلال۔ شان شوکت۔ اولوالعزمی و ہمت۔ ہمدردی اخوت۔ رحم و انصاف۔ بخشش و سخاوت۔ فیاضی کشادہ دلی۔ اتفاق و یکجہتی۔ دینداری۔ اتقا و پرہیزگاری کا تصویر خانہ یعنی آٹھویں صدی ہجری کے ایک مسلمان سیاح کا سفرنامہ .. .. .. علاوہ محصولڈاک .. .. .. عہ ر

تفسیر الجن و الجان

کتاب نہایت معقولیت سے بحث کیگئی ہے کہ قرآن شریف میں جن لفظ سے کیا معنی لیے جاتے ہیں اور نیز قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے انکے متعلق بحث کیگئی ہے مصنفہ سرسید احمد خانصاحب .. ۵ ر

تحریر فی اصول التفسیر

یعنی نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر اور سر سید احمد خانصاحب کی خط و کتابت بابت تفسیر قرآن مصنفہ سر سید احمد خان۔ اور اس کے ساتھ سرسید کے مقاصد تفسیر جس شخص نے سرسید کی تفسیر دیکھی ہے اسکا فرض ہے کہ اسکو بھی ضرور دیکھے .. .. ۵ ر

لکچروں کا مجموعہ

اس مجموعہ میں سید احمد خانصاحب بہادر کے کل لکچر جمع کر کے چھاپے گئے ہیں اور جو دعائیں سید صاحب نے وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں لکچروں کے شروع میں کی ہیں وہ بہت ہی پُر اثر ہیں پڑھنے سے طبیعت پر زور پڑتا ہے اور اسکی طرف رجوع ہو جاتی ہے .. .. .. عہ

فضیلت معلم بالعلم الطلباء

یہ جواب اسپنسر کی کتاب صرف وعلی یا تعلیم کا تیسرا حصہ ہے بلکہ ایجوکیشنل ... جو عالم بننا چاہتے ہیں ان شائقین کے لئے نہایت مفید ہے .. .. ۱۲ ر

لکچر نماز

یعنی لکچر متعلق نماز کی خوبیوں کا جو جامع بیان کیا گیا ہے جسکو منشی سراج الدین صاحب ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی نے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھا تھا .. .. ۳ ر

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

یہ لکچر مولوی شبلی نعمانی صاحب نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں پڑھ کر سنایا گیا زیادہ لکھنا فضول قابل دید ہے .. .. عہ ر

مثنوی صبح امید نہایت عمدہ ... اسلامیہ ... ایک قومی مسدس ہے قابل ملاحظہ .. .. ۲ ر

تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری

تہذیب الاخلاق کی گذشتہ ہفت سالہ اشاعت نے ملک اور قوم کے دلوں پر جو اثر ڈالا ہے اسکے مفید ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کانفرنس ۱۹۰۹ء کے سالانہ جلسہ میں اسکی اجرائے ثانی اور اسیطرح سے اجرا یا اشاعت نہایت شد و مد سے ایک خاص لیکچر دیا گیا۔ حاضرین جلسہ اور خود سر سید احمد خان صاحب بالقابہ پر اس لیکچر کا جو اثر ہوا۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت تک تہذیب الاخلاق کے کئی پرچے پبلک کی شہرت افزائی کا باعث ہو چکے ہیں +

بیس برس ہوچکے کہ یہ قوم اور ملک کا خیرخواہ تہذیب الاخلاق قالب طبع سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ مگر قوم کی ابتدائی حالت سے اسکی اشاعت اسوقت اس درجہ تک محدود تھی کہ اشاعت کی سینکڑی اپنے پرچوں کو پوری تعداد بلکہ نصف تک بھی شمار کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے اور اسپر جب نرگوارئی پرچوں کی حفاظت میں بھی احتیاط کو چھوڑا سال جو بیک دمہ سالہ کسی بنگڑے کی نذر ہوا اور رسالہ جلد نامکمل رہگیا۔ ادھر زمانہ کی تغیرات سے خیالات نے پلٹا کھایا اور اس جوہر بے بہا کی تلاش کا شوق لوگوں میں بڑھتا گیا۔ مجھکو بخوبی یاد ہے کہ سر سید احمد خان صاحب نے میر ظہور حسین صاحب مرحوم وکیل ہائی کورٹ الہ آباد کو عطیہ دیا ہے ایک ہفت سالہ فائل مانگی تھی جسکی قیمت حضرت نے مبلغ ۵ روپیہ قرار دیکر اشتہار درج اخبار فرما دیا تھا۔ مگر اشتہار دینے کی دیر تھی کہ درخواستوں کا طومار بندھ گیا۔ یہ کیا تار صد بیمار کی مثل نے اپنی صورت دکھائی۔ سید صاحب کو اس کثیر التعداد شائقین سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور پہلی درخواست کنندہ کے سوا باقی سب تکتے رہگئے +

غرض تہذیب الاخلاق کی کمیابی اور شائقین کی بیتابی اور قوم کی ضرورت نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کو ایکدفعہ پھر قالب طبع سے آراستہ کردوں اور اس اخلاقی اور تمدنی تمثال کے جلوہ سے مشتاقان جمال کی آنکھوں کو روشنی دوں۔ غرضیکہ کل ایڈیشن ہفت سالہ چار جلدوں میں شائع کرنا پسند کیا۔ جو چھپ کر طیار ہوگئے ہیں +

جلد اول تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر کے کل مضامین آرٹیکل و ریویو و خطوط مجموعہ جو بالکل طیار ہیں۔ اور فروخت ہو رہے ہیں۔ قیمت فی جلد عہ

جلد دوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب کے کل مضامین آرٹیکل و ریویو وغیرہ سوا لیکچروں کے طیار ہے قیمت فی جلد [illegible]

جلد سوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خان صاحب بہادر کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری نہایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری طیار ہے قیمت فی جلد عہ

جلد چہارم تہذیب الاخلاق اس میں مولانا خواجہ حالی۔ مولوی ذکاء اللہ۔ سید محمود بیرسٹر ایٹ لا۔ نواب انتصار جنگ مولوی مہدی حسن صاحب وغیرہ وغیرہ کے مضامین ہیں۔ زیر طبع ہے

ہر ایک جلد کو مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ مضامین کے لحاظ سے مسلسل ترتیب دیگئی ہے۔ خط کی صفائی۔ کاغذ کی عمدگی اور حسن طبع میں پوری کوشش کیگئی ہے +

درخواستیں خریداری کی راقم کے نام پر ہوں +

المشتہر

خادم قوم فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور

حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

سفرنامہ

شیخ ابن بطوطہ

یعنی

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مسلمان مسافر ابن بطوطہ کے"

دلچسپ حالات سیر و سفر

مترجمہ و مرتبہ

نواز ش علی خاں

جس کو بعد اخذ حقوق

منشی **فضل الدین** تاجر کتب مالک اخبار قومی اشاعت بازار کشمیری لاہور

نے

مطبع مصطفائی لاہور میں طبع کرایا

قیمت فی جلد ایک روپیہ عہ

محصول ڈاک وغیرہ

نایاب کتابیں

تہذیب الاخلاق جلد اول

یعنی عالیجناب نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب منیر نواز جنگ مصنف کتاب آیات بینات وغیرہ کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ لغایت ۱۲۹۳ ہجری یہی مضامین ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا۔ اور یہ ہی مضامین ہیں جنکی تلاش ایک مدت سے خیرخواہان قوم و ملک کو تھی۔ مگر افسوس کہ انکو میسر نہ آئے۔ اب ہم نے نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر شائع کر دئے ہیں۔ بہت عمدہ ڈمی کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب۔ قیمت دو روپیہ عمار

تہذیب الاخلاق جلد دوم

یعنی عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خانصاحب بہادر بالقابہ کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین جنکی قوم کو از حد ضرورت تھی از ابتدائے ۱۲۸۷ لغایت ۱۲۹۳ ہجری چھپکر تیار ہو گئے ہیں۔ اس میں سر سید کے وہ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ تعداد میں یہ مضامین ایک کم سو ہیں اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں۔ اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ایک کورس مضامین نگاری کیلئے اتالیق۔ اردو لٹریچر کی جان یہ ہی دلچسپ مضامین ہیں جنکی مقبولیت سے سر سید کو کامیابی ہوئی۔ یہ ہی سچے اور بے لوث آرٹیکل ہیں جنھوں نے سر سید کا بول بالا کیا مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا۔ اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق دیا۔ ان مضامین کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ اصلاح قوم میں سر سید کو کس قدر رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آئی ہیں مفصل حالات آپ کو اسکے دیکھنے سے معلوم ہونگے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل اسلام کو اس کتاب کی کہاں تک ضرورت ہے۔ بہت بڑی کتاب ۶۳۲ صفحہ پر قیمت تین روپیہ ہے ہے لعہ

سیرۃ الفاروق

منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی کی تالیف کی ہوئی جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری جس میں انکے بچپن کے زمانہ سے لیکر وفات کے وقت تک کے تمام حالات مع فتوحات کے جو ان کے زمانہ میں ہوئے ہیں بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کرکے درج کئے گئے ہیں دیباچہ میں بہت سے اہم اور عظیم الشان امور پر نہایت دلچسپ بحث کیگئی ہے کسی مسلمان کو اس بے نظیر اور عدیم المثال اسلامی بزرگ ہیرو کے حالات کو شوق سے پڑھنے کیواسطے ترغیب دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسمیں اسلامی سچی شان و شوکت اور اصل جاہ و جلال اور بے نظیر شجاعت اور زہد کی تصویریں ہر جگہ اس کتاب میں کھینچی گئی ہیں ضخامت ۳۰۰ صفحہ سے زیادہ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنے عہ

دیباچہ

مسلمانوں کے پرانے کارنامے جن سے آج تاریخ عالم کے صفحے درخشاں ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر خیالی قصوں سے کچھ کم معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن تاریخ ان کی شاہد ہے اسی واسطے کبھی کبھی مسلمان بھی جب ان کو سن پاتے ہیں۔ یا دیکھ لیتے ہیں۔ تو اپنے اجداد کی بزرگی اور عظمت کی تصویر اپنے خیال میں کھینچ لیتے ہیں۔ مقصد ایسی باتوں سے یہ ہوتا ہے کہ یہ تازیانہ عبرت کا کام دیں۔ مگر ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

یہ دوا بھی اُلٹا اثر پیدا کرتی ہے۔ علوم عالم کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جو مسلمانوں کی تحقیق و تجسس کا شاکر نہ ہو۔ انسانی بہبود و فلاح تہذیب و شائستگی صنعت و حرفت۔ غرض جس کو دیکھو مسلمانوں کے زیر بار احسان۔ افسوس وہ "گولڈن ڈیز" (GOLDEN DAYS) "زرافشاں زمانہ" کہاں گیا۔ جسکو ہم آج وہم و گمان میں بھی نہیں لا سکتے +

ہم مسلمان ہی صرف اگر اس قسم کے فخریہ گر تاسف آمیز کلمات زبان پر لائیں تو شاید بادی النظر میں ان میں خودنمائی اور خودستائی یا محبت قدامت کی بو پائی جائے۔ لیکن مشرق سے مغرب تک منصف مزاج اور اہل الرائے نہ صرف اقرار کر گئے۔ بلکہ پکار پکار کر سنا گئے۔ کہ ہم نے مسلمانوں کی شاگردی سے جو کچھ سیکھا سیکھا۔ جس کے بار احسان سے ہم کبھی سبکدوش نہ ہونگے +

آج کل کے زمانہ کو دیکھکر اس زمانہ کا خیال کرتے وقت۔ جب ہم اُن ترقیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو مسلمانوں نے سرانجام دیں۔ تو غور خوض ہمارے دل میں اُن دلاوروں کی اور بھی وقعت

اور عزت بڑھا دیتا ہے۔ جنہوں نے ایک عالم کو اپنی کوشش کا شاکر اور ممنون بنایا تھا۔ اور جن کی یادگار یوں بھی قابل فخر و مباہات ہے +

جس طرح کسی میدانِ جنگ میں ایک ایک ذرۂ خاک شہیدوں کے خون سے سُرخ ہوتا ہے اور اُن کی جانفشانی اور ایثار کی شہادت دیتا ہے اسی طرح دنیا کے علوم و فنون کا ایک ایک حرف۔ ایک ایک مسئلہ۔ ترقی عالم کا ایک ایک قدم صنعت و حرفت کا ایک ایک جوہر۔ اُن مسلمان شہیدوں کے ایثار اور تصدق ہمدردئ خلائق۔ اور جان نثاری کا شاہد ہے جنہوں نے اس زندگی کے میدان میں مشکلات و مصائب تحقیق و تجسس کے مقابلہ میں کامیابی کے سہرے جیتے ہیں +

لیکن اس سے بڑھ کر اور بہت ہی بڑھ کر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اگر ہم اپنی فلاح و بہبودی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اگر ہم اپنے آپ کو چاہ ادبار سے نکالنے میں ساعی نہیں ہوتے۔ اگر ہم ترقی کی راہ تلاش کرنے اور عروج کی منزل تک پہنچنے کا خیال نہیں کرتے۔ تو ہم اس لائق بھی نہیں رہے کہ کبھی کبھی اپنے ناموروں کے مرثیے ہی پڑھ لیا کریں۔ ان کے کارنامے ہی عبور کر لیا کریں شاید کسی وقت رگ حمیت جوش میں آجائے اور روح بدن میں پیدا ہو جائے۔ جو انسان کو اشرف المخلوقات کے خطاب کا مستحق اور جائز دعویدار بناتی ہے۔ جو اس کے نام کو غیر فانی اور اُس کے اعمال کو دنیا کی نگاہ میں قابل تقلید اور قابل یادگار ٹھیراتی ہے +

یہی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو ہم اپنے نامور شجاعوں کے سکے سے نام ہی بتلانے میں تہیدست نکلتے ہیں۔ کجا یہ کہ ہم ان کو اپنی قوم اور دنیا کے سامنے پیش کر کے اُن سے کچھ کام لیں۔ آج کل سیر و سیاحت کے واسطے جو جو ذرائع بہم پہنچے ہیں۔ اور جس میں دن بدن ترقی ہوتی جاتی ہے ان کی وجہ سے رحلت کی کتابوں کا ذخیرہ دنیا میں دن بدن جمع ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ امر قابل بیان ہے کہ اس ذریعہ تعلیم و ترقی تہذیب کے بانی مبانی بھی مسلمان ہی ثابت ہوئے ہیں +

آج گو مغرب کے کتب خانے سفرناموں سے بھر کر پڑے ہیں۔ اور دن بدن ان میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مگر آٹھویں صدی ہجری سے پہلے تمام دنیا میں کسی نے دیکھنا تو کجا کسی کتاب رحلت کا شاید ذکر بھی نہ سُنا تھا۔ اور جس شخص نے سب سے پہلے کوئی سفرنامہ مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک نیا ذریعہ ترقی عالم کا کھولا۔ وہ عجیب و غریب

مسلمان مسافر ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ ابن بطوطہ تھا۔ جس کو باشندگان ممالک مشرق شمس الدین کے نام سے پکارتے ہیں +

یہ مسلمان سیاح پہلے پہل تو صرف بارادۂ حج بیت اللہ اپنے شہر سے نکلا تھا۔ مگر اولوالعزم جوانمردی کی ہمت نے اُمنگ پیدا کی اور اُس نے تمام دنیا کا طواف کیا۔ اس سیاح کا سفر معمولی مسافروں یا حاجیوں کا نہ تھا۔ یہ جس مقام جس گاؤں جس شہر یا جس مُلک میں پہنچتا گویا اس کا مطالعہ کرتا۔ وہاں کے باشندوں کے عادات و اطوار۔ طرز و وضع۔ تمدن۔ سیاست خیالات وغیرہ سے نتائج اخذ کرتا۔ ہر ایک امر کی تحقیق کرتا۔ اور اس طرح ایک نیا سائنس بنا رہا تھا جو آج کل ترقی عالم کا ایک ستون سمجھا جاتا ہے +

آج سے پانسو برس پہلے دنیا کا کیا حال تھا ؟ تاریخ گو موٹی موٹی باتیں بتاتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو طالب علمان علم تاریخ کے واسطے بھی وہ اسی قدر اکتفا کرتی ہیں۔ جب تاریخ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ مفصل حالات معلوم کرنے کا ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کا سفرنامہ خود اپنی جگہ ایک ایسی تاریخ ہے۔ کہ بلحاظ تاریخ وہ موجودہ تاریخوں میں بالکل بے نظیر اور جُدا ہے۔ بلحاظ ایک ایسی کتاب کے جو اس زمانہ کے لوگوں کی طرز معاشرت طریق تمدن۔ سیاست۔ مذہب۔ خیالات۔ ترقی۔ تہذیب۔ وغیرہ پر بحث کرتی ہے۔ بے مثل اور نایاب کتاب ہے۔ اور پھر اگر ہم یہ سوچیں کہ آج کل وقائع مندرجہ تاریخ کہاں تک قابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ اور کس طرح مؤرخ ایک دوسرے سے ان کی صحت اور صداقت پر بحث کرتے ہیں۔ اس وقت اس سیاح کے سفرنامہ کی وقعت اور قدر اور بھی ہماری نگاہ میں برتر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ حالات وہ ہیں۔ جو ایک مبصر محقق اور اہل الرائے نے اپنے چشم دید لکھے ہیں۔ اور بر سر موقع ہر ایک نتیجہ اصل معاملہ کے ہر ایک پہلو کو جانچ کر اخذ کیا ہے +

آج کل کے سفرناموں سے اس سیاح کا سفرنامہ بہت سی باتوں کے لحاظ سے زیادہ قابل وقعت ہے۔ قدیمی طور سے قطع مسافت کرنے اور ہر مقام پر حسب مرضی قیام کرنے سے جو مطالعہ ہو سکتا ہے۔ وہ آج کل نایاب ہے۔ علاوہ ازیں یہ سفرنامہ آج سے پانسو برس پہلے زمانہ کے حالات کا آئینہ ہے۔ جس پر گمنامی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور جس کا ایک ایک جملہ (اگر نیا ہو تو) اشرفیوں کے مول بھی سستا سمجھا جاتا ہے +

اس لحاظ سے یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ دیگر مورخین کی طرح اس نے صرف بادشاہوں اور وزیروں کی داستانیں نہیں لکھیں۔ بلکہ جس مقام پر گیا وہاں کے اخلاقی حالات۔ ملکی عادات۔ اور مذہبی رسوم پر غائر نظر ڈالی ہے +

ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے ایک امر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جو دنیائے اسلام مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جو آج کل اس طرح تتر بتر ہو کر ٹکڑے ٹکڑے الگ ہو گئی ہے۔ اس وقت اس حالت میں نہ تھی۔ اور اس طرح بے تعلقی کا مرض نہ لاحق تھا جو آج کل پایا جاتا ہے۔ آج کل باوجود سیر و سیاحت اور ذرائع رسل و رسائل کی آسانی اور سہولت کے بھی ہم کو شاید اپنے ہندوستان میں ہی مختلف حصوں کے مسلمانوں کی کل کیفیت کماحقہ نہیں معلوم چین اور ترکستان۔ روس اور ایران۔ وسط افریقہ اور اسپین تو کجا! لیکن اس وقت (آٹھویں صدی ہجری میں) یہ کیفیت بالکل نہ تھی۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے یہ بات معلوم ہو گی۔ کہ مسلمان مصادر مراغہ (مراکو) سے چین و ترکستان تک اور اس سے بھی دور دور پھیلے ہوئے تھے۔ خاص ہندوستان میں دور دراز سفر طے کر کے آتے تھے۔ غرناطہ اور قرطبہ (واقع سپین) تک کے مسلمان یہاں موجود تھے۔ سفر ان کے نزدیک کچھ حقیقت ہی نہ رکھتا تھا۔ کہاں سے کہاں بےخوف و خطر پہنچ جاتے تھے +

اور باتیں تو خیر۔ صرف اسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی حالت آج کل کچھ کم قابل افسوس نہیں ہے۔ کہ جہاں مسلمانوں سے اولوالعزمی کنارہ کر گئی۔ اولوالعزمی کی قدر بھی رخصت ہو گئی یعنی ایسی کتاب (سفرنامہ ابن بطوطہ) سب سے پہلے فرانسیسیوں نے ۱۸۵۳ء میں بہم پہنچائی اور مع فرنچ ترجمہ کے پیرس دارالسلطنت فرانس میں طبع ہوئی +

اس وقت یورپ کی تمام زبانوں میں اسکا ترجمہ موجود ہے۔ مصر میں بھی اب بیس برس ہوئے کہ یہ سفرنامہ چھپا ہے۔ کس قدر افسوس تھا کہ اردو میں اس کا ترجمہ نہ ہوتا +

اس کتاب کی جس قدر مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں انہی باتوں کو مدنظر رکھکر یہ ترجمہ ترتیب دیا گیا۔ اور اردو خوان پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے +

نہ صرف مسلمانوں ہی کے واسطے اس کتاب کی سخت ضرورت ہے۔ اور اس سے چند در چند فوائد متصور ہیں۔ بلکہ عام شائقین کے واسطے بھی علمی لحاظ سے اس کی اسقدر ضرورت ہے۔ اور امید قوی ہے کہ اس سے عام و خاص یکساں استفادہ حاصل کرینگے +

سفرنامہ

شیخ ابن بطوطہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

پہلا سفر۔ حج بیت اللہ کا عزم

اس الوالعزم اور باہمت مسلمان کا اصلی نام ابو عبد اللہ محمّد بن عبد اللہ اللواتی الطنجی اور عرف ابن بطوطہ ہے۔ جس زمانہ میں اس دلاور نے سفر پہ کمرِ ہمت باندھی تھی۔ وہ زمانہ ایسا تھا۔ کہ اگر ہم آج کل اُن مشکلات اور مصائب کی ایک خیالی تصویر بھی اپنے دل میں کھینچیں جو مسافروں کو لاحق ہوتی تھیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب وطن جو کہ ایک لازمہ انسانیت ہے سب سے بڑھ کر بجائے خود ایک ایسا مستحکم رشتہ ہے جس سے گردن نکالنا واقعی

ایک ایسے ہی شخص کا حصّہ ہے۔ جو عزم بالجزم سے موصوف ہو۔ مزید براں عزیز و اقارب والدین و متعلقین حضرت انسان کے پاؤں میں ایسی بھاری بیڑیاں ہیں۔ جن کے باعث ایک قدم ایک ایسے دور و دراز سفر پر جو مہینوں اور برسوں کا نہیں بلکہ ایک عمر کا ہو۔ اُٹھانے کا خیال ہی دو بھر معلوم ہوتا ہے۔ مگر باوجود ان مزاحمتوں کے شیخ موصوف نے ۷۲۵ھ ہجری المقدس میں اپنے عزیز وطن طنجہ کو خیرباد کہی۔ اور اپنے خویش و عزیز کو حوالہ خدا کرکے بارادہ حج بیت اللہ مکہ معظمہ کا رخ کیا۔

ابتدائً گو ہم کو اس کی وقعت بلحاظ اس کے جوشش مذہبی کے کرنی پڑتی ہے۔ مگر جس استقلال اور ثابت قدمی اور علو ہمتی کا آگے چلکر اس سے اظہار ہوتا ہے۔ اُس کو دیکھ کر ہم کو چار و ناچار اس کی عالی حوصلگی کا بطور ایک قوی ہمت سیاح کے معترف ہونا پڑتا ہے۔ اور نیز اُس کی بینائی اور غور و خوض کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ جس سے اس نے اپنی اس سیاحت میں کام لیا۔

طنجہ سے چلکر یہ سیاح جن جن مقامات سے گذرا وہ حسب ذیل ہیں :-

تلمسان۔ ملیانہ۔ الجزائر۔ بجایہ۔ بونا۔ تیونس۔ سفاقس۔

آخر الذکر یعنی **سفاقس** اس وقت بہت بارونق اور مشہور مقام تھا۔ اور چونکہ لب بحر تھا۔ اپنی فضا کے باعث بھی گرد و نواح میں بے نظیر تھا۔ چنانچہ اصل کتاب میں عربی کے چند اشعار لکھے ہیں۔ جن کا ہم ترجمہ نظم میں یہاں لکھتے ہیں :-

نظم

خاک شاداں پر تری اے سرزمین پربہار
رات دن دائم رزافشاں ابر رحمت ہو نثار

تجھ میں وہ مینار اور گنبد ہیں رشکِ آسماں
شان و شوکت کی مجسم جن سے صورت ہی عیاں

یہ دعا ہے ورد شب ہفت آسمانی کوکبیں
اولیا اللہ تجھ پر رات دن نازل کریں

بھولے لڑکوں کی طرح موجیں سمندر کی تمام
کھیلتی ہیں کودتی ہیں تیرے پہلو میں مدام

تجھ پہ چڑھتا آتا ہے جب طوفاں کوہستاں شکن
مُنہ کی کھا کر سر کو ٹکراتا ہے بارنج و محن

علاوہ ازیں **ابو عبد اللہ محمد بن ابی تمیم** بھی اس کی تعریف میں حسب ذیل رطب اللساں ہیں :-

۵

سمندر کے غضب آلود مد کو دیکھنا کیونکر — سراسر غیظ میں کرتا ہے حملہ اُس کے پہلو پر
مگر اک لمحہ ٹھیرو سنسنا کر مُنہ میں کف لا کر — چلا جاتا ہے اپنی راہ سیدھا سر کو ٹکرا کر

شیخ موصوف اس کے بعد قابس ہوتا ہُوا طرابلس د ٹرہی پولی پہنچا۔ مگر اس اثنا میں کوئی امر ایسا پیش نہ آیا جو دلچسپ اور قابل بیان ہو +

سکندریہ۔ جو اس وقت بھی مصر میں کم مشہور نہیں اس زمانہ میں اپنے علم و فضل کے باعث طالب علموں کا مرجع اور علما و فضلا کا وطن بنا ہُوا تھا۔ گرد و نواح سے مسلمان طلباء یہاں تحصیل علم کے واسطے آتے اور فضیلت میں اعلےٰ درجہ حاصل کرتے۔ اور یہی وہ شہر ہے جس کے کتب خانے کا نام شاید تا قیامت اُن کی نسلوں کو بھی نہ فراموش ہوگا۔ جن کو اُسے آنکھوں دیکھنا بھی نصیب نہ ہُوا۔ اور جس کی بربادی کا الزام اکثر کم فہم مؤرخوں نے اُن مسلمانوں پر ہی لگایا ہے جن کو خدا تعالیٰ نے گویا ساتویں صدی عیسوی سے دولت علم کی حفاظت اور ترقی تفویض کی تھی۔ اور خود جنہوں نے اس ودیعت کا حق بھی اس طور پر ادا کیا۔ کہ خود مخالفین اُن کی اُستادی کے مجبوراً معترف ہو گئے +

کچھ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح مسلمان محتاجی اور مفلسی۔ تنگی اور مصیبت کے دھکے کھا کر ابتدا سے تحصیل علم میں سرگرم اور ساعی رہے ہیں کسی دوسری قوم میں اسکی کم نظیر ملتی ہے۔ چنانچہ اسی شہر سکندریہ کے بیان میں اس مسلمان سیاح نے فخر الدین الریفی کا تذکرہ کیا ہے جس وقت اس سیاح کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت یہ ایک فاضل اجل تھے۔ ان کا ابتدائی حال اس طرح شیخ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ کہ ان کا دادا دیقر کا باشندہ تھا خود یہ تحصیل علم کے بڑے شائق تھے۔ پہلے انہوں نے حجاز کا سفر کیا۔ اور پھر سکندریہ حصول علم کی غرض سے پہنچے۔ بیچارے پرلے درجہ کی مفلسی میں مبتلا تھے۔ محتاجی کی حد یہ تھی۔ کہ بدن پر ثابت کپڑا تک نہ تھا۔ زاد راہ تو در کنار۔ بلکہ شام کے قریب دروازہ شہر پر جب پہنچے۔ تو ایک وقت کا فاقہ اور پاس ایک کوڑی نہیں۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور یہ دروازہ پر کھڑے تھے۔ اور اس امر کے منتظر تھے کہ کوئی اچھا شگون

دیکھ کر اندر جائیں۔ تمام لوگ شہر کے اندر چلے گئے۔ اور اب دروازہ بند ہونے لگا دربان نے جب ان کو دیکھا۔ کہ باوجودیکہ دروازہ بند ہو رہا ہے۔ اور پھر بھی یہ مسافر اندر نہیں جاتا۔ تو نہایت برافروختہ ہوا۔ اور منہ بنا کر طنزاً کہنے لگا:۔

"قاضی صاحب اندر تشریف لے چلئے!"

فخر الدین نے سنکر کہا:۔

"الحمد للہ اگر خدا کی مرضی ہے تو قاضی ہی سہی"

اور اتنا کہکر شہر میں چلے گئے۔

یہاں کچھ عرصہ بیچارے بباعث نہ ہونے مستقل بند وبست معاش کے بیکار پھرتے رہے۔ مگر آخر کار یہاں کے ایک کالج میں داخل ہو گئے۔ اور نہایت تندہی اور سرگرمی سے تحصیل علم میں مصروف ہوئے۔ یہ صاحب پرلے درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے۔ ہر کہ ومہ سے خوش خلقی اور انکساری سے پیش آتے۔ حتے کہ اپنی ان صفات کے باعث بہت مشہور ہو گئے۔ اور کسی طرح بادشاہ تک اُن کی خبر پہنچی۔

اس وقت اسکندریہ کا عہدہ قضات خالی تھا۔ کیونکہ جو قاضی صاحب اس عہدے پر مامور تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور چونکہ اسکندریہ اس وقت بیت العلما تھا۔ ہر ایک عالم اس قابل رشک عہدہ کا خواہشمند تھا۔ اور فخر الدین کے اس عہدے پر فضائی کا کسی کو خیال تو درکنار وہم تک بھی نہ تھا۔ اور نہ خود ان کو امید تھی۔ مگر یاوری بخت۔ سلطان نے خود اپنی مرضی سے یہ عہدہ اُن کو عطا کیا۔ اور انہوں نے بھی اپنے اس فرض کو نہایت دانشمندی اور راست سے سرانجام دیا۔

شیخ لکھتا ہے کہ اس وقت سکندریہ میں علاوہ اور علما کے ایک شخص سب سے بڑھ کر زاہد خدا شناس اور عالم امام برهان الدین تھے۔ ان کی علمیت اور فضیلت کے علاوہ جس میں کوئی گنجائش کلام نہ تھی۔ ان کو امداد غیبی نصیب تھی۔ اور خدا تعالے نے قوت کرامت اُن کو عطا فرمائی تھی۔ یہ مسلمان سیاح ایک دن

ان کو ملاقات کو گیا۔ یہ اس سے نہایت خوش خلقی سے پیش آئے کسی قسم کی بے اعتنائی ظاہر کی۔ اور اثنائے ملاقات میں کہا:۔

"مجھ کو قیافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سیاحت کے بہت شائق ہو"۔

شیخ نے اس وقت بے اختیاراں کی اس کلام کی تصدیق کی اور جواب دیا:۔

"جی ہاں۔ آپ سچا فرماتے ہیں"۔

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ اول اول شیخ کا ارادہ ہرگز اس قدر جہاں نوردی کا نہ تھا جس قدر کہ اس نے کی۔ اور گو مختلف ممالک اور بلاد کی سیر کا شوق جیسا کہ علی العموم اکثر اشخاص کو ہوتا ہے اس کو بھی تھا۔ مگر وطن عزیز سے چلتے وقت اس کا ارادہ صرف حج کرنے کا تھا۔ مگر اس کے خیالات میں امام موصوف کی ملاقات نے عجیب ترقی پیدا کر دی۔ اور اگر یہ کہا جائے تو کسی طرح بیجا نہ ہوگا۔ کہ اس سے قبل صرف شوق ہی تھا۔ کہ یہ مختلف ممالک کی سیر کرے۔ مگر امام صاحب کے اس کلمے نے گویا اس شوق میں جان ڈالدی۔ اور اس کو اس قدر روبہ ترقی کیا۔ کہ شیخ نے اس کے پورا کرنے کا اپنے دل میں مصمم ارادہ کیا +

اب ہم ایک ایسا امر بیان کرتے ہیں جس سے اس مشکل اور پُر مصائب زمانہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو کس قدر سیاحت اور جہاں نوردی کا شوق تھا کس قدر مصائب اٹھاتے تھے۔ اور مدت العمر کے واسطے اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہکر دوسرے ممالک کی سیر کرتے تھے۔ اور صرف شیخ ابن بطوطہ ہی نہیں ہے۔ کہ اس کو اس قدر ہمت اور حوصلہ خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ بلکہ ایک عجیب قسم کی ہنیا سیاحت کے بڑے بڑے عالم و فاضل مسلمانوں میں اس وقت پھیلی ہوئی تھی جس کی تعمیل میں حتے الوسع انہوں نے بھی کوتاہی نہ کی +

حقیقت یہ ہے کہ امام موصوف کی زبانی شیخ کو معلوم ہوا۔ کہ امام صاحب کے ایک بھائی جو ان کی طرح علم و فضل میں یکتا ہیں۔ اور جن کا نام مولانا فرید الدین ہے۔ ہندوستان میں مقیم ہیں۔ دوسرے بھائی جن کا نام رکن الدین بن ذکریا ہے سندھ میں۔ اور ایک اور بھائی برہان الدین چین میں ہیں۔ امام صاحب نے شیخ سے فرمائش کی کہ اگر یہ ان تینوں مقامات میں پہنچے۔ تو ان تینوں صاحبوں کو

ان کی طرف سے سلام علیک کہے۔ اور امام کی خیریت سے ان کو مطلع کرے اسپر شیخ اور بھی متعجب ہوًا۔ اور چونکہ تمثیل کا اثر امر مسلم ہے کہ سب سے بڑھ کر قوی اور حیرت انگیز ہوتا ہے۔ شیخ بھی کوئی استثنا نہ تھا۔ اس کے ارادہ کو اس امر کی آگاہی سے بہت استحکام ہوًا۔ اور مصمم ارادہ کرلیا کہ یہ خود جاکر ان دور دراز ممالک کو دیکھے۔ اور اپنی آتش شوق کو اپنی بلند نظیر ہمت اور اولوالعزمی سے سرد کرے حتے کہ ایسا ہی ہوًا۔ شیخ ان تینوں اصحاب مذکور الصدر سے ملاقی ہوًا۔ اور ان کی ملاقات سے بہت حظ اٹھایا +

یہ سیاح اس کے بعد ایک اور بزرگ کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو یہیں بود و باش رکھتے تھے۔ اور جن کا نام شیخ یاقوت الحبشی تھا۔ یہ شیخ ابو عباس المرسی کے مرید تھے۔ اور شیخ ابو عباس ولی اللہ ابی الحسن الشاذلی کے مرید تھے جو کتاب حزب البحر کے مصنف ہیں۔ یہ صاحب اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری میں مشہور تھے۔ اور اپنے وقت میں بہت لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے +

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ شیخ یاقوت نے اثنائے گفتگو میں ان کا تذکرہ کرتے وقت بیان کیا:۔

میرے استاد مرحوم کی زبانی ہے کہ شیخ ابوالحسن الشاذلی ہرسال کعبۃ اللہ کو حج کرنے جایا کرتے۔ ماہ رجب ہی میں مکہ پہنچ جاتے۔ اور اختتام حج تک وہاں ہی مقیم رہتے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ کو تشریف لیجاتے۔ اور پھر زیارت روضۂ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کرکے الدرب الکبیر ہوتے ہوئے وطن کو واپس آجاتے۔ دن رات عبادت خدا میں مشغول رہتے۔ اور پابندئے شرع کا حد سے بھی بڑھ کر خیال رکھتے +

آخری دفعہ جب شیخ موصوف سفر کو روانہ ہوئے۔ تو نوکر سے فرمایا کہ بھئی ایک کلہاڑی ایک صندوق اور سامان تجہیز وتکفین ہمراہ لے لو۔ جیسا کہ دستور ہے نوکر متحیر ہوکر اپنے آقا کا منہ دیکھنے لگا۔ شیخ موصوف نے معمولی طور پر اسے کہدیا کہ تو متعجب نہ ہو۔ بعد میں خود تجھ کو معلوم ہو جائیگا۔ نوکر خاموش ہو رہا۔ اور ان کے حسب الارشاد سامان مطلوبہ ہمراہ لے لیا +

"شمالی مصر میں ایک مقام ہے جمنتری جو ایک بڑے صحرا میں ایک بلند جگہ واقع ہے۔ اور ایک کنواں یہاں ایسا ہے جس کا پانی نہایت مضر اور زہریلا ہے شیخ موصوف اس مقام پر پہنچے۔ گو نوکر کو انہوں نے اپنے عزم سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر شیخ کا مقصد اس کو اب تک یہاں آنے کا نہ معلوم ہوا۔ یہاں پہنچکر انہوں نے پہلے دو رکعت نماز نفل ادا کی۔ تھوڑی دیر تک دعا مانگی۔ اور جب فارغ ہوئے تو لیٹ گئے۔ اور چشم زدن میں جان بحق ہوئے۔ اب نوکر کو شیخ مرحوم کا ارادہ واضح ہو گیا۔ اس نے یہاں قبر کھودی اور حسب دستور ان کو دفن کر دیا"۔

شیخ ابن بطوطہ کو اس مقام کے دیکھنے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ یہ یہاں آیا۔ اور خود اس نے ان کی قبر دیکھی۔ قبر پر ایک کتبہ لگا ہوا تھا جس پر مرحوم کا نسبنامہ کندہ تھا۔ اس سیاح نے یہ نسب نامہ پڑھا۔ اور اُسے معلوم ہوا کہ ان کا سلسلہ حسین ابن علی سے ملتا تھا۔

ابن بطوطہ مقام مذکور سے سکندریہ آیا۔ یہاں آکر یہ بیان کرتا ہے:۔

"سکندریہ میں شیخ الصالح العابد المنفی ابو عبد اللہ المرشدی کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ کہ یہ ایک صاحب کرامات اولیاء اللہ ہیں۔ اور اپنے مرشد کی جگہ گوشہ نشین ہیں۔ نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں۔ ایک حجرہ ہے جس میں یہ رہتے ہیں۔ اور شب و روز خدا تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں ان کے پاس نہ کوئی خدمتگار ہے۔ نہ رفیق۔ یکہ و تنہا رہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے مقتدر وزرا و امرا۔ اور بکثرت عوام الناس ان کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور صرف اس حجرے کہ شیخ کے ساتھ ملکر کھانا تناول کریں۔ جو شخص جس کھانے کا طلبگار ہو۔ وہی اس کو ملتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے خود یہ ان کے سامنے کھانا چنتے ہیں۔ کسی کے سامنے شیرینی کسی کے سامنے میوہ۔ وغیرہ وغیرہ ...."

علاوہ ازیں اکثر علمائے اکابرین اپنے اپنے مختلف حوائج کے واسطے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔ لوگوں کا حسن عقیدت اس قدر رہے کہ میں نے اس کی نظیر اب تک نہیں دیکھی۔ حتےٰ کہ خود مصر کا سلطان الملک الناصر اکثر ان کی زیارت کے واسطے اس حجرے میں حاضر ہوتا ہے اور

نہایت ادب اور عزت سے پیش آتا ہے *

شیخ ابن بطوطہ کا اشتیاق اس ولی اللہ کی زیارت کے واسطے اس قدر بڑھا۔ کہ یہ فوراً یہاں سے روانہ ہوا۔ پہلے یہ مقام دھومریں ٹھیرا۔ جو شیخ موصوف کے حجرے سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ جس وقت یہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ اس سے نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اس سے اٹھ کر بغلگیر ہوا۔ اور نہایت خاطر و تواضع کی۔ کھانا لاکر اس کے سامنے رکھا۔ اور خود اس کے ساتھ شریک ہوکر تناول کیا *

ابن بطوطہ یہاں رات کو بھی رہا۔ اور اسی حجرہ کے فرش پر سوگیا۔ چنانچہ یہ بیان کرتا ہے :-

"یہاں رات کو میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک بہت بڑا پرندہ ہے۔ جس کے بازوؤں پر میں سوار ہوں۔ پہلے یہ مجھ کو دور اڑا کر لے گیا۔ یہاں سے یمن پہنچا۔ اور پھر وہاں سے ہوتا ہوا۔ مشرق کو روانہ ہوا۔ مشرق سے اس نے جنوب کا رخ کیا جہاں نہایت تاریک سرزمین پر اس نے مجھے اتار دیا۔ اور آپ غائب ہوگیا....." *

اس خواب سے ابن بطوطہ بہت پریشان ہوا۔ اور شیخ سے اس کی تعبیر دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ جس وقت صبح ہوئی۔ یہ نماز فجر کے واسطے بیدار ہوا۔ شیخ موصوف بھی اٹھے۔ اور نہایت اصرار سے ابن بطوطہ کو امام بنایا۔ اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگ آنے لگے۔ جن میں اکثر بڑے بڑے امیر وکبیر بھی تھے۔ جو ملاقی آتا۔ جب رخصت ہوتا شیخ موصوف ایک کلچہ چھوٹا سا اس کو تحفہ دیتے *

ابن بطوطہ کو نماز ظہر تک شیخ سے خواب بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔ چنانچہ نماز ظہر سے فارغ ہوکر اس نے اپنا تمام خواب بیان کیا۔ جس کی تعبیر شیخ نے اس طرح کی *

پہلے تم کعبہ شریف جاؤ گے۔ پھر روضہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگے۔ اس کے بعد یمن۔ عراق۔ ترکی اور ہندوستان کی سیاحت کرو گے۔ اور ان مقامات میں چندے علیحدہ علیحدہ قیام بھی کرو گے۔ جب تم ہندوستان پہنچو گے۔ میرے بھائی دلشاد سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ جو تمہیں ایک مصیبت سے

بچائینگے جس میں تم اتفاقیہ مبتلا ہو جاؤ گے +
اس کے بعد شیخ نے ابن بطوطہ کو چند کلچہ اور درہم دئیے۔ اور اُس کے حق میں دعائے خیر کی۔ ابن بطوطہ نے الوداع کہی اور رخصت ہوا۔ ابن بطوطہ شیخ کی ملاقات سے اس قدر محظوظ ہوا تھا کہ یہ بیان کرتا ہے:۔
"اُس کے بعد سفر میں مجھ کو اچھے اچھے موقع درپیش آئے۔ اور عمدہ اتفاقات ہوئے مگر تمام عمر میں پھر سوائے الولی سیدی محمد المولہ کے اور کسی ایسے بزرگ کی ملاقات سے مشرف نہ ہوا" +
شیخ ابن بطوطہ یہاں سے دو تین اور مقامات میں ہوتا ہوا جن کا بیان چنداں ضروری نہیں ہے۔ دمیاطہ پہنچا۔ یہاں اس زمانہ میں شیخ جمال الدین الساوی فرقہ القلندریہ کے پیشوا ایک بڑے عابد وزاہد باکمال گوشہ نشین تھے۔ عوام الناس کا انکی نسبت بہت اچھا اعتقاد تھا۔ اوران سے فیض بھی بہت پہنچتا تھا +
فرقہ القلندریہ کے لوگوں میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب بلاتمیز اپنی داڑھی اور ابرو منڈواتے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف شیخ موصوف الصدر کی تقلید ہے۔ نہ کہ کوئی مذہبی خیال +
شیخ موصوف کی ابرو تراشی کا باعث ایک عجیب واقع بیان ہوا ہے۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔
شیخ نہایت قوی ہیکل خوبرو اور نوجوان تھے نقش و نگار ان کے بہت دلفریب تھے۔ اتفاق سے ان پر ایک اعلےٰ نسب اور متمول خاندان کی عورت جس کی شادی ہوچکی تھی عاشق ہوگئی۔ شیخ کے پاس برابر پیغام بھیجتی۔ اپنا اشتیاق وصل جتاتی۔ اور اس سے ملاقات کی خواہاں ہوتی۔ مگر شیخ ہمیشہ انکار کرتے۔ اور اس کی ان ناشائستہ حرکات سے بہت متنفر ہوتے۔ آخر الامر جب یہ عورت بہت لاچار ہوگئی۔ تو اُس نے ایک دلالہ کو مقرر کیا اور اس کو چند ہدائتیں کرکے شیخ کے پیچھے لگایا +
شیخ موصوف نہایت متقی اور عابد تھے۔ اور بلاناغہ مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے چنانچہ ایک روز حسب معمول یہ مسجد کو جارہے تھے۔ کہ اس دلالہ نے راہ میں ملکر ایک خط انکو دیا کہ مہربانی کرکے اسے پڑھ دیجئے۔ شیخ نے خط لے لیا۔ اور ارادہ کیا کہ پڑھکر سنائیں

کہ یہ قطامہ بولی۔ جناب یہ خط میرے لڑکے نے بھیجا ہے اور اُس کی عورت سامنے مکان میں رہتی ہے اور خود اُس کو سُننا چاہتی ہے۔ اگر آپ وہاں تکلیف کرکے تشریف لے چلیں۔ اور پڑھ کر سُنا دیں۔ تو عین مہربانی ہوگی۔ شیخ صاحب نے یہ بھی منظور کرلیا۔ مگر ابھی پہلی ہی ڈیوڑھی میں پہنچے تھے کہ اس غیبانی نے پیچھے سے دروازہ بند کرلیا +

یہاں وہی عورت بیٹھی تھی جو شیخ کی اُلفت کا دم بھرتی تھی۔ اپنے غلاموں کو لیکر ان کے سامنے آئی شیخ کو زبردستی پکڑ کر اندر کمرے میں لیگئی۔ اب شیخ مجبور تھے نہ راہ رفتن نہ رُوئے ماندن۔ مگر آخر کار ان کو ایک تدبیر سوجھی۔ اور انہوں نے اس عورت سے شب خوابی کا کمرہ دریافت کیا چنانچہ اس نے وہ کمرہ بتلا دیا۔ اور شیخ کچھ پانی اور اُسترا لیکر اُس کی اجازت سے اس کمرہ میں چلے گئے۔ شیخ نے یہاں پہنچتے ہی فی الفور اپنی داڑھی اور ابرو مونڈ دئیے۔ اور پھر باہر نکلکر اُس عورت کے پاس آموجود ہوئے عورت نے جب شیخ کی یہ ہیئت کذائی دیکھی نہایت ہی ناراض ہوئی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے مکان سے نکالدو۔ اور اس طرح سے نیک بخت اور خدا پرست شیخ کا دامن ایک گناہ کبیرہ کے داغ سے محفوظ رہا۔ اب اس وقت سے یہ رسم پڑ گئی۔ کہ جو شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔ وہ رسم مریدی اس طرح ادا کرتا۔ کہ اپنی داڑھی اور ابرو کا صفایا کرادیتا +

شیخ ابن بطوطہ یہاں سے شہر فارسکور پہنچا۔ اس شہر کی نسبت شیخ نے چنداں کچھ حال نہیں بیان کیا۔ صرف اصل عربی نسخہ میں اس مقام کا نام ہی لکھا ہے +

اس کے بعد یہ سیاح قاھرہ پہنچا۔ یہاں دریائے نیل کی نسبت اس نے لکھا ہے:۔

"یہ دریا جو اس شہر سے گذرتا ہے۔ اپنے پانی کی شیرینی میں تمام دنیا کے دریاؤں پر فوقیت رکھتا ہے۔ طولاً و عرضاً تمام کرہ ارض کے دریاؤں[1] سے بڑھ کر ہے۔ اسکے علاوہ دنیا میں ۴ اور بڑے دریا ہیں۔ اور پانچواں یہ ہے۔ یعنی فرات۔ دجلہ سیحون جیحون۔ علاوہ ازیں پانچ اور دریا بھی بڑے دریاؤں سے ہیں۔ یعنی سندھ وغیرہ جو پنجاب کو سیراب کرتے ہیں۔ ہندوستان کا ایک دریا گنگا بھی کم نہیں ہے۔ جہاں ہندو جاتری جایا کرتے ہیں۔ اور اپنے جلے ہوئے مُردوں کے پھول اُس میں پھینکتے ہیں

[1] ان دریاؤں سے وہ دریا مراد ہیں جو اس وقت میں معلوم ہوئے تھے +

چنانچہ اہل ہنود کا عقیدہ ہے کہ گنگا دریا بہشت[۱] سے نکلتا ہے۔ مزید براں دریائے جمنا اور والگا ہے۔ جو قفجاق کے ریگستان میں بہتا ہے۔ اور دریائے سرو تا تار میں ہے جسکے لب ساحل شہر خان بالق نہایت شان و شوکت سے واقع ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دریائے نیل میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ برعکس تمام دریاؤں[۲] کے جو شمال سے جنوب کے رُخ بہتے ہیں۔ یہ جنوب سے شمال کو جاتا ہے۔

شیخ ابن بطوطہ اس شہر کی بہت کچھ تعریف کرتا ہے۔ جس کا اندراج ہم چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ عوام کی دلچسپی سے کسی قدر خالی ہے۔ یہ سیاح مصر پہنچا۔ تو یہاں کا بادشاہ اس وقت الملک الناصر محمد ابن الملک المنصور تھا۔ یہ بادشاہ نیک مزاج اور عادل اور اپنی رعایا کا بڑا خیر اندیش تھا۔ تمام ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی اور امن و امان تھا۔ اس کے عہد میں عالم بھی بڑے جید تھے۔ یعنی شمس الدین الاصفہانی جو تمام دنیا میں اس وقت علوم منطق و فلسفہ میں بے نظیر تھا۔ اور جس کا شہرہ دور دور تک تھا۔ اسی علم میں ایک فی کمال اور اعلٰے درجہ کا لائق فائق فاضل اجل رکن الدین ابن الفریع تھا۔ علم کلام میں لاثانی اور صاحب کمال مشہور و معروف گرینڈا (غرناطہ) کا اثیر الدین ابو حیان تھا۔ علاوہ ان کے اور علما بھی تھے۔ جنکا تذکرہ بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔

چونکہ ابتداءً شیخ کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا۔ لہٰذا اب یہ قاھرہ سے کعبہ شریف کو روانہ ہوا۔ مگر اس سفر کے ارادہ سے پہلے یہ منیۃ ابن خصیب کو گیا۔ جو پہلے قاھرہ کی حکومت میں تھا۔ اس کی نسبت شیخ بیان کرتا ہے :-

سُنا ہے کہ خلفاء عباسیہ میں سے ایک خلیفہ مصر کے لوگوں سے بہت ناراض ہو گیا اور ارادہ کیا کہ اس سرزمین کو حتے الامکان سخت سزا دے۔ چنانچہ اس کے سرانجام کیواسطے یہ تدبیر سوچی۔ کہ کسی اپنے رذیل سے رذیل غلام کو مصر کا حاکم بنائے۔ اور اس طرح تنبیہ اور عبرت کی ایک مثال قائم کرے۔ اس وقت خلیفہ کے یہاں خاصب نام ایک نہایت ادنٰے

---

[۱] یا تو ابن بطوطہ کو اس بارہ میں صحیح خبر نہیں ملی اور یا کسی اور کی غلط بیانی ہے۔ کیونکہ عوام اہل ہنود کا اعتقاد ہے کہ دریائے مذکورہ گائے کے مُنہ سے نکلتا ہے۔

[۲] لیکن یا ینسی اور اوبے۔ سائبیریا میں بھی اسی رُخ بہتے ہیں۔

غلام تھا۔ جو حمام گرم کیا کرتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے اسے مصر کا فرمانروا بنا دیا ⁺

خلیفہ کو امید تھی کہ یہ اس کی حسب منشاء باشندگان مصر کو اپنے جور و تعدی سے خوب سزا دیگا۔ کیونکہ عموماً ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جب کوئی شخص ذالت اور کم حیثیتی سے کسی اعلےٰ مرتبہ پر پہنچ جائے۔ تو پرلے درجہ کا ظالم اور جابر ہوا کرتا ہے۔ مگر خاصب کے بارے میں خلیفہ نے دھوکا کھایا۔ مصر والوں کی بڑی خوش نصیبی کہ خاصب جیسا حاکم اُن کو ملا۔ جس نے تخت پر بیٹھتے ہی خلیفہ کی امید کے برعکس شیوہ اختیار کیا۔ اور اس طور کی حکومت شروع کی کہ تمام حاکموں اور تاجداروں کے واسطے یہ قابل تقلید تھی چنانچہ خاصب کی شہرت اس سبب سے دور دور ممالک میں ہوگئی۔ رعایا اُس پر فخر کرنے لگی۔ اور لوگ دوسرے ممالک سے اس کے زیر سایہ آکر آباد ہونے لگے ⁺

کچھ عرصہ بعد خلیفہ کے چند ایک عزیز و اقارب مصر میں خاصب کے پاس پہنچے اس کمبخت نے ان کی بہت کچھ خاطر تواضع کی۔ اور چلتے وقت کئی ایک بے بہا تحفے انکو دئیے ⁺

اُسی اثناء میں خلیفہ نے دربار میں اپنے عزیزوں کی عدم موجودگی کا باعث دریافت کیا۔ اور اسے معلوم ہوا۔ کہ مصر گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جس وقت یہ واپس آئے۔ انہوں نے خاصب کی خاطر و مدارات کا احوال بیان کیا۔ اور جو تحفے لائے تھے خلیفہ کے سامنے پیش کئے۔ خلیفہ اس پر نہایت برافروختہ ہوا۔ اور غضبناک ہوکر حکم صادر کیا کہ خاصب کی آنکھیں نکلوا کر اسے بغداد کے بازاروں میں چھوڑ دیا جائے ⁺

چنانچہ خاصب کو اپنی گرفتاری کا حکم پہنچا۔ اور گو اُس نے اپنے بچنے کی کوشش کی مگر دغا نے کام کیا اور فریب میں آکر یہ اپنے محل سے کچھ فاصلہ پر پکڑا گیا۔ اس کی آنکھیں فوراً نکال لی گئیں۔ اور بغداد کے بازاروں میں خلیفہ کے جابرانہ حکم کے مطابق یہ مظلوم اس بیکسی اور بے بسی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ خاصب نے اپنی گرفتاری سے قبل شب کو ایک لعل بے بہا اپنی قمیص میں سی لیا تھا۔ چنانچہ اس کے پاس بجز بدن کے کپڑوں اور اس لعل کے اور کچھ نہ تھا ⁺

یہاں اتفاقیہ ایک شاعر خاصب کے پاس سے گذرا اور اسے پہچان کر اس سے کہنے لگا:-

تُو نے خاصب میں چاہتا تھا کہ تجھ سے مصر جا کر ملوں۔ اور تیری تعریف میں شعر پڑھوں

مگر شکر ہے کہ یہاں ہی تجھ سے ملاقات ہو گئی۔ اب اگر مجھ کو اجازت دے۔ تو تجھ کو کچھ شعر سُناؤں"۔

خاصب نے نہایت حسرت آمیز آواز میں جواب دیا:۔
"اے دوست تو دیکھتا ہے۔ میں جس حالت میں ہوں۔ بھلا کس طرح میں اب تیرے اشعار سُن سکتا ہوں"۔

شاعر نے نہایت مطمئن لہجہ میں کہا:۔
"کیا مضائقہ ہے تو بے غم ہو۔ کہ مجھ کو انعام کی طمع نہیں ہے۔ بلکہ میں صرف تجھ کو اشعار سُنانا ہی چاہتا ہوں۔ خدا تجھ پر مہربان ہو۔ جیسا کہ تو اپنی رعایا پر مہربان تھا"۔

خاصب نے اس پر اس شاعر کو اشعار پڑھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ پہلا شعر جو اس نے پڑھا۔ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں اس طرح ہو سکتا ہے:۔

"وہ فیض ملک مصر پہ تو نے صدا کیا
دریائے نیل سا اُسے شاداب کر دیا"

چنانچہ جب شاعر تمام اشعار پڑھ چکا۔ تو خاصب نے اپنی قمیص اُس کے سامنے کر کے اسے کہا۔ کہ یہ تنہ اس کی کھول دو۔ شاعر نے اس کی تعمیل کی اور اس میں سے وہی لعل نکلا۔ جو خاصب نے اپنی گرفتاری سے قبل سب کو مصر میں اس کی تہ میں سی لیا تھا۔ خاصب نے اسے کہا کہ یہ لعل لے لے۔ مگر شاعر نے انکار کیا۔ خاصب نے آخر کار اسے قسم دی۔ چنانچہ شاعر کو مجبوراً یہ لینا پڑا۔

شاعر اس لعل کو لیکر ایک جوہری کی دکان پر گیا۔ اور یہ لعل فروخت کرنے لگا۔ جوہری نے اسے لعل واپس کر دیا۔ اور کہا کہ اس کی قیمت سوائے خلیفہ کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ یہ بات خلیفہ کے کانوں تک پہنچی۔ جس نے اس شاعر کو بلا کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ اس نے تمام ماجرا اس کا من وعن بیان کر دیا۔ خلیفہ کو اس وقت اپنے جور و ظلم پر بہت افسوس ہوا۔ اور نہایت پشیمان ہو کر اُس نے خاصب کو طلب کیا۔ اور اُس کی بہت خاطر کی۔ اور تلافی مافات کے واسطے اس سے پوچھا کہ کیا خواہش ہے۔ جو تو چاہے تجھے ملیگا۔ خاصب نے

عرض کی کہ مجھکو مقام تبیات ملجائے - جہاں میں اپنی زندگی کے باقی دن بسر کردوں
خلیفہ نے یہ عرض اس کی قبول کی - اور مقام مذکور اسے ملگیا - جو اس کی وفات
کے بعد اسکے خاندان میں نسل بعد نسل رہا ٭

شیخ ابن بطوطہ یہاں سے کئی ایک مقامات میں ہوتا ہوا - ھو میں پہنچا - یہاں شیخ
سید ابو محمد عبید اللہ الحسنی سے اس نے ملاقات کی - یہ ایک
ولی اللہ اس جگہ عبادت میں مشغول تھے - جب ابن بطوطہ نے ان سے اپنا ارادہ ظاہر
کیا - تو انہوں نے کہا کہ تم اس سفر میں حج بیت اللہ سے مشرف نہیں ہو سکتے
بہتر ہے کہ واپس جاؤ اور پھر کسی رستہ سے کعبۃ اللہ کا عزم کرو ٭

شیخ کے کہنے پر ابن بطوطہ نے چنداں خیال نہ کیا - اور بندر عیذاب تک سفر کرتا
گیا - مگر یہاں اسے معلوم ہوا کہ یہ آگے نہ جا سکتا تھا - چنانچہ شیخ موصوف یہاں سے
مجبور ہو کر قاہرہ کو واپس گیا - اور دوسری دفعہ جیسا کہ ولی اللہ مذکور الصدر نے کہا
تھا حج بیت اللہ کا عزم کیا - اور اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں سے خود شیخ کے اپنے
الفاظ میں سفرنامہ بیان کریں ٭

باب دوم

سفر شام

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اس کے بعد میں بلبیس پہنچا۔ اور وہاں سے الصالحیہ گیا۔ الصالحیہ سے صحرا میں داخل ہوا۔ جہاں السوادہ۔ الوارد۔ قطیا۔ المطیلب العرش۔ المرویہ اور ریغ کی منزلیں واقع ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں ایک سرائے ہے۔ جسے الخان کہتے ہیں اس جگہ مسافر اپنے مویشیوں کو آرام دیتے ہیں۔ اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے مصنوعی چشمے ہیں۔ اور دکانیں بھی موجود ہیں۔ جہاں مسافر اپنے اور مویشیوں کے آرام کے لئے سامان و اناج خرید سکتے ہیں +

پھر میں غزہ میں پہنچا۔ اور یہاں سے الخلیل ابراھیم کے مقام کو گیا اس جگہ کی مسجد میں ایک مقدس غار ہے جہاں حضرت اسحٰق کے تین بزرگ پیغمبروں کی قبریں ہیں یعنی ابراھیمؑ۔ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی۔ ساتھ ہی اُن کے اُن کی زوجات بھی آرام فرما رہی ہیں۔ میں نے اس غار کو خود جا کر دیکھا +

اس بات کی تصدیق میں کہ اس غار کی نسبت درحقیقت انہی پیغمبروں کی قبریں ہیں میں ابن جعفر الراہبی کی کتاب مسمی بہ المسفر للقلوب کو پیش کرتا ہوں +

اس کتاب کی ایک تحقیق یہ ہے کہ اسحاق۔ یعقوب اور ابراھیم علیہما السلام کے مدفن کا صحیح صحیح مقام بتایا جاسکے۔ اور وہ اس روایت پر مبنی ہے۔ کہ بقول ابوھریرہ رضی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین نے فرمایا۔ کہ شب معراج کو جبرئیل علیہ السلام جب مجھے یروشلم میں لے گئے تو مجھے ابراہیمؑ کی قبر کے پاس لا کر ٹھیر گئے اور کہا کہ یہاں اترو اور دو سجدے[۱] کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے باپ ابراھیمؑ کی قبر ہے۔ پھر وہ مجھے ایک اور مقام پر لے گئے اور وہاں بھی کہا کہ دو سجدے کرو۔ کیونکہ یہاں تمہارا بھائی

---

[۱] سجدے قبر کو نہیں بلکہ خدا کے آگے +

مسیح علیہ السلام پیدا ہوا تھا۔ پھر مجھے السخرت لیگئے ...... +

ابن بطوطہ یہاں سے المرعہ گیا۔ اور پھر متصل کے مقامات سے ہوتا ہوا شام کے ساحل کو روانہ ہوا +

اس میں شیخ کہتا ہے کہ بواد مقام پر میں نے ابو عبیدہ عامر بن جراح کی قبر دیکھی۔ جو یہاں کے لوگوں کے رہنما تھے۔ اُسے دیکھ کر میں ایک گاؤں کو گیا جسے الکونہ کہتے ہیں۔ اور جہاں معاذ بن جبل کی قبر ہے۔ اسے میں نے بھی خود جاکر دیکھا +

یہاں سے میں عکہ گیا جہاں پیغمبر صالح کا مزار ہے۔ اسے دیکھکر میں شہر صابج میں گیا۔ جو ایک نہایت مستحکم مقام ہے۔ اور جس کے تین طرف سمندر ہے۔ اس کا بندرگاہ بہت مشہور ہے۔ یہاں سے میں صیدا کو گیا۔ اور اسے دیکھکر جعۃ الطبریہ کو گیا۔ جسے دیکھنے کا مجھے شوق تھا۔ گو اب صرف کھنڈر باقی رہگئے تھے۔ مگر آہ اُن کھنڈروں ہی سے پچھلی شان و شکوہ اور اُس کی بڑائی کچھ کم ظاہر نہ ہوتی تھی۔ یہ جگہ نہایت گرم ہے۔ اور اس کے گرد کے سمندر بھی ایسے ہی ہیں +

شہر الخلیل میں مَیں نے امام برہان الدین الجعبری سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح قبر کونسی ہے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ میں نے تو تمام علما کو یہی کہتے سُنا ہے۔ کہ یہی ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ اور ان تینوں قبروں کے مقابل میں اُن کی بیویوں کی قبریں ہیں۔ اور اُس سے سوا سے مرتد کے کوئی شخص اختلاف نہیں کرتا +

اس کے بعد میں یروشلم پہنچا۔ یروشلم کے راستہ اثناء سفر میں میں نے جوناس (یوحنا) کی قبر دیکھی اور پھر یروشلم پہنچ کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی۔ یروشلم میں جو جامع مسجد ہے کہتے ہیں کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مسجد نہیں۔ اور واقعی مسجد بلحاظ شان شوکت کے بے نظیر ہی معلوم ہوتی ہے +

علاوہ اس کے بلحاظ تقدس کے یروشلم تیسری جگہ ہے۔ یروشلم سے میں عسقلان گیا۔ جس کے صرف کھنڈر ہی نظر آئے +

یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور آپ کا

سر بھیجا گیا تھا ؂

یہاں کی جھیل بہت مشہور ہے ۔ اس کی لمبائی اٹھارہ میل ۔ اور چوڑائی ۹ میل ہے شہر میں ایک مسجد ہے ۔ جسے مسجد انبیائی کہتے ہیں ۔ مسجد میں حضرت شعیب ؑ کی قبر ہے میں نے یہاں حضرت یوسف ؑ کا کنواں بھی دیکھا ۔ جو اس ملک میں ایک مشہور جگہ ہے اور جس میں مشہور ہے کہ حضرت یوسف ؑ کو ان کے بھائیوں نے گرایا تھا ؂

پھر میں بیروت پہنچا ۔ جو لب سمندر واقع ہے ۔ اور یہاں سے ابو یعقوب یوسف (جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مغرب میں ایک بادشاہ ہوا ہے) کی قبر دیکھنے کے لئے روانہ ہوا ۔ یہ ایک مقام موسوم بہ کرک نوح میں واقع ہے ۔ قبر کے اوپر ایک حجرہ ہے جو سلطان[۱] صلاح الدین کی فیاضی سے تعمیر ہوا تھا ۔ کہتے ہیں کہ ابو یعقوب بوریئے بُن کر گذارا کیا کرتا تھا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سلطان نورالدین شہید ۔ صلاح الدین کے اتالیق کے چند باغچوں کا مالی مقرر کیا گیا تھا ۔ کچھ عرصہ کے بعد نورالدین ایک باغیچہ میں آیا ۔ اور مالی سے ایک انار مانگا ۔ ابو یعقوب کئی ایک انار ایک ایک کر کے لایا ۔ مگر وہ سب کھٹے پائے گئے ؂

یہ دیکھ کر نورالدین نے کہا ۔ کیا تم اتنے عرصہ میں یہ بھی نہیں جان سکے کہ کھٹے انار کونسے ہیں اور میٹھے کونسے ۔ ابو یعقوب نے جواب دیا کہ میں باغوں کی حفاظت کے واسطے مقرر کیا گیا تھا ۔ نہ اس لئے انار کھاؤں ۔ اس سے سلطان اُسے تاڑ گیا اور اُسے بلا بھیجا ۔ کیونکہ اُس نے ایک تازہ خواب دیکھا تھا ۔ کہ "وہ ابو یعقوب کو ملا ہے اور اُس سے کچھ فیض حاصل کیا ہے" جب ابو یعقوب حاضر ہوا ۔ تو سلطان نے پوچھا کیا تم ابو یعقوب نہیں ہو ؟ (سلطان نے ابو یعقوب کی صورت کو اُس صورت کے مشابہ پایا تھا ۔ جو اُس نے خواب میں دیکھی تھی) اس پر ابو یعقوب نے کہا ۔ ہاں میں وہی ہوں ۔ یہ سُنکر سلطان کھڑا ہو گیا ۔ اور اُس سے بغلگیر ہوا ۔ اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا ۔ بعد ازاں ابو یعقوب سلطان کو اپنے گھر لے گیا ۔ اور اپنی مشقت کی کمائی سے اُس کی میزبانی کی ۔ اور سلطان چند دن اُس کے پاس رہا ۔ بعد ازاں ابو یعقوب بھاگ گیا ۔ اور کہیں نہ ملا ۔ موسم سخت سرد تھا

[۱] سلطان صلاح الدین جس نے صلیب کی لڑائیوں میں عیسائیوں سے جنگ کر کے اکثر انہیں شکست دی ۔ اور دین کی حمایت کی ۔ ایک اولوالعزم بادشاہ تھا ؂

اور ابو یعقوب ایک گاؤں میں چلا گیا۔ جہاں ایک دیہاتی نے اُس کی خاطر تواضع کی ٭ اس دیہاتی کی ایک لڑکی تھی۔ جسکی وہ کسی شخص سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ابو یعقوب سے بیان کیا کہ تمہاری مدد کرنے میں مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ یہ سنکر ابو یعقوب نے اُسے کہا کہ تمام تانبے کا اسباب اور زیور جو تم اپنی لڑکی کے جہیز میں دینا چاہتے ہو لے آؤ اور جس قدر اپنے ہمسایوں سے مانگ سکو مانگ کر لاؤ۔ دیہاتی نے ایسا ہی کیا۔ اور بہت سا تانبا سامنے لاکر رکھدیا۔ ابو یعقوب نے ایک گڑھا کھودا۔ اور اپنے پاس سے کچھ دوائی اُس زیور اور دھات میں رکھکر اُسے آگ دیدی۔ یہ سب کا سب خالص سونا ہوگیا۔ دوسرے دن ابو یعقوب نے اپنے میزبان کو ایک چٹھی دی۔ کہ نورالدین شہید کے پاس لے جاؤ جس میں نورالدین کو یہ لکھا تھا۔ کہ اس سونے میں سے ایک خاص مقدار اُس جوان عورت کو دیدو۔ باقی میں سے کچھ لڑکی کے باپ کو ملے۔ اور جو باقی بچے اُس کو نیک مصرف میں لگایا جائے ٭

یہ چٹھی اپنے میزبان کو دیکر رات کو ابو یعقوب گاؤں سے فرار ہوگیا۔ اور نورالدین شہید نے اس سونے سے دمشق میں ایک شفاخانہ بنوا دیا۔ جو اب تک دمشق میں موجود ہے ٭

ابن بطوطہ یہاں سے طرابلس پہنچا۔ جو شام میں ایک بڑا شہر ہے۔ اور دمشق کے ہم پلہ ہے۔ یہاں سے کردون کے قلعہ کو گیا۔ پھر حمص پہنچا۔ یہاں خالد ابن ولید کی قبر دیکھی۔ پھر حماۃ میں آیا ٭

ابو الحسن ابن سعید الغرناطی[1] نے حماۃ کے مقام پر یہ شعر کہے تھے ٭

آفریں صد آفریں تم پر شجاعان حماۃ | گیت گاتا ہے تمہارے ناطقہ شام و پگاہ
خوشنما پھلواڑیاں جتنی ہیں اس گلزار کی | یہ ہیں تصویریں تمہارے ہمت ایثار کی

اس کے حماۃ کی نسبت فرمایا ہے :-

اے مبارک سرزمیں تجھ پر ہے فضل خدا | یعنی کا تیرے پھولوں پر ہے سایہ صدا
بدنظر سے دیکھنے کی تجھ کو جو جرات کرے | صدق دل سے ہے دعا اسکو خدا غارت کرے
روز افزوں ہو قیامت تک فراوانی تری | رحمت داور کرے دائم نگہبانی تری
خود ترقی نے فزوں کی شان اور شوکت تری | اور زیادہ آپ کی افراط نے دولت تری

[1] ابن جازی الکلبی جس نے ابن بطوطہ کے سفرنامہ کا اختصار کیا ہے اسکا راوی ہے ٭

ایک اور صاحب نے بھی چند شعر لکھے ہیں۔ جن کا نام راوی صحیح تحقیق نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان شعروں کا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے:-

اے بی بی خواہ اور دل کی پیاری نہر میں — حسن اور وسعت میں تیرا دوسرا ثانی نہیں
برتری ہیں نہریں۔ کیا کوئی ہے ہمسر ترا؟ — سُو و رفعت جہاں میں کون ہے تیرے سوا
ابر نیساں تیرے سر پر سایہ افگن ہے مدام — تیری خدمت رات دن ہے فارغ البالی کا کام
تیری حسد سے خزاں نے خود کیا ہے انتقال — رات دن سرسبز ہیں تیرے گلستاں کے نہال
وجد میں ہے آسماں تیرے کرشمے دیکھکر — یہ دعا ہے بد نظر جل جائے تجھکو دیکھکر

شیخ جمال الدین علی ابن ابو منصوب نے ایک موقع پر اس کی نسبت جو شعر فرمائے ہیں ان میں سے ذیل کے شعر ہم ترجمہ کرتے ہیں:-

مُود کا کہکشاں دیکھکے محجوب ہے دل میں — یہ گنبد و مینار ترے دود سے بڑھکر
ہاری ہے ترقی نے تیرے سامنے بازی — دولت تیری چادر ہے تو شادی تیرا بستر
خوشحالی کی آغوش میں دائم تیری اولاد — اور فراغت سے تیرا قصر منور

میں اس جگہ سے شہر معرۃ النعمان کو گیا۔ اس کا نام معرۃ النعمان اس لئے رکھا گیا تھا۔ کہ النعمان بن بشیر عنصر جو آنحضرت صلعم کے اصحاب تھے۔ اُن کا ایک لڑکا گم گیا۔ ان دنوں وہ امیہ کے حاکم تھے۔ اس سے پہلے اس شہر کو ذات القصور کہتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ایک پہاڑ نعمان کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ جو اس کے نزدیک واقع ہے۔ شہر کے نزدیک عمر ابن عبد العزیز امیر المومنین کی قبر ہے بعد ازاں میں سرمین میں پہنچا۔ پھر حلب میں۔ حلب کی شہر پناہ نہایت مضبوط ہے۔ اور بہت بڑی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک مسجد ہے جس میں کہتے ہیں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عبادت کی تھی ۔

پھر میں حلب سے تیزین کو گیا۔ اور وہاں سے الطاکیہ آیا۔ جس کے نزدیک العاصی کا دریا بہتا ہے۔ یہاں حبیب النجار کی قبر دیکھکر میں حصن لغراس کو گیا۔ اور وہاں سے حصن القصیبر کو اور وہاں سے حصن الشغر کو۔ پھر میں صیھون کو آیا اور القدموس حصن العلیقہ۔ حصن المنیقہ۔ حصن مصیاب۔ حصن الکہف ان سب قلعوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ کرکے دیکھا۔ یہ سب قلعے ایک قوم اسماعیلیہ کے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کو فدا دیہ بھی

کئے ہیں۔ سوائے ان کی قوم کے کوئی شخص اُن میں نہیں جا سکتا +
یہ لوگ الملک الناصر کے لئے تیر بنایا کرتے ہیں۔ اور اُن کی مدد سے وہ دور دور تک کے دشمنوں پر حملہ کر سکتا ہے۔ مثلاً عراق وغیرہ۔ ان لوگوں کے کام مختلف ہیں۔ اور جب کبھی سلطان اپنے کسی دشمن کی خبر لینا چاہتا ہے۔ تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اس شخص کے خون کی قیمت چکا کر اسے اُس کے مارنے کو بھیجدیتا ہے۔ اگر وہ شخص اپنے کام میں کامیاب ہو کر زندہ آیا۔ تو انعام اُسے ملجاتا ہے۔ ورنہ اُس کے وارث لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس زہر آلودہ چاقو ہوتے ہیں۔ جن سے وہ انسان کا کام تمام کر دیتے ہیں +
یہ لوگ نہایت چست و چالاک بیباک اور جری ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک کام کو نہایت مستعدی سے سر انجام دیتے ہیں +
فداویہ کے قلعوں سے میں شہر جبلہ کو گیا۔ جہاں ابو الصالح ابراھیم بن ادھم کا مقبرہ دیکھا۔ یہ شخص اپنے باپ کی طرف سے سلطنت نہ حاصل کر سکا تھا۔ مگر ماں کی طرف سے مل گئی۔ اُس کا باپ ایک زاہد وشت نورد فقیر تھا۔ اور اس کے اپنے تخت کو چھوڑنے کی کہانی عام طور پر مشہور ہے۔ پھر میں الاذقیہ کو گیا۔ یہاں کے بادشاہ کا دستور ہے کہ جو جہاز اُس کی سلطنت میں آئے۔ اُسے پکڑ لیتا ہے۔ پھر میں المرقب کے قلعہ کو گیا۔
لبنان تمام دنیا میں سب سے میوہ دار اور سرسبز پہاڑ ہے۔ اس پر قسم قسم کے میوے پانی کے چشمے اور سایہ دار درختوں کے جھنڈ موجود ہیں۔ مگر یہ جگہ تارکان دنیا۔ اور خدا پرستوں سے خالی نہیں ہے۔ میں خود بہت سے ایسے اشخاص سے ملا۔ اور اُن سے میں نے فیض حاصل کیا۔ درحقیقت یہ جگہ ایسے بزرگوں اور اُن کے مشاغل کے واسطے نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے +
یہاں سے میں کوہ لبنان اور بعلبک ہوتا ہوا۔ جمعرات کو نویں تاریخ ماہ مبارک رمضان کی ۷۲۶ھ ہجری مطابق ۱۳۲۶ء میں دمشق پہنچا۔ اور مالکیوں کے مدرسہ شرابشیہ کے نام سے مشہور تھا اُترا +
دمشق ایک ایسا شہر تھا۔ کہ میرے طولانی سفر میں اُس سے پہلے جتنے مقامات میری نظر سے گذرے تھے سب مجھے ہیچ معلوم ہونے لگے۔ شہر دمشق کے ہر چہار طرف نہریں جاری ہیں۔ اور میوہ دار درخت گویا اُس کی آبادی کو اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں۔

ایک نازک دماغ شخص کو اپنی تفریح کے لئے دمشق سے زیادہ کسی جگہ سامان فراہم نہیں مل سکتا۔

انہیں باغوں اور سبزہ زاروں اور انہار کی وجہ سے اہل دمشق نے ہفتہ کا روز سیر و تفریح کے واسطے مخصوص کر لیا ہے اس روز تمام کارخانوں میں تعطیل ہو جاتی ہے اور سب لوگ شہر سے نکلکر باہر جاتے ہیں۔ اور دن بھر باغوں میں پھر پھر کر نہروں کے کنارے بیٹھ کے اور ہوائے سرد کی خنکی سے لطف اُٹھا کے رات کو گھروں میں واپس آجاتے ہیں۔

ایک شاعر ابوالحسن علی بن موسی بن سعید الغنسی الغرناطی المدعو بہ نورالدین نے دمشق کی تعریف میں چند شعر کہے ہیں جن میں سے دو کا ہم ترجمہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

دمشق ہرگز نہیں خوبی میں تو فردوس سے کمتر
وطن بھولے مسافر نے ہیں آغوش میں آ کر
اٹھا کر سر ذرا تو دیکھ لے تو آنکھ سے اپنی
نظر آتا ہے یاں ہر عاشق و معشوق کے کچھ بھی

دمشق کی جامع مسجد تمام دنیا میں مشہور ہے۔ یہ مسجد طولاً مشرق سے مغرب تک تین سو ہاتھ لمبی ہے۔ اور عرضاً سمت قبلہ سے مقابل کی دوسری دیوار تک دو سو ہاتھ چوڑی ہے۔ ہر چہار طرف چوبی ستون ہیں۔ اور وسط مسجد میں آٹھ ستون تو پختہ گچ کے بنے ہوئے ہیں۔ اور چھ ستون سنگ رخام کے ہیں۔ جن پر نہ صرف گل بوٹوں کی مناسبت سے رنگ آمیزی کی گئی تھی۔ مسجد کے سامنے صحن سے گذر کر بڑا گنبد ہے جسکو قبتہ الرصاص کہتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا گنبد ہے اور مسجد اور یہ گنبد سب کی مجموعی وضع ایسی بنی ہے کہ معلوم ہوتا ہے مسجد ایک عقاب ہے اور گنبد اُس کا سر ہے۔ شہر بھر میں جس مقام سے دیکھئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالیشان عقاب اُڑ رہا ہے اور اپنا سر آسمان میں بہت کئے ہوئے ہے۔ مسجد کی صرف یہ وضع ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر انسان جس قدر حیرت کرے زیبا ہے۔ صحن سو گز کا ہے جس کے ایک طرف تو مسجد ہے اور تین طرف بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ان کمروں میں سب ملا کے تینتیس ستون ہیں۔ اور چودہ پلپائے ہیں اور اس مسجد میں

چوبی شیشے لگے ہوئے ہیں۔ جن کے مختلف رنگوں اور جن کی رنگ آمیزیوں سے ایک عجیب لطف پیدا ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں ❖

صحن مسجد کے متعلق تین قبہ (گنبد) ہیں۔ ان میں سے مغرب کی جانب جو سب سے بڑا قبہ ہے وہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قبہ ہے۔ یہ قبہ سنگ مرمر کے آٹھ منقش اور مطلا ستونوں پر قائم ہے۔ اور چھت میں سیسہ سے جڑائی کی گئی ہے۔ مشہور ہے کہ اس جامع مسجد کی آمدنی اسی قبہ میں جمع ہوتی تھی۔ اور لوگوں کے بیان سے معلوم ہوا۔ کہ یہ سب ملا کے پچیس ہزار دینار سالانہ کی آمدنی تھی۔ دوسرا قبہ جو مشرق کی جانب ہے۔ اگرچہ وضع اور صورت میں بالکل قبہ عائشہ رضہ کے مثل ہے۔ مگر اُس سے چھوٹا ہے۔ وہ قبہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا کہلاتا ہے۔ تیسرا درمیانی قبہ جو سنگ رخام کے چار منقش ستونوں پر عجب خوشنمائی سے ہشت پہلو بنایا گیا ہے اس کے نیچے لوہے کی جالی لگی ہے اور درمیان میں ایک تانبے کا فوارہ لگا ہے جس میں سے پانی چھت تک بلند ہو کے گرتا ہے صحن کے مشرق طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے ہو کے ایک اور نہایت ہی خوشنما مسجد کو راستہ گیا ہے جس کو مشہد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اور اس دروازے کے مقابل میں ایک مقام ہے جس کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہاں بیٹھ کے حدیث سُنی تھی۔ اور قبلہ کی جانب ایک بالاخانہ ہے جس میں امام شافعی نماز پڑھاتا ہے اور مشرقی حصہ مسجد میں محراب کے سامنے ایک مقام ہے جہاں قدیم نسخے بکثرت حفاظت سے رکھے ہیں۔ وہ قرآن مجید جو جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے شام والوں کے پاس بھیجا تھا۔ اسی مقام میں رکھا ہے۔ ہر جمعہ کو نماز کے بعد یہ خزانہ کھولا جاتا ہے۔ اور لوگ اُس قرآن پر بوسہ دینے کے لئے ہجوم کرتے ہیں۔ مسجد کی بائیں جانب محراب صحابہ ہے جس کے بارے میں مورخین کا دعوے ہے۔ کہ اسلام میں سب سے پہلے یہی محراب بنائی گئی تھی ❖

اسی میں مالکیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ اور داہنی جانب جو محراب ہے اُس میں حنفیوں کا امام اپنی جماعت کے آگے نماز پڑھانے کو کھڑا ہوتا ہے۔ اور اُسی کے برابر والی محراب میں حنبلیوں کے امام کی جگہ ہے اس مسجد کے متعلق تین عالیشان حجرے

ہیں۔ ایک جو مشرق کی طرف ہے وہ رومیوں کا تعمیر کیا ہُوا ہے۔ اور اُس کا دروازہ مسجد کے اندر ہے اور اُس کے نیچے غسل و وضو کا مقام ہے۔ لیکن اس میں صرف وہی لوگ غسل یا وضو کر سکتے ہیں جو مسجد میں اعتکاف کریں یا مسجد ہی میں رہتے ہوں۔ دوسرا حجرہ جو مغرب کی طرف ہے وہ بھی رومیوں ہی کی عمارت ہے۔ ہاں تیسرا درمیانی حجرہ مسلمانوں کا بنایا ہُوا ہے۔ اس مسجد کے وسط میں دو ستونوں کے درمیان جناب ذکریا علیہ السلام کی تربت ہے۔ جس پر سیاہ حریر کی چادر پڑی رہتی ہے اور اُس چادر پر قرآن مجید کا یہ جملہ کڑھا ہُوا ہے " یا ذکریا انا نبشرك بغلام اسمه یحیٰی "۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس مسجد کی اُس دیوار کو جو قبلہ کی جانب واقع ہے پیغمبر خدا جناب ھود علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اور اُسی میں اُن کی قبر شریف بھی ہے ٭

جامع دمشق کے چار دروازے ہیں۔ اور جو دروازہ سامنے کی طرف تھا۔ اُس کی چھت پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جھنڈا نصب تھا جس کو لیکے اُنہوں نے اس شہر کو اور دیگر بلاد کو فتح کیا تھا۔ اس دروازے کی دہلیز سے نکلکے دمشق کا بہت بڑا بازار تھا۔ اور اسی بازار میں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکان تھا جس کو بنی عباس نے منہدم کر دیا۔ اور معاویہ کے تمام متعلقین اور اعزا کے مکان بھی یہیں تھے اُن سب مکانوں کی جگہ اب بازار ہے۔ اور شرقی دروازہ جو سب دروازوں سے بڑا ہے اُس کے بیرونی رُخ پر ایک بڑا کمرہ ہے۔ جو چھ طولانی ستونوں پر قائم ہے۔ اور وہیں پر ایک زیارت گاہ ہے جس میں کہتے ہیں۔ کہ امام مظلوم سیدنا حسین علیہ السلام کا سر مبارک رکھا ہُوا تھا۔ اور اس دروازے سے اُتر کے ایک چھوٹی مسجد ہے جو خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی جانب منسوب ہے۔ اور اسی دروازے کے برابر ایک کمرے میں دن کی گھڑیوں کے شمار کے موافق چھوٹے چھوٹے طاق ہیں اور اُن طاقوں میں شیشے لگے ہیں۔ ان شیشوں کے بیرونی رُخ پر زرد رنگ دیا ہے۔ اور اندر کی طرف سبز۔ اور یہ صنعت رکھی ہے کہ دن کی ایک ایک گھڑی جو جو گذرتی ہے وہ وہ ایک ایک طاق کے شیشے کا اندرونی سبز رنگ باہر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور بیرونی زرد رنگ اندر کی طرف ہو جاتا ہے۔ گویا یہ گھڑی ہے اور اسی سے دن کا اندازہ

کیا جاتا ہے مغربی دروازہ جامع کے پہلو میں شافعیوں کا مدرسہ ہے۔ اور ہر دروازے پر ایک ایک بڑا کمرہ وضو کا ہے جن میں پانی جاری رہتا ہے۔ اور ہر ایک میں سو آدمیوں کے وضو کرنے کی جگہ بنی ہے ٭

عمارت اور عالیشانی کے قطع نظر تمام لوگوں کو حسب تحریر ابن جُزی الدیگا کہ اس جامع میں تیرہ امام معین ہیں۔ جن میں سے چار تو اہل سنت کے چاروں فرقوں کی امامت کرتے ہیں۔ اور باقی پہلی جماعت کے بعد جو متواتر جماعتیں ہُوا کرتی ہیں اُن کی امامت کیا کرتے ہیں۔ اور ستر موذن ہیں جو اذان کی خدمت پر مامور ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً سات سو آدمی قرآن خوانی وغیرہ کے لئے مامور ہیں۔ اور ان سب کی خبر گیری اہل شہر اس شریفانہ برتاؤ سے کرتے ہیں کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ کہ ان لوگوں کو کھانا کون پہنچاتا ہے۔ اور اُن کی بسر کیونکر ہوتی ہے ٭

شہر دمشق کے اُن دنوں آٹھ پھاٹک تھے۔ جن میں سے چار پھاٹکوں کے نام یہ ہیں:۔ باب الفرادیس ٭ باب الجابیہ ٭ باب الصغیر ٭ اور باب الشرقی ٭

باب جابیہ اور صغیر کے درمیان میں ایک گنج شہیداں ہے۔ یہاں بہت سے صحابہ اور اُن کے ساتھ جام شہادت نوش فرمانے والے پرجوش مسلمان شہادت کی زندگی رحمت الٰہی کے خواب نوشین میں گذران رہے ہیں۔ اور اسی مقام پر ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور اُن کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں۔ اور موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی یہیں مدفون ہیں۔ اور اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور کعب احبار کی قبریں بھی اسی مقام پر ہیں ٭

دمشق کے مغرب جانب ایک اور مقام ہے جو قبور شہدا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے صحابہ کرام بلکہ خاص اُن لوگوں ہیں سے جن کی شان میں قرآن میں آیا ہے۔ والذین بایعوا تحت الشجرۃ یہ نامور اس مبارک تختہ زمین کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ ابو درداء۔ اُن کی زوجہ ام الدرداء۔ فضالہ بن عبید۔ واثلہ بن اسقع سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہم اجمعین ٭

دمشق سے مشرق جانب چار میل پر ایک گاؤں ہے جسے منیحہ کہتے ہیں۔

وہاں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قبر شریف ہے۔ اور اُس قبر کے متصل ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد بھی ہے۔ اور مسجد کی محراب پر یہ عبارت لکھی ہے۔ "ھذا قبر سعد بن عبادۃ راس الخزرج صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتسلیما" یہ قبر سعد بن عبادہ کی ہے جو قبیلہ خزرج کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اور ایک اور گاؤں میں جو دمشق سے ایک فرسخ پر واقع ہے۔ جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت رسول خدا علیہ السلام کی نواسی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا روضہ مقدس ہے۔ کہتے ہیں کہ ان صاحبزادی کا اصلی نام زینب تھا۔ لیکن شکل اور صورت میں چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی یعنی اپنی خالہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بہت مشابہ تھیں۔ لہذا آنحضرت نے انکی کنیت بھی ام کلثوم رکھدی۔ اس روضہ کے متعلق ایک عمدہ مسجد ہے اور بہت سی جائداد اور اراضی اس روضہ کے متعلق ہیں۔ اہل شام اس مقام کو قبر الست ام کلثوم کہتے ہیں۔ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے قریب ہی جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا مدفون ہیں۔ اور دمشق کے مشرق جانب اُس کے مضافات میں سے ایک گاؤں ہے جو جامع نیرب کے نام سے مشہور ہے۔ اُس گاؤں میں ایک قبر بنی ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس میں جناب مریم بتول علیہ السلام کی والدہ مدفون ہیں۔ اور دارایا نام ایک گاؤں میں جو شہر سے مغرب جانب چار میل پر ہے ابو مسلم خولانی اور ابو سلیمان دارانی کی قبریں ہیں +

دمشق کے جو متبرک مقامات مشہور ہیں ان میں مسجد اقدام کو سب سے زیادہ شہرت ہے اور حقیقت میں اس مقام سے برکت کے نمونے ظاہر ہوتے ہیں +

دمشق سے حجاز یا بیت المقدس۔ مصر کو جانے والے جس سڑک پر جاتے ہیں عین اُس سڑک پر دمشق سے دو میل جا کے مسجد اقدام ملتی ہے۔ یہ بہت بڑی مسجد ہے۔ اور اُس کی عظمت کے مطابق اس پر جائداد بھی بہت وقف ہیں۔ اس مسجد کا نام مسجد اقدام اس لئے رکھا گیا کہ وہاں ایک پتھر ہے۔ جس پر پیغمبر خدا جناب موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم بنے ہیں۔ اس مسجد کی عمارتوں میں ایک حجرہ ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہے "ایک بزرگ نے اس حجرے میں جناب سول خدا

صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلعم نے خواب میں ہی ان کو بتایا کہ اس مقام پر میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے" اسی وجہ سے اس حجرے کی زیارت کی جاتی ہے +

دمشق کے باب شرقی کے قریب ایک سفید مینار ہے جس کی نسبت لوگوں کا اعتقاد ہے۔ کہ قرب قیامت میں جناب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُسی مینار پر اُتریںگے +

اس مقام پر ابن بطوطہ کہتا ہے کہ دمشق کے قرب و جوار کی آبادیاں حسن و خوبی اور دلفریبی میں خاص شہر دمشق سے زیادہ خوش سواد واقع ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ خاص دمشق کی گلیاں کثرت آبادی کی وجہ سے اکثر تنگ ہیں اور باہر کے مقامات کھلے ہوئے اور ہوادار ہیں۔ شہر سے شمال کی طرف جو مقام ربض الصالحیہ کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت کہتا ہے کہ وہ بجائے خود ایک بڑا شہر ہے جس کا بازار اپنی خوبی اور عمدگی میں دور دور مشہور ہے۔ اور حقیقت میں بےمثل ہے۔ اس مقام میں ایک مسجد جامع اور ایک شفاخانہ ہے۔ ایک مدرسہ بھی ہے جو مدرسہ ابن عمر کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ یہ مدرسہ خاص اُن لوگوں کا ہے جو سن رسیدہ بلکہ بوڑھے ہوں۔ اور آخر عمر میں قرآن مجید پڑھنا چاہیں۔ اُن کے لئے کھانے پینے اور تمام مصارف کا انتظام خود مدرسے کے سرمائے سے ہوتا ہے۔ اور بوڑھے خدا دوست بےفکر ہو کے خدا کی کتاب پڑھ سکتے ہیں۔ اس مقام کے کل رہنے والے مذہب حنبلی کے تابع ہیں +

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جس قسم کا اور جن اغراض کے لئے ربض الصالحیہ کا مدرسہ قائم ہے اُنہیں اغراض کے لئے شہر دمشق میں بھی ایک مدرسہ ہے جو مدرسہ ابن منجا کے نام سے مشہور ہے +

اس میں کوئی شک نہیں کہ دمشق بڑا ہی خوش نصیب شہر ہے۔ خدا نے تمام دنیاوی خوبیوں کے علاوہ اُسے دینی برکتوں اور انبیاے سلف کی مقدس یادگاروں سے ایسا آراستہ کر دیا ہے کہ باستثناے چند بلاد کوئی شہر اُس کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ دمشق اور صالحیہ کے شمالی طرف ایک پہاڑ ہے جسے جبل قاسیون کہتے ہیں۔ انبیاے سلف میں سے اکثر اس پہاڑ پر چڑھے ہیں۔ جن کی برکت نے اُس پہاڑ کو آج زیارتگاہ

خلائق بنادیا ہے۔ اس شہر کے متصل وہ غار ہے جس میں خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک تنگ اور طولانی غار ہے۔ غار کے اوپر ایک عالیشان مسجد بنی ہے جس کا حجرہ نہایت ہی شائستگی اور خوشنمائی کے ساتھ بنایا گیا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اسی غار سے تارے ماہتاب اور آفتاب کو دیکھا تھا جیسا کہ ذکر قرآن مجید میں آیا ہے +

غار کی پشت پر وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراھیم علیہ السلام غار سے نکلکر اکثر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اس شہر کے مغرب جانب بھی ایک بہت پرانی یادگار ہے جو ایک پہاڑ سے عبارت ہے۔ جسے مغارۃ الدم کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک سرخی نمایاں ہے جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ حضرت ھابیل ابن آدم علیہ السلام کے خون کی سرخی ہے۔ اور خدا نے محض ان کی یادگار قائم رکھنے کے لیے اس سرخی کو آج تک باقی رکھا۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس مقام پر ابراھیم۔ موسیٰ عیسیٰ۔ ایوب اور لوط علیھم السلام ان پیغمبروں میں سے ہر ایک نے نماز پڑھی ہے +

جبل قاسیون میں ایک گاؤں ہے جو قرآن مجید میں ذات قرار و معین کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہیں جناب مسیح علیہ السلام کو بے کے مریم بتول عہ نے پناہ لی تھی۔ اس گاؤں کی نسبت جو الفاظ ابن بطوطہ نے استعمال کئے ہیں شاید ان میں کسی قدر مبالغہ ہو۔ مگر جہاں تک اصلیت تسلیم کیجائیگی وہ بھی اس کی خوبی کو ترجیح کے ساتھ ثابت کردیگی۔ کیونکہ وہ کہتا ہے :۔

"یہ گاؤں دنیا کے تمام مقامات سے زیادہ خوشنما اور خوش سواد ہے بڑی بڑی شاندار عمارتیں اور رفیع البنیان محل قائم ہیں اور باغوں کی آراستگی سے عجیب و غریب لطف پیدا کیا گیا ہے"

ابن بطوطہ نے اس گاؤں کی تصویر کھینچنے اور اس کی اُن سات نہروں کا حال بیان کرنے میں بہت زور دیا ہے۔ کہتا ہے کہ جس خوبی سے یہ نہریں بنائی گئی ہیں اور جس طرح یہ کہیں پر جدا ہو جاتی ہیں اور کہیں آپس میں ملجاتی ہیں وہ خوبی اور صنعت دنیا میں اور کہیں کم نظر آئیگی۔ علاوہ جناب مریم کے مکان کے یہاں ایک مکان ہے جس میں

بیان ہے کہ جناب خضر علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے۔ لوگ اس مکان میں نماز ادا کرنے کے لئے دور دور سے آتے ہیں ٭

دمشق کے مشرق جانب ایک اور گاؤں بتاتا ہے جسے بیت الاھیہ کہتے ہیں اس میں ایک کنیسہ تھا جس میں آذر بت تراش بیٹھ کے اپنے بت بنایا کرتا تھا۔ اور جناب خلیل اللہ ابراھیم علیہ السلام نے اُن بتوں کو توڑ ڈالا تھا اُس کنیسہ کے مقام پر ایک عالیشان مسجد بنی ہے ٭

اس کے بعد ابن بطوطہ دمشق کے اوقاف یعنی مختلف فنڈوں کا حال بیان کرتا ہے جو پبلک کی کوششوں سے قائم تھے۔ کہتا ہے کہ یہاں مختلف اغراض کے لئے بہت سے فنڈ قائم ہیں۔ جن کے ذریعے سے ہر قسم کی فیاضی کے نمونے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک فنڈ اُن لوگوں کے لئے قائم ہے جو اپنی ناداری کے باعث حج سے معذور رہیں اس سے اُن کو زادراہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ باطمینان حج کر آتے ہیں۔ ایک فنڈ اس لئے قائم ہے کہ غربا اور محتاج لڑکیوں کا عقد کر دیا جائے۔ اور وہ اپنے لئے اپنا خبر گیراں شوہر پا سکیں۔ ایک فنڈ اس غرض کے لئے ہے کہ محتاج اور مفلس قیدیوں کو خواہ مسلمانوں یا دوسری قوم کے لوگوں کے ہاتھ سے زر فدیہ ادا کر کے رہائی دلائی جائے ایک فنڈ بطور میونسپلٹی کے قائم ہے جس کے سرمایہ سے دمشق کی گلیاں اور سڑکیں خوبصورتی سے بنائی جائیں اور صاف رکھی جائیں۔ اور کہتا ہے کہ دمشق کی سڑکیں نہایت خوش اسلوبی سے بنائی گئی ہیں۔ بیچ میں گاڑیوں اور گھوڑوں کے گذرنے کا راستہ ہے۔ اور دونوں طرف پٹریاں بنی ہیں جن پر پاپیادہ آدمی گذرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے جزئی کاموں کے لئے الگ الگ فنڈ ہیں جن سے ہمیشہ لوگوں کی حاجتیں پوری کیجاتی ہیں۔ اور غربا کو مصائب سے نجات دلائی جاتی ہے ٭

اس موقع پر ابن بطوطہ ایک واقعہ لکھتا ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دمشق سے غربا کو ان فنڈوں کے ذریعے سے کیسی مدد ملتی رہتی تھی۔ کہتا ہے کہ ایک دن میں دمشق کی سڑک پر چلا جاتا تھا۔ اتفاقاً میرے برابر سے ایک غلام کمسن گذرا جس کے ہاتھ میں چینی کی پلیٹ تھی۔ خدا جانے کیا اتفاق ہوا کہ وہ پلیٹ اُس کے ہاتھ سے چھٹ کے

گر پڑی اور گرتے ہی ٹوٹ گئی۔ غلام اپنے مالک کے خوف سے رونے لگا۔ آہ اب کیا ہوگا دیکھوں اس کے معاوضے میں مجھ پر کس قدر مار پڑتی ہے۔ میرا مالک تو مجھے مار ڈالیگا۔ اُس کو روتے دیکھ کر چاروں طرف سے لوگوں نے اُسے گھیر لیا۔ اور اُس کی حالت دیکھنے لگے۔ بازاریوں میں سے کسی کو اُس پر ترس آ گیا۔ اور کہنے لگا تو گھبرا نہیں۔ اس پلیٹ کے ٹکڑے اُٹھائے اور میرے ساتھ اُن صاحب کے پاس چل جو اس فنڈ کے سکرٹری ہیں۔ جس میں سے ظروف شکستہ کا معاوضہ کیا جاتا ہے۔ غلام نے پلیٹ کے ٹکڑے اُٹھا لئے اور اس شخص کے ساتھ سکرٹری فنڈ کے پاس گیا۔ اور شکستہ پلیٹ دکھائی۔ سکرٹری نے فوراً ویسی ہی پلیٹ فنڈ کے سرمائے سے خرید کے اُس غلام کو دی اور وہ اپنے مالک کے پاس اطمینان سے گیا اور سرخرو ہوا ۞

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اُن دنوں اہل دمشق عام طور پر ایسے فیاض تھے۔ اور ان میں اس قدر دینی جوش تھا کہ ہمیشہ تعمیر مساجد اور مدارس اور غربا کی خبر گیری میں مشغول رہتے تھے۔ اور شہر میں معاش کے ذریعے اس قدر کھلے ہوئے تھے کہ جس شہر اور جس مقام سے جو کوئی آ جاتا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ اُس کی زندگی زیادہ امیدواری یا پریشانی میں گذرے۔ آتے ہی کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش کا ہو جاتا تھا خصوص جس کسی کو طالب علمی یا دینداری کا ذوق ہوتا تھا اُس کی سب سے زیادہ فارغ البالی کے ساتھ گذرتی تھی ۞

ابن بطوطہ نے اس کے بعد اُن علمائے دمشق کا نام بتایا ہے جن کی شاگردی پر اُسے زندگی بھر فخر حاصل رہا۔ یہ علما اُس کے اُستاد ہیں جن سے اُس نے مختلف کتب حدیث اور دیگر فنون کی سند حاصل کی۔ ابن بطوطہ نے اپنے اساتذہ میں سے دس بارہ لوگوں کے نام بتائے ہیں۔ اُن میں دو عورتیں بھی ہیں۔ اور اُن کی شہرت اور کمال علمی کا اس قدر شہرہ تھا۔ کہ ابن بطوطہ نے فخر سمجھ کے اُن کی شاگردی کی عزت حاصل کی۔ ایک تو ام محمد عائشہ بنت محمد بن مسلم بن سلامہ اعرافی اور ایک زینب بنت کمال احمد بن عبد الرحمٰن بن عبد الواحد المقدسی ہیں۔ بلکہ زینب کے علم و فضل کی شہرت اس قدر تھی کہ ابن بطوطہ اُس معصومہ عالمہ کو رحلۃ الدنیا کے لقب سے یاد کرتا ہے یعنی اُس کے علم و فضل سے

بہرہ یاب ہونے کے لئے ساری دنیا کے لوگ مصائب سفر اُٹھا اُٹھا کے اُس کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے ؎

دمشق کے علماء باکمال اساتذہ۔ اور علم دین کے ماہروں میں سے تقی الدین بن تیمیہ اپنی تقریروں اور لیکچروں میں بہت مشہور تھے۔ اور فرقہ حنبلی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور دمشق کے لوگ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ کئی موقعوں پر اُنھوں نے اپنے وعظ میں ایسی باتیں کہیں جن سے دوسرے علماء نے اختلاف ظاہر کیا چنانچہ الملک الناصر کو بھی یہ خبر لگی۔ اس پر اُس نے امام تقی الدین کو مصر بُلا کر قید کر دیا۔ امام صاحب نے قید خانے میں قرآن مجید کی تفسیر لکھکر شائع کی۔ جو چالیس جلدوں میں ختم ہوئی۔ اور اُس کا نام البحر المحیط رکھا۔ بعد ازاں وہ آزاد کئے گئے۔ مگر دمشق میں واپس جا کر انھوں نے پھر ویسے ہی نئے نئے خیالات کا وعظ کہنا شروع کیا۔ مجھے بھی ایک دفعہ جمعہ کے دن اُن کے وعظ میں شامل ہونے کا اتفاق ہؤا۔ اور وعظ کی اثنا میں اُنھیں یہ کہتے سُنا۔ کہ:۔

"خدا اس زمین کے آسمان پر اُترا جس طرح اب میں اُترتا ہوں"۔ اور یہ کہکر ممبر کی ایک سیڑھی سے اُترے۔ مالکی فرقے کا ایک عالم وہاں موجود تھا جس نے اس پر اعتراض کیا۔ مگر لوگوں نے اسے پکڑ کر مارا۔ مگر اُس شخص نے الملک الناصر سے پھر شکایت کی جس نے امام کو پھر بُلا کر قید کر دیا۔ اور باقی عمر قید رکھا۔ وفات کے بعد دمشق میں دفن کئے گئے ؎

باب سوم

حج بیت اللہ

شام کے حجاج جب حج کے لئے تیار ہو گئے۔ تو اُن کے قافلے کے ہمراہ میں بھی حج کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ اور خدا نے سر انجام تک بخیریت پہنچا دیا۔ اور الحمد للہ کہ میں نے فراغت سے حج کر لیا۔ اور عراق کے حجاج کے ہمراہ مدینہ منورہ میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو روانہ ہوا۔ تین دن کے بعد ہم وادی العروس میں اترے۔ پھر ملک نجد میں داخل ہوئے۔ اور اس کے وسط میں دور تک چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہم قادسیہ میں پہنچے۔ یہ وہ مشہور جگہ ہے جس میں وہ عظیم واقع ہوا تھا جس سے ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور اسلام کو کفار پر فتح نصیب ہوئی تھی۔ اُس وقت تو یہ ایک بڑا شہر تھا۔ مگر اب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے

پھر ہم مشہد علی رضی اللہ عنہ کو گئے۔ جہاں حضرت علی رضؓ کی قبر سُنی جاتی ہے ٭

یہ ایک خوبصورت اور آباد جگہ ہے۔ مگر تمام باشندے شیعہ فرقے کے ہیں۔ اس جگہ کا حاکم کوئی نہیں۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ فرقوں اور گروہوں کے اپنے اپنے حاکم ہیں۔ لوگ عموماً متموّل اور بہادر تجارت پیشہ ہیں۔ باغوں کے گرد دیواریں کھچی ہیں۔ جن پر چونے کے عمدہ پلستر کے علاوہ بیل بوٹے نہایت خوبصورت بنے ہوئے ہیں ٭

باغ کے اندر تخت بچھونے۔ سونے چاندی کے چراغ۔ اور سامان زیب و زینت موجود رہتا ہے۔ شہر کے درمیان ایک بہت بڑا خزانہ رکھا ہے۔ جو سب فرقوں کے متعلق ہے۔ یہ روپیہ مختلف اطراف کے لوگوں کی نذروں سے جمع ہوا ہے جب کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے۔ یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو وہ ایک خاص قسم کی منت مانتا۔ اور مخلصی پاتے ہی وہ روپیہ خزانے میں داخل کرتا ہے۔ یہاں کا باغ کرامتوں کے لئے مشہور ہے اور اسی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی قبر وہیں ہے ؀

اُن کرامتوں سے ایک لیل المحیا ہے۔ رجب کی ستر ھویں تاریخ۔ اپاہج۔ فارس روم خراسان۔ اور عراق وغیرہ سے بیس بیس۔ تیس تیس گروہوں میں یہاں جمع ہوتے۔ اور شام کے بعد قبر پر بٹھائے جاتے ہیں۔ پھر بعض لوگ دعا کرتے۔ بعض قرآن پڑھتے۔ اور باقی سجدے سجود کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ راتوں رات وہ سب اپاہج تندرست ہو جاتے ہیں ؀

یہ بات اُن میں بڑی مشہور ہے۔ اور میں نے معتبر لوگوں سے اس کی نسبت دریافت کیا۔ مگر خود اس وقعہ میں شامل نہیں ہو سکا۔ میں نے کئی ایک بیماروں اور مصیبت زدوں کو تو خود دیکھا۔ جو اس شب کا اضطراب سے انتظار کر رہے تھے ؀

پھر میں بصرہ گیا۔ جہاں سے خفاجہ کے عربوں کے ہمراہ آگے بڑھا۔ اس ملک میں سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے ہمراہ سفر نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم خورنق آئے جو النعمان ابن منذر کی جائے رہائش تھی۔ جس کے بزرگ بنی ماءالسماء کے بادشاہ تھے۔ اس کے محل کے نشانات ابھی تک وہاں ملتے ہیں۔ یہ ایک کھلے میدان میں فرات کے ایک معاون دریا کے کنارے پر تعمیر ہوا تھا ؀

یہاں سے ہم شہر واسط میں آئے۔ اس کے گرد ایک وسیع قطعہ زمین ہے جس میں باغ اور کھیت بڑی کثرت سے ہیں۔ اس کے باشندے عراق میں سب سے اچھے ہیں۔ یہاں سے میں الولی العارف کی قبر کی زیارت کو گیا۔ جو اُم اُبیدہ کے گاؤں میں ہے۔ اور جو شہر واسط سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ میں جب یہاں پہنچا۔ تو دیکھا کہ شیخ کا پوتا بھی اسی غرض سے وہاں آیا ہوا ہے۔ اور اس میں بھی نیک آثار پیدا ہیں۔ اس کا نام شیخ احمد تھا۔ اور اپنے دادا کی طرح وہ بھی اسی حجرہ میں گوشہ نشین تھا۔ دوپہر کے وقت جب تلاوت قرآن سے فراغت ہوئی۔ تو مجاوروں نے لکڑیوں کا ایک بڑا تودہ لاکر جمع کر دیا۔ اور اسے آگ لگا دی۔ پھر کوئی اس میں چلنے لگا۔ کوئی آگ کھانے لگا۔ کوئی اس میں پلٹے مارنے لگا۔ کوئی کودنے لگا۔ حتےکہ انہوں نے اسی طرح آگ بجھا دی ؀

یہ فرقہ المرفاعیہ ہے جسے اس ورزش میں بہت مہارت حاصل ہے۔ ان میں سے

بعض بڑے بڑے سانپوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر دانتوں میں دبا کر سے کاٹ دیتے ہیں۔ میں جب ہندوستان میں تھا۔ تو ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک مذہبی فرقہ جسے حید ریہ کہتے تھے۔ مجھ کو ملا۔ ان لوگوں کی گردنوں میں لوہے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ ان کا سردار ایک بدصورت حبشی تھا۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس جگہ کے حاکم سے میں ان کی طرف سے عرض کروں کہ وہ اُن کو کچھ لکڑیاں دے۔ تاکہ وہ اسے آگ لگائیں۔ اور اس میں چلتے ہوئے گائیں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اور حاکم نے اُنہیں دس گٹھے لکڑیوں کے منگا دیئے۔ ان لوگوں نے لکڑیوں کو آگ لگا دی اور گانا شروع کر دیا۔ اور اُس میں چلنے پھرنے اور کودنے لگے۔ حتےٰ کہ اس طرح آگ بجھ گئی +

اُن کے سردار نے مجھ سے ایک قمیص کی درخواست کی۔ میں نے ایک عمدہ قمیص اُسے دی۔ چنانچہ اُسے اُس نے پہن لیا۔ اور آگ میں لوٹنا شروع کر دیا۔ اور جب تک آگ نہ بجھ گئی لوٹتا رہا۔ پھر اُس نے مجھے قمیص واپس کر دی جس پر آگ نے ذرا بھی اثر نہیں کیا تھا۔ میں یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا +

اس شیخ سے ملاقات کر کے میں بصرہ کو گیا۔ یہ جگہ کھجوروں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کے باشندے مسافروں سے ایسا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ کہ مسافر کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسجد ہے۔ جہاں ہر جمعہ کو نماز ہوتی ہے۔ اور باقی دنوں میں بند رکھی جاتی ہے۔ مگر موجودہ آبادی سے اب دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس مسجد میں وہ قرآن رکھا ہے۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہر کے لوگوں کے لئے بھیجا تھا۔ اور آپ اسی قرآن کو پڑھ رہے تھے جب شہید کئے گئے۔ اور آپ کے خون کے دھبے ابھی تک پڑے ہوئے ہیں +

پھر میں ایک جہاز موسوم بہ سنبوک پر اُبلّہ کو گیا جو نہر کے بیچ واقع ہے۔ یہ شہر پہلے بہت بڑا تھا۔ مگر اب صرف ایک گاؤں ہی ہے۔ بصرہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے متعلق چند باغات بھی ہیں +

اُبلّہ سے جہاز پر سوار ہو کر خلیج فارس سے ایک گوشہ سے دوسری صبح عبادان میں جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے پہنچا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بغداد کو جاؤں۔ مگر بصرہ

میں مجھے ایک شخص نے صلاح دی کہ میں ارض اللور کی۔ پھر عراق عجم کی اور پھر عراق عرب کی سیر کروں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر عبادان سے میں سمندر کے راستہ روانہ ہوا۔ اور چار روز میں ماجول پہنچا +

یہ خلیج فارس پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اسے دیکھ کر میں خشکی کے ذریعہ تین روز میں شہر رامن میں آیا۔ جو ایک خوبصورت مقام ہے۔ اور یہاں میووں اور دریاؤں کی بہت کثرت ہے۔ پھر ایک میدان سے ہو کر جس میں کرد ون کے گاؤں واقع تھے۔ تین دن میں شہر تستر میں پہنچا۔ جو اس میدان کی انتہا پر واقع ہے۔ یہاں ارد گرد بہت سے پہاڑ ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک پر ایک خوبصورت شہر آباد ہے۔ جس میں میوے بڑی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دریا تمام شہر کے گرد پھرتا ہے جسے الازرق کہتے ہیں۔ اس کا پانی نہایت شفاف ہے۔ اور موسم گرما میں یہ برف کی طرح سرد ہوتا ہے +

بعدازاں تین دن تک میں بلند پہاڑوں پر سفر کرتا رہا۔ اور اس تمام ملک میں میں نے دیکھا۔ کہ ہر منزل پر مسافروں کی آسائش اور خوراک کا انتظام موجود ہے۔ غرض میں شہر ایذج میں آیا جو سلطان اتابک افراسیاب کے زیر حکومت ہے ان لوگوں کی زبان میں اتابک حاکم شہر کو کہتے ہیں۔ اس ملک کو لواللور کہتے ہیں۔ یہاں بلند پہاڑ ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں کو کاٹ کر سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ اس ملک کا طول ۱۷ دن کی مسافت ہے۔ اور چوڑائی دس دن کی۔ یہاں کا بادشاہ شاہ عراق کو اکثر تحائف بھیجتا ہے۔ اور کبھی کبھی خود بھی ملنے کو جاتا ہے تمام ملک میں کچھ کچھ فاصلے پر قیام گاہیں بنی ہیں۔ جہاں مسافر دیندار۔ محقق اور ہر ایک شخص آکر ٹھہرتا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے روٹی۔ گوشت اور شیرینی موجود رہتی ہے۔ میں نے دس دن تک اس ملک میں پہاڑوں پر سفر کیا۔ میرے ہمراہ دس آدمی تھے۔ ان میں سے ایک امام تھا۔ دوسرا موذن اور دو قاری قرآن۔ اور یہاں مجھے اور میرے ہمراہیوں کو سلطان نے سفر خرچ کے لئے روپیہ بھیجا۔ غرض دس دن تک اس ملک میں سفر کر کے ہم اصفہان ہوتے ہوئے شہر اشترکان میں پہنچے۔ پھر عراق عجم کے ایک شہر فیروزان میں آئے یہ شہر بہت بڑا اور پر رونق ہے میں نے

یہاں چند دن قیام کیا۔ پھر شیراز کو روانہ ہوگیا ✦

فیروزان اور اصفہان کے درمیان ۲۰ منزلیں واقع ہیں۔ اس جگہ میرا ارادہ شیخ مجد الدین کو ملنے کا تھا۔ راستہ میں میں کلیل اور یزد فاض کو دیکھ کر میں شیراز پہنچا۔ اگرچہ شہر دمشق کے ہمپلہ نہیں ہے۔ مگر بہت وسیع ہے۔ عمارات بہت عمدہ ہیں۔ دمشق بلحاظ اپنے عمدہ بازاروں باغوں اور چشموں کے اس سے بڑھ گیا ہے ✦

یہاں کے لوگ۔ دانا۔ پارسا اور نیک ہیں خصوصاً عورتیں۔ میں یہاں صرف شیخ مجد الدین کی زیارت کو آیا تھا۔ جو اپنے وقت کے سردار اولیا اور صاحب کرامت ہیں۔ چنانچہ میں مدرستہ المجدیہ میں آیا۔ جو شیخ کا بنایا ہوا ہے۔ اُس وقت وہ شہر کے قاضی تھے۔ مگر بہ سبب ضعیف العمری کے قضا کے فرائض اُن کا بھتیجا کرتا ہے۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ چنانچہ جب مدرسے سے نکلے تو مجھ پر بڑی مہربانی فرمائی۔ مجھے گلے لگایا۔ اور مجھ سے کئی ایک مقامات کی نسبت سوال کئے۔ میں نے ٹھیک ٹھیک جواب دئے۔ پھر مجھے کالج میں لیگئے۔ یہاں کے امراء شیخ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس آتے ہیں۔ تو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ یہ وہ عزت کا نشان ہے جو وہ صرف بادشاہ کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ شیخ کی عزت بادشاہ کے برابر کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عراق کا بادشاہ محمد خدا بندہ جب مسلمان ہوا۔ تو ایک شیعہ مسمی جمال الدین مطہر بادشاہ کا بڑا مقرب تھا جس نے بادشاہ کو شیعہ ہونے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ محمد خدا بندہ نے مذہب شیعی اختیار کرلیا۔ اس پر بادشاہ نے بغداد اور شیراز کے لوگوں کو شیعی مذہب کی دعوت کی۔ مگر لوگوں نے صاف انکار کردیا۔ پھر بادشاہ نے ان دونوں شہروں کے قاضیوں کو طلب کیا۔ سب سے پہلے شیراز کا قاضی حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ بڑے بڑے شکاری کتوں کے آگے زنجیر سے جکڑ کر قاضی کو ڈالدو۔ جو ان کو پھاڑ ڈالیں۔ وہ قاضی شیخ مجد الدین تھے۔ چنانچہ جب ان کو چند شکاری بھوکے کتوں کے آگے اس طرح ڈالنے لے لئے۔ تو کتوں نے بجائے اس کے کہ ان پر حملہ کریں اور پھاڑ ڈالیں۔ اُن سے پیار کرنا اور دُم ہلانا شروع کردیا۔ اور ہرگز ذرہ بھی تکلیف

نہ دی۔ جب یہ بات خدابندہ تک پہنچی۔ تو نہایت خوف سے دوڑتا ہوا۔ قاضی مجدالدین کے پاس آیا۔ اور اُن کے ہاتھ چومے اور قاضی صاحب کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر محل میں لایا۔ اور اپنی خلعت فاخرہ عنایت کی۔ اس سے شیخ کی عزت اور وقعت بہت بڑھ گئی۔ کیونکہ بادشاہ نے اپنے کپڑے اُنہیں عطا کئے۔ اور اُن کی اولاد کی عزت بہت ہوگئی۔ بعد ازاں بادشاہ نے مذہب شیعہ کو چھوڑ دیا۔ اور سنی ہوگیا۔ اور قاضی صاحب کو شیراز کے ضلعے میں ایک سو گاؤں عطا کئے۔ تب سے خود بادشاہ اور اُس کے درباری شیخ کی بہت عزت و تکریم کرنے لگے۔ میں جب ہندوستان سے واپس اپنے ملک کو آیا۔ تب بھی میں پینتیس دن کا زائد سفر کرکے شیخ کو ملنے گیا ۞

میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ شیراز کے بادشاہ ابواسحاق نے شیخ کی عزت کے لئے خود کانوں پر ہاتھ رکھا۔ جس وقت میں شیراز پہنچا تھا۔ تو اس وقت محمد ابواسحاق ابن شاہ یانجو بادشاہ تھا ۞

یہ بادشاہ بڑا نیک نفس تھا۔ مگر اس کی وفات پر عنان حکومت ایک اور شخص کے ہاتھ میں چلی گئی۔ لیکن عراق کا بادشاہ لاولد مرا۔ اور تمام صوبے خودمختار ہو گئے اس طرح شیراز کی حکومت ابواسحاق کے ہاتھ آئی۔ یہ شخص اپنی دلاوری اور نیک چلنی کے باعث نہایت ہردلعزیز تھا۔ اس کا ملک ڈیڑھ مہینہ کی مسافت کا تھا۔ اور پچاس ہزار فوج اس کے پاس تھی ۞

فیاضی میں ابواسحاق بادشاہ ہند کی پیروی کرتا تھا۔ کیونکہ ایک موقع پر اُس نے ایک شخص کو چوبیس ہزار دینار عطا کئے۔ مگر بادشاہ ہند کی فیاضی کی برابری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس نے ایک دن ایک شخص کو اس سے کئی گنا زیادہ رقم عطا کی تھی۔ اور خاصکر خراسان کے لوگوں کو بہت بخشش کرتا تھا۔ ایک دن شاہ ہند نے ایک درباری کو کہا کہ جاؤ میرے خزانے سے اس قدر سونا اُٹھا لیجاؤ۔ جس قدر تم اُٹھا سکتے ہو درباری نے سونے کے تیرہ جیب بھر لئے۔ اور پھر انہیں باندھ کر کندھے پر اُٹھا لیا۔ مگر بوجھ کے باعث گر گیا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ سونے کو وزن کیا جائے۔ تو دہلی کے تیرہ من ہوئے۔ یعنی مصر کے ۴۲ رطل۔ ایک اور موقع پر اُس نے اپنے ایک امیر مسمی شرف الملک امیر بخت خراسانی کو ایک ترازو میں بٹھا کر سونے سے تول

کیا۔ اور پھر اُسے کہا کہ اپنی نجات کے لئے یہ روپیہ خیرات کر دو۔ نیز اُس نے عبدالعزیز العردابیلی مؤرخ اور محدث و فقیہ کو چاندی کے ہزار دینار روز پر رکھا ❖

ایک اور موقع پر شیخ عبد العزیز بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے ایک سونے کا برتن جو سونے کے سکہ سے پُر تھا۔ شیخ کے سر پر نثار کیا۔ اور کہا کہ برتن اور روپیہ سب تیرا ہے ❖

شیراز کا سب سے مشہور امام باڑہ احمد ابن موسیٰ اخے الرضیٰ کا ہے۔ اور اس کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اس میں قطب الولی ابی عبد اللہ بن خفیف کی قبر ہے۔ جو تمام فارس میں لاثانی عمارت ہے ❖

ابو عبد اللہ وہ شخص تھا جس نے ہندوستان سے کوہستان جزیرہ سرندیپ کو راستہ دریافت کیا تھا۔ اور جو سیلون کے پہاڑوں میں عرصہ تک پھرتا رہا ❖

سیلون میں شیخ کے ہمراہ چالیس فقیر تھے۔ جو وہاں کئی دن تک بھوکے رہنے سے آخر لاچار ہو گئے۔ اور شیخ سے ایک ہاتھی کے ذبح کرنے کی اجازت مانگی مگر شیخ نے اُن کو نہایت سختی سے روکا ❖

مگر جب بھوکھ سے سخت عاجز ہو گئے۔ تو اُنہوں نے شیخ کے حکم کے خلاف کیا۔ اور ایک چھوٹے سے ہاتھی کو ذبح کر کے کھا لیا۔ مگر شیخ نے بالکل نہ چکھا۔ جب وہ سب کھا پی کر سو گئے۔ تو کئی ایک ہاتھی جمع ہو کر وہاں آئے۔ اور اُن میں سے ہر ایک کو سونگھا۔ اور پکڑ کر مار دیا۔ پھر شیخ کے پاس آئے۔ مگر اُسے کچھ ایذا نہ پہنچائی۔ بلکہ اُن میں سے ایک شیخ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر ایک گھر میں لے گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو بہت متحیر ہوئے۔ ہاتھی نے یہاں انہیں اتار دیا۔ اور خود چلا گیا ❖

وہاں کے لوگ جو کفار تھے شیخ کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور بہت اچھا سلوک کیا۔ اور اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے شیخ کے ماجرے کو سنا اُس پر اعتبار کیا۔ اور بہت مہربانی ظاہر کی ❖

جب میں سیلون میں گیا۔ تب بھی وہاں کے لوگ کافر ہی تھے۔ حالانکہ انہوں نے شیخ کے سامنے اسلام پر اعتقاد ظاہر کیا تھا۔ یہ لوگ مسلمان فقیروں کی بہت عزت کرتے

ہیں۔ اور اپنے گھروں میں انہیں بجا کر ان کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ انہیں کھانا کھلاتے ہیں۔ برخلاف ہندوستان کے کفار کے کہ نہ تو وہ مسلمان کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور نہ انہیں اپنے نزدیک آنے دیتے ہیں +

پھر میں شیراز سے کازرون کو شیخ ابواسحاق کازرونی کی قبر کی زیارت کے لئے روانہ ہوا +

اس شیخ کی عزت ہندوستان اور چین دونوں ملکوں میں بہت ہے۔ یہاں تک کہ ملاح جب جہاز یا کشتی کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو اسی شیخ کی منتیں مانتے ہیں۔ چنانچہ اس کی قبر کو میں نے خود جا کر دیکھا +

پھر میں کازروں سے شہر الزیدین کو گیا۔ اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دو اصحاب زید ابن ثابت اور زید ابن ارقم یہاں فوت ہوئے۔ اور دفن کئے گئے تھے +

پھر میں الحویزا کو گیا۔ جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اور جو بصرہ سے چار دن کی مسافت اور کوفہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے۔ یہاں سے میں کوفہ کی طرف ایک جنگل کے راستہ روانہ ہوا۔ یہ عراق کے نہایت مشہور شہروں میں سے ہے۔ مگر اب بہت بربادی کی حالت میں ہے۔ اس کی مسجد میں ایک قاری خانہ ہے جہاں حضرت علیؓ ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ مسجد کے پچھواڑے ایک جگہ ہے۔ جہاں کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام ایک تنور میں کود پڑے تھے +

باب چہارم

سفر شہر از بغداد اور حج بیت اللہ

پھر میں شہر الحلۃ کو گیا جو فرات کے کنارے کنارے دور تک آباد ہے۔ یہاں کے باشندے سب بارہ امام کے پیرو ہیں۔ یہاں ایک مسجد ہے جس کے دروازے پر ایک بڑا ریشمی پردہ لٹک رہا ہے۔ اس مسجد کو اخیر امام کی مسجد بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد ابن الحسن العسکری اس مسجد میں ایک دفعہ آکر چھپا تھا۔ ان کے عقیدے کے موافق امام مہدی حسن العسکری تھا جس کا بڑی دیر سے انتظار تھا۔ یہاں قاعدہ ہے کہ ہر روز ایک سو مسلح آدمی اس مسجد کے دروازے پر آتے ہیں۔ جن کے ساتھ زین و لگام سے سجے ہوئے گھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اور بہت سے لوگ آتے ہیں۔ جن کے ساتھ نقارے اور باجے ہوتے ہیں اور یہاں اکر کہتے ہیں ✣

"اے اس زمانے کے سردار نکل آ۔ کیونکہ ظلم و ستم اب ہو گیا ہے۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ تو ان کو سزا دے۔ اور حق باطل میں تمیز کرے" ✣

رات تک وہ انتظار کرتے ہیں۔ اور پھر واپس گھروں میں چلے جاتے ہیں۔ یہاں سے میں کربلا کو آیا۔ اور امام حسین ابن علی کے امام باڑہ کو دیکھا۔ یہ سب سے بڑا امام باڑہ ہے۔ اور یہاں کے باشندے بارہ اماموں کے پیرو ہیں ✣

پھر میں بغداد آیا۔ جو باوجود ان نقصانوں کے اور آفتوں کے جو اس پر نازل ہوئی ہیں۔ بہت بڑے شہروں میں سے ہے۔ اس کے باشندے نے یادہ تر حنبلی فرقے کے ہیں ✣

یہاں امام ابو حنیفہ کی قبر ہے۔ جہاں ایک حجرہ اور مسجد ہے اس کے نزدیک ہی امام

احمد ابن حنبل کی قبر ہے۔ شبلی۔ اور سری القسطی اور بشر الحافی ۔ اور داؤد جنید ان سب بزرگوں کے مدفن اسی شہر میں ہیں ٭
جب میں بغداد میں داخل ہوا۔ تو عراق اور خراسان کا سلطان ابوسعید بہادر خان بن محمد خدا بندہ تھا۔ جس نے تاتاری بادشاہوں میں سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا تھا۔ اور اپنے بھائی قازان کے ہمراہ حکومت کرتا تھا ابوسعید کی وفات پر کوئی اولاد نہ تھی۔ جو تخت کی وارث ہوتی۔ چنانچہ تمام امرا جس جس حصہ پر حکومت کرتے تھے۔ خود مختار بن گئے۔ جب ابوسعید بغداد سے اپنے ملک کو روانہ ہوا۔ تو دس دن تک میں نے اُس کے ہمراہ سفر کیا۔ اور اُس کے کوچ کے عجیب و غریب سامانوں اور اُس کی فوج کو دیکھا۔ پھر اس کے ایک امیر کے ہمراہ میں تبریز کو گیا۔ جو ایک بڑا شہر ہے۔ اور بہت خوبصورت ہے۔ یہاں میں ایک رات ٹھیرا۔ مگر دوسرے دن سلطان نے اُس امیر کو جس کا نام علاوالدین تھا کیمپ میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا۔ چنانچہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ سلطان کو بھی اطلاع ملی۔ کہ میں اُس کے کیمپ کے ہمراہ سفر کر رہا ہوں۔ چنانچہ مجھے بُلا بھیجا۔ میں جب حاضر ہوا۔ تو مجھے ایک خلعت اور انعام اکرام سے سرفراز کیا امیر علاءالدین نے سلطان سے میری طرف سے عرض کیا۔ کہ میرا ارادہ حج کو جانے کا ہے۔ اس پر سلطان نے حکم دیا۔ کہ سفر خرچ کے لئے جس چیز کی ضرورت ہو۔ وہ یہاں سے لیجاؤ۔ اور ایک چٹھی بغداد کے امیر کی طرف اس مضمون کی بھیجی کہ میں جب وہاں پُہنچوں۔ تو وہ میری مدد کرے اور مجھ کو سفر خرچ دے ٭
پھر میں بغداد کو واپس گیا۔ مگر چونکہ ابھی حج میں بہت دیر تھی۔ میں موصل اور دیار بکر کو روانہ ہو گیا۔ اور انہیں دیکھ کر شہر سامارا کو گیا۔ جس کے اب کھنڈر ہی باقی ہیں۔ یہاں ایک امام باڑہ تھا۔ جو الحلہ کی طرح اخیر امام کے نام شیعوں کی طرف سے منسوب تھا۔ پھر میں تکریت کو گیا۔ جو ایک بڑا شہر ہے۔ پھر کئی منزلیں طے کر کے موصل گیا۔ جو ایک قدیم اور پختہ شہر ہے اس کی شہر پناہ الحربا بڑی عالیشان ہے۔ یہاں سے میں جزیرہ ابن عمر کو گیا۔ جہاں دو دن میں پُہنچا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور اس کے گرد ایک وادی ہے۔ اسے اس لئے جزیرہ کہتے ہیں۔ مگر زیادہ تر حصہ اسکا

برباد ہو گیا ہے۔ یہاں کے لوگ خلیق ہیں۔ اور مسافروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں ✣

یہاں سے میں نصیبین کو گیا۔ جہاں دو دن میں پہنچا۔ یہ بھی ایک قدیم شہر ہے مگر قریبًا برباد ہو گیا ہے۔ پانی اور باغ بکثرت ہیں۔ اور ایک دریا اس کے گرد حلقہ کی طرح واقع ہے۔ یہاں عرق گلاب خوشبو میں بے نظیر بنتا ہے ✣

نصیبین سے میں شہر سنجار کو گیا۔ جہاں چشمے اور دریا دمشق کی طرح بہت کثرت سے ہیں۔ باشندے کرد لوگ ہیں۔ جو فیاض اور جنگجو ہیں۔ یہاں میں شیخ الصالح الولی العابد عبد اللہ اکردی کو ملا ✣

یہ علم دین سے بہت ماہر ہیں۔ میں ان کو ایک جماعت کے ہمراہ ایک بلند چوٹی پر ملا۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ چالیس دن تک روزہ رکھتے ہیں اور پھر جو کی روٹی سے کھولتے ہیں۔ ان کی کئی کرامات سنی گئیں ✣

ماردین کا سلطان ان دنوں الملک الصالح۔ الملک المنصور کا بیٹا تھا۔ یہ بادشاہ فیاض طبیعت ہے۔ اور شاعر اس کی بہت مدح کرتے ہیں۔ اور اس سے وہ خوش ہو کر بہت انعام دیتا ہے ✣

پھر میں موصل سے بغداد کو گیا۔ جہاں حج کے لئے کوچ کے سامان تیار تھے۔ قافلہ کے ہمراہ میں اسی سال مکہ معظمہ کو آیا اور سال آئندہ تک وہیں رہا۔ دوسرے سال عراق سے ایک قافلہ آیا۔ جن کے ساتھ بہت سامال تھا۔ اس غرض سے تھا۔ کہ جو لوگ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں ٹھیرے ہوں اُن کی امداد کی جائے ✣

اس سال یعنی ۷۲۹ھ ہجری میں شاہ عراق ابو سعید کے لئے دعا کی گئی اور بعد ازاں الملک الناصر کے لئے۔ تیسرے سال بھی میں مکہ معظمہ میں رہا اور پھر مکہ معظمہ سے یمن کی طرف روانہ ہوا ✣

چنانچہ میں جدہ پہنچا۔ اور یہاں سے سوداگروں کے ایک قافلہ کے ہمراہ جو یمن کو جاتے تھے میں بھی روانہ ہو گیا ✣

چونکہ ہوا ہمارے مخالف تھی۔ ہم نے جزیرہ سواکن میں لنگر ڈال دیا۔ یہاں کا حاکم

زید ابن تمی مکہ معظمہ کے ایک امیر کا لڑکا تھا +

سواکن سے میں سوداگروں کے ہمراہ یمن کو آیا۔ اور حلی میں جو ایک بڑا خوبصورت شہر ہے ٹھیرا۔ یہاں کے باشندے عرب کے اصلی باشندے ہیں۔ جن پر سلطان عامر بن ذویب جو بنی کنانہ سے ہے حکومت کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت خوبصورت۔ فیاض اور اپنے وقت کے بے مثل شاعروں میں سے ہے۔ اس نے مجھے چند دن تک اپنے ساتھ رکھا۔ اور بڑی سرگرمی سے مہمانداری کی +

یہاں سے میں سوداگروں کے ہمراہ شہر سرجۃ کو آیا۔ جو ایک چھوٹی بستی ہے۔ اور یمن کے سوداگر جو فیاض اور مہمان نواز ہیں یہاں رہتے ہیں +

یہاں سے میں شہر زبید کو گیا۔ جہاں تین دن میں پہنچا۔ یہ یمن کا ایک عالیشان اور بڑا شہر ہے۔ اور یہاں ہر ایک قسم کا تجارتی اسباب بکثرت موجود ہے۔ باشندے فیاض علیم اور پابند مذہب ہیں +

اس کے گرد نواح میں ایک گاؤں ہے۔ جہاں الولی الصالح احمد بن الجبیل الیمنی کی قبر ہے۔ زبید کے طبیبوں نے مجھے ان کی ایک کرامت سنائی جو یہ ہے کہ :-

زیدیہ فرقہ کے طبیب اور رئیس شیخ کے پاس اُن کے گوشہ عبادت میں آئے شیخ حجرے سے باہر بیٹھے تھے۔ لوگ بھی سلام کر کے جا بیٹھے۔ شیخ نے سب کو سلام کا جواب دیا۔ اور اُن کے ساتھ متوجہ ہوئے۔ آخر باتوں میں تقدیر کا مسئلہ چھڑ گیا۔ زیدیہ لوگ یہ کہتے تھے کہ تقدیر کچھ نہیں ہے۔ اور ہر ایک شخص اپنے افعال پر خود قادر ہے +

شیخ نے کہا کہ اگر یہی ہے۔ تو جس جگہ بیٹھے ہو۔ یہاں سے اُٹھ بیٹھو۔ سب نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر کوئی نہ اُٹھ سکا۔ شیخ نے ان لوگوں کو اس حالت میں چھوڑ دیا۔ اور خود حجرے میں چلے گئے۔ لوگ اسی حالت میں دیر تک دھوپ کی گرمی میں بیٹھے جلتے رہے اور آہ و زاری کرتے رہے۔ آخر دوپہر کے بعد چند لوگ جو شیخ کے مریدوں سے تھے اندر گئے۔ اور شیخ سے اِن لوگوں کا یہ حال بیان کیا۔ اور یہ بھی بتایا۔ کہ وہ لوگ اپنے عقیدے سے تائب ہیں۔ تب خود شیخ باہر آئے۔ اور ان لوگوں کو ہاتھ سے پکڑ کر اُٹھایا

اور اس خیال سے انہیں تنبیہ کی۔ پھر وہ اُٹھ کر شیخ کے حجرے میں آئے۔ جہاں شیخ نے بہت مہمان داری کر کے انہیں رخصت کیا۔ میں اُس گاؤں میں شیخ کی قبر دیکھنے کو گیا۔ جہاں ان کے لڑکے سے ملا۔ جس نے بڑی خاطرداری سے میری مہمانی کی ✤

یہاں سے جبلہ کو گیا۔ اور پھر تعنوہؔ پہنچا۔ جو شاہ یمن کی جائے رہائش ہے۔ یہ یمن میں ایک نہایت عمدہ اور بڑا شہر ہے۔ یہاں کا سلطان الملك المجاهد نورالدین علی المدید۔ داؤد کا بیٹا ہے ✤

اس سلطان کا دادا رسول کہلاتا تھا۔ کیونکہ خلفائے عباسیہ میں سے کسی نے اُسے امیر یمن کے پاس بطور ایلچی کے بھیجا تھا۔ قاضی شہر نے بادشاہ سے میری ملاقات کرائی۔ بادشاہ کا درباری سلام یہ ہے کہ جو شخص آگے آئے اول اپنی اگلی اُنگلی زمین پہ رکھے اور پھر سر پر رکھ کر یہ کہے :۔

"خدا آپ کی طاقت کو ہمیشہ قائم رکھے" ✤

بادشاہ بڑی مہربانی سے ملا۔ اور پھر مجھے ایک ضیافت میں مدعو کیا ✤

پھر میں یمن کے دارالخلافہ صنعا میں گیا۔ یہ نہایت وسیع اور خوش وضع شہر ہے۔ مگر باوجود اس کے نہ زمین زرخیز ہے اور نہ غلہ کی افراط ہے۔ نہ درخت نہ چشمے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں مینہ کا پانی جمع رکھا جاتا ہے۔ یہاں چند امیر سوداگر بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے یہاں برتن بن کر آتے ہیں۔ شہر کے لوگ باحیا۔ اور پابند مذہب ہیں ✤

پھر میں سمندر کے راستہ عدان سے ہو کر زیلع کو گیا۔ یہ بربر سوڈان کے لوگوں کا ایک شہر ہے۔ لوگ شافعی مذہب کے ہیں۔ مُلک دو مہینے کی مسافت کا صحرا ہے۔ پہلے حصے کو زیلع اور دوسرے کو مقدشو کہتے ہیں ✤

مگر زیلع کے زیادہ تر لوگ شیعہ ہیں۔ ان کی خوراک زیادہ تر اونٹ اور مچھلی کا گوشت ہے ✤

اس ملک میں بدبو نہایت سخت ہے۔ کیونکہ اونٹ بہت ذبح کئے جاتے ہیں اور لوگ مچھلی بہت استعمال کرتے ہیں ✤

بعدازاں میں سمندر کے راستہ پندرہ دن میں مقدشو کو گیا۔ جو ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں دستور ہے کہ جب کبھی کوئی جہاز اس شہر کے بندرگاہ پر آتا ہے۔ تو شہر کے بہت سے نوجوان بندرگاہ پر آموجود ہوتے ہیں۔ اور سوداگروں سے جہاز پر اُترتے ہی جا کر ملتے۔ اور اُن سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ "آپ ہماری میزبانی قبول کریں"۔ اگر کوئی زاہد۔ عالم یا امیر آتا ہے تو وہ قاضی کے ساتھ رہتا ہے جب قاضی شہر نے میری نسبت سنا۔ تو اپنے شاگردوں کو ہمراہ لے کر بندر پر آیا۔ اور مجھے اپنے ساتھ رکھا۔ پھر قاضی مجھے سلطان کے پاس لے گیا۔ جسے وہ شیخ کہتے ہیں وہاں یہ بھی دستور ہے کہ جو عالم یا امیر شہر میں آئے۔ پیشتر اس کے کہ وہ کہیں جاگزین ہو۔ شیخ کے آگے حاضر کیا جائے۔ غرض جب قاضی محل میں آیا۔ تو شیخ کا ایک ملازم ملا۔ اُن دنوں قاضی برھان الدین المصری تھا۔ جس نے سلطان کے ملازم سے کہا کہ مسافر ابن بطوطہ آگیا ہے۔ ملازم فوراً واپس گیا۔ اور سلطان کو میرے آنے کی اطلاع دی ٭

ملازم اُسی وقت میووں کا ایک ٹوکرا لے کر آیا۔ اور ہم سب کو تقسیم کر دیا۔ پھر ہمیں عرق گلاب دیا۔ جو ایک بڑی عزت و تعظیم کا نشان سمجھا جاتا ہے ٭

پھر سلطانی حکم دیا۔ کہ تمہیں طالبعلموں کے درمیان رہنا چاہئے۔ پھر قاضی میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر اپنے ساتھ طالبعلموں کے بورڈنگ میں لے گیا۔ جو محل شاہی کے نزدیک ہی واقع تھا۔ اور جہاں عمدہ فرش بچھے تھے۔ دسترخوان ضیافت چُنا ہوا تھا۔ ملازم سلطانی بھی محل سے ہمارے واسطے اور انواع و اقسام کے کھانے لائے ٭

یہاں عام غذا پلاؤ ہے۔ جو لکڑی کی تشتری میں ڈالکر رکھا جاتا ہے۔ اس کے اوپر ایک اور طشتری رکھتے ہیں۔ جس پر گوشت۔ مچھلی اور ترکاریاں چُنی ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں تلے ہوئے کیلے جن کو وہ دودھ میں اُبالتے ہیں ایک تشتری میں اور دہی دوسری میں رکھتے ہیں۔ باقی تشتریوں میں بے بہا لیموں اور مربے آچار چنتے ہیں۔ اسی طرح بعض اور میوے جو سیب کی طرح ہوتے ہیں اور سبز ادرک وغیرہ کے نمکین آچار ہوتے ہیں ٭

مقدشو کے باشندے بڑے فربہ ہوتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں۔ اُن میں ایک شخص اس قدر رکھاتا ہے۔ جتنا ایک گروہ کھا سکتا ہے +

پھر سلطان نے میرے اور میرے سب ہمراہیوں کے لئے لباس بھیجے جن کو پہن کر میں حاضر کیا گیا۔ یہاں کے بادشاہ کے دربار کا سلام وہی ہے جو یمن میں رائج ہے +

میں چند دن تک بادشاہ کا مہمان رہا۔ اور پھر ملک زنوج کو روانہ ہُوا +

اس کے بعد میں جہاز پر جزیرہ منبی کو روانہ ہُوا۔ یہ ایک بہت بڑا ٹاپو ہے اور یہاں لیموں۔ امرود وغیرہ بکثرت ہوتے ہیں۔ یہاں ایک اور میوہ ہوتا ہے۔ جسے وہ جمّو کہتے ہیں شفتالو کی طرح اس میں گٹھلی ہوتی ہے۔ مگر اس کا ذائقہ نہایت شیریں ہوتا ہے +

اس جزیرہ میں غلہ بالکل نہیں ہوتا۔ لوگ دوسرے ملکوں سے لے آتے ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً سب پابند مذہب۔ ایماندار۔ اور نیک نفس ہیں۔ اور شافعی فرقہ کے پیرو ہیں۔ یہاں ایک رات قیام کر کے میں سمندر کے راستہ شہر کلوا کو روانہ ہو گیا +

یہ شہر بہت بڑا ہے اور عمارتیں سب لکڑی کی ہیں۔ باشندے زیادہ تر زنوج ہیں۔ جو شافعی فرقہ کے ہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور صلح پسند لوگ ہیں۔ جب میں یہاں آیا تو یہاں کا بادشاہ ابوالمظفر حسن تھا۔ اس شخص نے زنوج کافروں پر بڑی بڑی فتوحات حاصل کی تھیں۔ یہ شخص بہت خیرات کرتا تھا۔ یہاں کے لوگوں کو قدرت نے سب سے قیمتی چیز ہاتھی دانت عطا کی ہے +

پھر میں براہ سمندر شہر ظفار کو گیا۔ یہ یمن کا سب سے آخری شہر ہے۔ اور بحیرہ ہند پر واقع ہے۔ یہاں سے سوداگر ہندوستان کو گھوڑے لیجاتے ہیں۔ اور جب ہوا موافق ہوتی ہے۔ تو ایک مہینہ میں ہندوستان پہنچتے ہیں +

ظفار اور عدن کے درمیان خشکی کے راستے ایک مہینہ کا راستہ ہے اور اس کے اور حضرموت کے درمیان سولہ دن کا راستہ ہے۔ اور اس کے اور عمان کے درمیان بیس دن کا راستہ ہے +

شہر ظفار ایک بہت بڑے میدان میں بالکل علیحدہ واقع ہے۔ قرب وجوار میں نہ کوئی بستی ہے اور نہ شہر۔ مگر یہ جگہ بہت میلی اور غلیظ ہے۔ کیونکہ مچھلی اور کھجور یہاں کثرت سے ہوتی ہے۔ اس لئے مکھیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہاں لوگ اپنے مویشیوں اور بھیڑوں کو بھی مچھلی کے گوشت سے پالتے ہیں۔ میں نے یہ بات اور کسی جگہ نہیں دیکھی۔ +

یہاں کے سکے عموماً تانبے اور ٹین کے ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ دن میں کئی دفع نہاتے ہیں۔ کیونکہ گرمی بشدت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو دل وجگر کی بیماریاں بہت ہوتی ہیں۔ ایک عجیب بات یہاں کی یہ ہے کہ یہ لوگ خود کبھی کسی کو آزار نہیں دیتے۔ مگر جو پہلے انہیں تنگ کرے اسے یہ بھی تنگ کرتے ہیں۔ بہت سے بادشاہوں نے اس شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ یہاں سے نصف دن کے راستہ پر شہر الاحقاف ہے۔ جہاں عاد کے لوگ رہتے ہیں۔ اس شہر میں بہت سے باغ ہیں جن میں الموز کے بڑے بڑے شیریں میوے بہت بہار دیتے ہیں۔ اس میوے کا بیج پچیس تولے وزن میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں پان۔ اور ناریل کے درخت بھی ہوتے ہیں۔ جو سوائے ہندوستان کے اور کہیں نظر نہیں آتے۔ +

مگر ان دونوں میں کچھ فرق ضرور ہے۔ پان کے درخت کی کیفیت تو یہ ہے۔ کہ اس کے درخت انگور کے درخت کی طرح بیلدار ہوتے ہیں۔ اس کا درخت ناریل کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور اکثر ناریل کا درخت اس کی ٹہنیوں کو سہارا دیتا ہے۔ پان کے درخت میں کوئی پھل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ صرف پتوں کے لئے بویا جاتا ہے۔ اس کا پتہ کرنج کے پتہ کی مانند ہوتا ہے۔ اور جس قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ یہ پتے ہر روز درخت سے کاٹے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ اس کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور اس کا اچھا مصرف کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی انہیں ملنے جائے۔ تو پان بطور تحفہ کے نذر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص جس سے ملنے جائیں امیر ہو۔ تو اس تحفہ کو بیش قیمت خیال کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اس تحفہ کی سونے اور چاندی سے زیادہ قدر کرتے ہیں۔ مگر اس کا استعمال اس طرح کرتے ہیں۔ کہ اس میں ایک سپاری کے

ٹکڑے کرکے ڈالتے ہیں۔ اور پھر پان پر چونہ اور کتھ لگا کر منہ میں رکھ کر چباتے ہیں فائدہ اس کا یہ ہے۔ کہ منہ میں عمدہ خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ ہاضمہ میں مدد ملتی ہے۔ اور انسان چست و چالاک ہوتا ہے ✣

ناریل بھی ہندوستان میں بہت ہوتے ہیں۔ اس کا درخت کمیاب اور بیش قیمت ہوتا ہے ✣

ناریل انسان کے سر کی صورت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی دو آنکھیں اور ایک منہ کے نقش بھی بنے ہوتے ہیں۔ اور اندر سے جب سبز ہوتا ہے تو انسان کے دماغ کی طرح ہے۔ اس کے اوپر ایک ریشہ بھی ہوتا ہے۔ جسے بالوں کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ اس ریشہ کے رسے بنا کر جہازوں پر استعمال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں چارپائیاں بننے اور اور کاموں میں بھی اس کا ریشہ استعمال ہوتا ہے ✣

ناریل کی صفتیں یہ ہیں۔ کہ یہ غذائیت رکھتا ہے۔ اور بدن کو فربہ کرتا ہے۔ چہرہ کو سرخ اور قوت باہ کو ترقی دیتا ہے۔ دود۔ شہد۔ اور روغن زیتون بھی اس سے بنتا ہے ✣

اس کا شہد اس طرح بناتے ہیں۔ کہ پھلدار نرم ٹہنیوں کو کاٹ ڈالتے ہیں صرف دو دو انگلی باقی رہنے دیتے ہیں۔ پھر اس سے ایک چھوٹا یا بڑا برتن لٹکا دیتے ہیں اس طرح درخت سے قطرے نکل کر اس برتن میں پڑتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح یہ رس رات اور دن میں جمع ہوتا رہتا ہے ✣

پھر وہ اسے آگ کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ جس طرح انگوروں کو سکھایا جاتا ہے چنانچہ یہ رس سخت ہو جاتا ہے۔ اور نہایت شیریں شہد بنجاتا ہے۔ جس کی مٹھائیاں بنتی ہیں ✣

دود۔ اس طرح بناتے ہیں۔ کہ ناریل کو لیکر اس کا ایک کونہ کھول ڈالتے ہیں۔ پھر چاقو سے اس کو چیر کر ایک طشتری میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر اس میں پانی ملاتے ہیں۔ تو دودھ سی رنگت اور ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دود کی طرح پیتے ہیں ✣

اس کا تیل اس طرح بنتا ہے کہ جب ناریل پک کر درخت سے نیچے گر جاتا ہے تو اس کا چھلکا اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ پھر اسے دھوپ میں رکھتے ہیں جب

سوکھ جاتا ہے تو ایک دیگچے میں ڈال کر تیل نکال لیتے ہیں۔ جسے صبح اور دوسرے وقت کے کھانوں کے ساتھ کھاتے ہیں +

صفار کا سلطان الملک المعیث شاہ یمن کا چچازاد بھائی ہے +

صفار کو چھوڑ کر میں سمندر کے راستہ عمان کی طرف چلا۔ اور دوسرے دن بندرگاہ **ھاسک** پر پہنچا۔ جہاں بہت سے عرب ماہی گیر رہتے ہیں۔ یہاں ایک الکندر درخت ہوتا ہے۔ جس کے پتے پتلے ہوتے ہیں۔ جن کے توڑنے سے دودھ سا بہتا ہے۔ جو بعدازاں گوند کی صورت اختیار کر کے لوبان کہلاتا ہے +

یہاں مچھلی کی ہڈیوں سے مکان بنائے جاتے ہیں۔ اور بھیڑ اور حیوانوں کے چمڑوں سے اس پر سائبان ڈالتے ہیں +

یہاں سے چل کر ہم چار روز میں **جبل العمان** پر پہنچے۔ جو سمندر کے وسط میں واقع ہے۔ جس کی چوٹی پر پتھر کی ایک مضبوط عمارت کھڑی ہے۔ اس کے باہر ایک چشمہ بنا ہے۔ جس میں مینہ کا پانی جمع ہوتا ہے +

دو دن کے بعد میں جزیرہ طیر میں آیا۔ جہاں ایک بھی گھر نہیں ہے۔ ہاں چڑیوں جیسے پرندے بکثرت آباد ہیں +

اس کے بعد میں ایک بڑے جزیرے میں آیا جس کے باشندے صرف مچھلی پر گذارہ کرتے ہیں +

پھر میں شہر قلہات میں آیا جو کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہاں صرف عرب آباد ہیں۔ جن کی زبان بالکل گنواری ہے۔ اور زیادہ تر خوارج سے ہیں مگر اس بات کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ شاہ حرمز (ایک سنی بادشاہ) کی رعیت ہیں +

پھر میں ملک عمان کی طرف چلا جہاں چھ دن جنگل ہی میں سفر کر کے ساتویں دن پہنچا۔ اس جگہ درخت باغ۔ دریا اور میوے بکثرت ہیں۔ میں اس ملک کے ایک مشہور شہر نزوا میں آیا۔ جو ایک پہاڑی پر آباد ہے۔ اس میں پانی اور باغات بکثرت ہیں یہاں کے باشندے اباضیہ فرقہ کے خارجی ہیں۔ یہ لوگ ابن ملجم شقی

کے پیرو ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا اولیا ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا ✣

یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اچھا نہیں سمجھتے ✣

ان لوگوں کی عورتیں نہایت رذیل اور بدچلن ہیں۔ جن کا مرد کوئی تدارک نہیں کرتے ✣

عمان کا بادشاہ ابو محمد بن نبہان الازد قرنہ کا ایک عرب ہے۔ مگر عام طور پر یہ لوگ اپنے حاکم کو ابو محمد کہتے ہیں۔ جس طرح اور ملکوں کے سلطان اتابک۔ نغفور وغیرہ کہلاتے ہیں۔ یہاں کے باشندے گھر کے پلے ہوئے گدھے کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور عام طور پر بازاروں میں بیچتے اور اُسے حلال سمجھتے ہیں ✣

یہاں سے میں هرمز کو گیا۔ جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔ جس کے مقابل پر سمندر میں هرمز جدیدہ ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرے کے شہر کو حرون کہتے ہیں ✣

یہ ایک وسیع اور خوبصورت جگہ ہے۔ بادشاہ یہیں رہتا ہے۔ جزیرہ کی وسعت ایک دن کی مسافت ہے۔ مگر اس کا زیادہ تر حصہ زمین شور ہے۔ اور نمک کی پہاڑیاں ہیں۔ باشندے مچھلی اور کھجوروں پر گذارہ کرتے ہیں۔ کھجوریں بصرہ اور عمان سے آتی ہیں۔ پانی بہت کم ملتا ہے۔ ایک عجیب بات جو میں نے یہاں دیکھی ایک مچھلی کا سر ہے۔ جو ایک پہاڑ کے برابر تھا۔ اس کی آنکھیں دو دروازوں کی طرح تھیں۔ لوگ ایک سے گذر کر دوسرے سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس وقت یہاں کا سلطان قطب الدین الشمس طوران شاہ کا بیٹا ہے۔ جو بڑا فیاض اور بہادر بادشاہ ہے۔ اس کی سلطنت میں سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں ✣

حرون سے میں جنجبال کو بعض خدا پرست لوگوں سے ملنے آیا۔ چنانچہ میں نے سمندر کے راستہ گذر کر چند ترکمانوں کو مزدوری پر مقرر کیا۔ جن کی مدد کے بغیر یہاں سفر نہیں ہو سکتا۔ ایک تو یہ کہ وہ بہادر اور دلیر ہوتے ہیں۔ دوم راستوں

سے واقف ہیں۔ راستے میں ایک نہایت بے آب صحرا آیا۔ جو چار دن کی مسافت ہے اور یہاں بدوی عرب قافلوں میں سفر کرتے ہیں۔ یہاں جون اور جولائی کے مہینوں میں سموم ہوا چلتی ہے۔ اور جو اس کے رستہ میں آئے ہلاک کرکے اُس کے اعضا و بدن کو کاٹ دیتی ہے +

اس سے گذر کر میں ملک کوہرستان میں آیا۔ جو ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ یہاں سے چلکر تین دن کی مسافت کا ایک اور صحرا اسی طرح کا طے کرنا پڑا غرض اسے طے کرکے میں لار میں آیا۔ جو ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے۔ یہاں پانی اور باغات بکثرت ہیں۔ اب میں شیخ ابودولاف کے حجرے کو آیا۔ جن کی زیارت کی نیت میں نے کی تھی۔ اس حجرے میں ان کا لڑکا عبدالرحمٰن چند فقیروں کے ساتھ موجود تھا۔ اسی شہر میں ایک سلطان الموسوم بہ جلال الدین ترکمانی رہتا ہے +

پھر میں خنج بال کو آیا۔ یہاں شیخ ابودولاف رہتے تھے۔ میں اُن کے ہاں گیا۔ اور انہیں ایک کونے میں تنہا بیٹھا پایا۔ شیخ نے بدن پر ایک پُرانا روئی دار چوغہ پہنا تھا۔ میں نے سلام کیا شیخ نے جواب دیا پھر مجھ سے میرے سفر اور وطن کی نسبت استفسار کیا +

پھر انہوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور اُن کا لڑکا۔ جو ایک زاہد خوش خلق پرہیزگار آدمی ہے۔ میرے لئے کھانا اور میوے لایا۔ شیخ ایک عجیب آدمی ہیں اُن کا حجرا بہت بڑا ہے۔ اور جو لوگ ان کے پاس ملنے آتے ہیں۔ اُنہیں بہیں سے لباس اور خوراک ملتی ہے۔ ان اطراف میں مَیں نے ایسا کوئی آدمی نہیں پایا پھر تعجب یہ ہے کہ آمدنی کا کوئی ذریعہ معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ برادری کے لوگ انہیں کچھ دیتے ہوں۔ اکثر لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کی کرامت ہے اور انہیں امداد غیبی ہوتی ہے۔ اس طرف کے لوگ شیعہ فرقے کے ہیں +

پھر میں شیخ کو الوداع کہکر شہر قیس میں آیا جسے سیراف بھی کہتے ہیں۔ یہ بحر ہند کے کنارے پر واقع ہے۔ اور بحیرہ یمن کے نزدیک ہے +

الفارس ایک بہت بڑا ضلع ہے۔ یہاں کے باغ خوشبودار جڑوں کی کثرت

کے لئے مشہور ہیں۔ باشندے ایرانی ہیں۔ مگر جو موتیوں کے لئے غوطہ لگانے ہیں وہ عرب ہیں۔ وہ جگہ جہاں غوطے لگائے جاتے ہیں سیراف اور بحرین کے درمیان ایک ساکن سی جگہ ہے۔ اور کوئی بڑی وادی نہیں ہے۔ یہاں بہت سی کشتیاں آتی ہیں۔ جن میں بحرین اور فارس کے سوداگر اور غوطہ گر آتے ہیں +

غوطہ لگانے کے وقت یہ لوگ کچھوے کی پیٹھ کی ہڈی کا خول بنا ہوا منہ پر چڑھا لیتے ہیں۔ جس میں سے ناک کاٹا ہوا ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی کمر کے گرد ایک رسا باندھ کر غوطہ لگاتے ہیں۔ ان کی میعاد دم مختلف ہوتی ہے۔ بعض پانی کے درمیا گھنٹہ بھر رہتے ہیں۔ بعض دو گھنٹہ اور بعض کم +

غوطہ زن سمندر کی تہ میں جا پہنچتا ہے۔ تو وہاں سیپ درختوں کے ساتھ ریگ کے درمیان چھٹے ہوتے ہیں۔ اُن کو یا تو وہ ہاتھ سے اتار لیتا ہے۔ اور یا چاقو سے الگ کرکے ایک تھیلے میں ڈال لیتا ہے جو اُس کے گلے سے لٹکتا ہے جب اُسے پانی میں رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ تو وہ رسی کو ہلاتا ہے۔ چنانچہ اوپر کے آدمی اُسے کھینچ کر کشتی میں بٹھا لیتے ہیں +

پھر اُس سے تھیلا لیکر اُس میں سے سیپ نکالے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک میں گوشت کا ایک ٹکڑا سا ملتا ہے۔ وہ چاقو سے کاٹ ڈالتے ہیں۔ اور وہی سوکھ کر موتی بنجاتا ہے۔ بعدازاں تمام چھوٹے بڑے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ پانچواں حصہ بادشاہ کو بھیجا جاتا ہے۔ اور باقی اُن سوداگروں کے ہاتھ فروخت کئے جاتے ہیں جو وہاں موجود ہوتے ہیں +

غوطہ زن عموماً سوداگروں کے قرضدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ اُس کے عوض میں وہ موتی ادا کر دئے جاتے ہیں +

پھر میں سیراف سے شہر بحرین کو گیا۔ جو ایک عمدہ جگہ ہے۔ اور باغوں اور پانی کی کثرت ہے۔ مگر یہ شہر نہایت ہی گرم ہے۔ اور ریگ اس قدر ہے کہ بعض اوقات گھر ریگ سے بالکل ڈھپ جاتے ہیں +

شہر کی مشرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ کسیر و عُویر +

پھر میں شہر قطیف کی طرف روانہ ہوا۔ جو ایک عمدہ اور بڑا شہر ہے۔ یہاں

عرب کے شیعہ رہتے ہیں۔ جو نہایت جوشیلے سرگرم مذہبی لوگ ہیں۔ اور اپنے خیالات کی تشہیر سے بالکل نہیں ڈرتے +

یہاں سے میں شہر ھجر کو گیا۔ جسے اب اطیسا کہتے ہیں۔ یہاں کھجوریں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ اور جانوروں کے چارہ کی جگہ استعمال کیجاتی ہیں۔ یہاں کے باشندے عبد القیس کے فرقہ کے عرب ہیں

یہاں سے میں یمامہ میں گیا۔ جو ایک خوبصورت اور زرخیز شہر ہے۔ باغات اور پانی کثرت سے موجود ہے۔ باشندے بن حنیفہ کے پیرو ہیں۔ یہ لوگ قدیم سے اس شہر پر قابض ہیں +

یہاں سے میں حج کو روانہ ہوا۔ اور مکہ معظمہ میں پہنچا۔ یہ ۷۳۲ھ ہجری المقدس تھا۔ مصر کے سلطان الملک الناصر نے بھی اس سال حج کیا +

حج کر کے میں جدہ گیا۔ کہ یمن کے راستہ ہندوستان کو جاؤں۔ میں اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور سمندر کے راستہ عیذاب کو گیا۔ مگر جہاز طوفان کی وجہ سے راس دوائر کو بہ گیا۔ یہاں سے پھر خشکی پر سفر کرنا شروع کیا۔ اور بجاہ کے نزدیک ایک بیابان کو طے کیا جس میں شترمرغ اور غزال کثرت سے تھے۔ چنانچہ ۹ دن کے سفر کے بعد پھر عیذاب آیا +

یہاں سے ایک ایک شہر گذارتا قاھرہ گیا۔ (شمالی مصر میں) جہاں چند دن رہا +

یہاں سے میں شام کو روانہ ہوا۔ اور پھر یروشلم۔ الرملا۔ ٹریپلی۔ عکہ۔ جبلا اور لوڈیکا سے ہو کر سمندر کے راستہ ملک روم کو گیا۔ اسے روم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پہلے رومن والوں کے قبضہ میں تھا۔ اب بھی یہاں رومن لوگ مسلمان کی حکومت میں بکثرت ہیں۔ یہاں ترکمان بھی بہت سے ہیں +

یہاں سے میں العلایا کو گیا جو لب سمندر ایک شہر ہے۔ اور جہاں ترکمان لوگ آباد ہیں۔ موجودہ سلطان یوسف بیگ۔ کامران کا بیٹا ہے میری سلطان سے ملاقات ہوئی بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور مجھے سفر خرچ دیا +

یہاں سے میں ضلع انطالیہ کو آیا۔ جس میں کئی خوبصورت شہر آباد ہیں ترکمانوں کے سب شہروں میں نوجوانوں کی جماعتیں ہیں۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو اخی یا برادر کہتے ہیں ؛

ان لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قوم زیادہ مہمان نواز نہیں ہے۔ جوں ہی مسافر نظر آیا اس کے کھانے اور آسائش کا انتظام فوراً کر دیتے ہیں۔ وہ شخص جسے وہ الاخی کہتے ہیں شہر کے غیر نوجوانوں کا صدر رہتا ہے۔ ان میں مفلس اور متمول دونو شامل ہیں ؛

یہ لوگ چندہ جمع کر کے منتخب کے پاس جمع کرتے ہیں۔ جس کا وہ ایک مکان بنواتا ہے جس میں ایک گھوڑا اور زین وغیرہ رکھتا ہے۔ یہ شخص ہر روز اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہے۔ اور ان کی ہر ایک ضرورت میں انہیں مدد دیتا ہے۔ شام کو وہ سب اس کے پاس آتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اسے دیتے ہیں جس کی غذا اور میوے خریدے جاتے ہیں۔ جو اس مکان میں خرچ ہوتے ہیں۔ اگر ملک میں کوئی مسافر آ نکلے۔ تو وہ اسے اپنے پاس لے آتے ہیں۔ اور اسے غذا اور تمام ضروریات مہیا کر دیتے ہیں۔ اور جب تک وہ ملک کو چھوڑ نہ جائے نہیں جانے دیتے۔ اگر کوئی مسافر نہ آئے تو وہ خود جمع ہو کر بڑی خوشی سے کھاتے اور گاتے ہیں۔ صبح کو وہ اپنے اپنے کاموں کو چلے جاتے اور شام کو منتخب مجلس کے پاس جمع ہوتے ہیں ؛

ان میں سے ہر ایک کو "نوجوان" کے لفظ سے پکارتے ہیں۔ اور صدر مجلس کو الاخی کہتے ہیں ؛

میں اس شہر کے شیخ شہاب الدین اطماوی کے کالج کو دیکھنے گیا دوسرے دن نوجوانوں کی مجلس کا ایک ممبر میرے پاس آیا۔ شیخ نے اس سے ترکی زبان میں گفتگو کی۔ پھر شیخ نے مجھ سے یہ کہا کہ یہ شخص مجھ کو اور آپ کو ضیافت کیلئے بلانے آیا ہے۔ میں نہایت حیران ہوا۔ اور شیخ کو کہا کہ یہ شخص تو مفلس نظر آتا ہے یہ ہماری ضیافت کیونکر کر سکیگا۔ آپکے طلباء بہت ہیں شیخ میرے جواب پر حیران ہوا۔ اور کہا کہ یہ شخص نوجوانوں کی برادری سے ہے۔ جو دہ سو ریشم کے سوداگروں کی

ایک مجلس ہے +

میں نے دعوت کو قبول کیا۔ اور اُس مکان میں گیا جو مجلس کا ہے۔ جہاں مہمانوں کی طرف سے انتہا درجہ کا خلق۔ محبت اور مہربانی کا سلوک پایا۔ خدا اُن پر رحم کرے انطالیہ کا سلطان خضر بیگ ابن یونس الترکمانی تھا۔ میری اُس سے ملاقات کرائی گئی۔ اس وقت وہ بیمار تھا۔ مگر نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اور مجھے سفر خرچ عنایت کیا +

پھر میں شہر بُردُور کو گیا جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اور جس کے گرد درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ پہلے میں الخطیب کے مکان پر گیا۔ اور وہاں نوجوانوں کی برادری کو دیکھا۔ جنہوں نے میری ضیافت کی۔ خطیب نے اُس مکان پر جانے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے شہر کے باہر ایک باغ میں ہماری ضیافت کی۔ میں اُن کے اخلاق۔ اور پوری پوری عزت و تعظیم کی خواہش دیکھکر حیران ہو گیا حالانکہ میں اُن کی زبان سے نا آشنا تھا +

یہاں سے میں قصبہ سبرتا کو گیا جس میں نہایت عمدہ عمارتیں ہیں۔ اور بازار اچھے ہیں +

میں یہاں سے اکریدور کو جو ایک سرسبز شہر ہے گیا۔ اس کے نزدیک ایک شیرین پانی کی جھیل ہے۔ جس پر جہاز دو دن میں شہر اق شہر کو اور اور شہروں کو جاتا ہے +

یہاں میں فاضل اجل مصلح الدین جو واعظ ہیں۔ اُن کے ہاں ٹھیرا۔ جو بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ یہاں کا سلطان ابو اسحاق بیگ ہے۔ اور ان اطراف میں ایک ذی جاہ بادشاہ ہے۔ ماہ رمضان میں اُس نے ہمیں اپنے ضلع میں حمایت دی۔ میری اُس سے ملاقات کرائی گئی۔ ملاقات کے بعد اُس نے مجھے ایک گھوڑا اور نقدی بھیجی +

پھر میں شہر احصار کو گیا جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور جس کے گرد سب طرف پانی ہی پانی ہے۔ یہاں کا سلطان محمد چلبی ہے جو ابو اسحاق شاہ اکریدور کا بادشاہ ہے۔ میری اُس سے ملاقات ہوئی چنانچہ نہایت مہربانی سے پیش آیا اور

کچھ زاد راہ دیا +
یہاں سے میں شہر لاذق کو گیا۔ جو ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے۔ اور پانی اور باغات بکثرت ہیں۔ جونہی کہ ہم اس شہر میں داخل ہوئے۔ بازار میں کئی شخصوں نے آ کر ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں۔ بعض اور آئے جو اُن سے جھگڑنے لگے۔ ہم بہت خوف زدہ ہوئے۔ مگر ایک شخص نے جو اُن میں عربی جانتا تھا۔ ہمیں کہا کہ یہ آپس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کہ کون آپ کی مہمان نوازی کرے۔ اور ہر ایک کرنا چاہتا ہے اس سے میری تسلی ہوئی۔ پھر انہوں نے قرعہ پھینکے۔ چنانچہ جس کی باری آئی وہ ہمیں لے گیا۔ دوسرے دن دوسرا اور دونو لوگوں نے ہماری بہت تعظیم کی ینج بیگ سلطان نے جو ایک بڑا حاکم ہے۔ جب ہماری نسبت سُنا تو ہمیں بلا بھیجا اور بڑی مہربانی ظاہر کی +
یہاں سے حصن طواس اور شہر میلاس کو گیا۔ شہر وسیع اور خوبصورت ہے۔ اس کا سلطان اورخان بیگ ابن منطاشا ہے۔ جب میری اُس سے ملاقات کرائی گئی۔ تو اُس نے میری بہت عزت کی +
یہاں سے میں شہر قونیہ کو گیا۔ جو ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے۔ پانی اور باغات بکثرت ہیں۔ یہ ضلع سلطان بدرالدین ابن کارمان کا ہے۔ اس پر بعض اوقات شاہ عراق بھی قابض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کے بعض مقبوضہ شہر اس کے نزدیک ہیں +
میں قاضی کے مکان پر اُترا جسے ابن قلم شاہ کہتے ہیں۔ نوجوانوں کی انجمن کا وہ بھی ایک ممبر ہے +
قاضی کا مکان بہت خوبصورت ہے۔ اور اُس کے مرید بھی بہت سے ہیں۔ جو اپنے قانونی فیصلوں کو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے برابر بتاتے ہیں۔ لباس ان کا صوفیوں سا ہے یعنی ایک خرقہ اور بند پاجامے +
یہاں شیخ جلال الدین کی جن کا لقب مولانا روم ہے قبر ہے۔ یہاں مولانا کی بہت تعظیم ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے وہ صرف ایک حکیم تھے۔ جو درس دیا کرتے تھے۔ اور بہت لوگ ان سے پڑھا کرتے تھے۔ مگر ایک دن ایک شخص اُن کے لیکچر کے

کمرہ میں مٹھائی کی ایک ٹوکری لیکر آیا۔ اور اس میں سے ایک حصہ اُٹھا کر شیخ کو دیا جسے شیخ نے کھا لیا۔ وہ شخص پھر چلا گیا۔ اور کسی نے مٹھائی نہ چکھی۔ شیخ غصہ ہو کر اُس کے پیچھے باہر نکل گئے۔ شاگرد کچھ انتظار کر کے باہر نکل آئے۔ تاکہ اُستاد کو دیکھیں۔ مگر شیخ وہاں موجود نہ تھا۔ چند سال کے بعد شیخ واپس آیا۔ مگر حواس باختہ تھے۔ اور سوائے فارسی شعروں کے شیخ کچھ نہ بولتا تھا شیخ کے شاگردوں نے ان شعروں کو کاغذ پر لکھ لیا۔ اور مثنوی کے نام سے مشتہر کر دئیے۔ جس کی یہاں بہت عزت ہوتی ہے +

یہاں سے میں شہر لارندہ کو جہاں کا حاکم ملک بدرالدین ابن کارمان تھا۔ میں نے ملاقات کی۔ بدرالدین نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اور میری مہمانداری کی +

پھر میں اقصرا گیا۔ جو عراق کے بادشاہ کے پاس ہے۔ اور روم میں سب سے عمدہ شہر ہے +

پھر میں نکدہ۔ قیساریہ اور سیواس سے ہو کر اماصیہ گیا۔ یہ سب شہر بادشاہ عراق کے ہیں +

پھر میں نے سوفسی۔ کمشی۔ ارض روم کو دیکھا۔ ارض روم میں مجھے تومان نام ایک نوجوان کی انجمن کا اخی ملا۔ جس کی عمر ایک سو تیس سے متجاوز تھی۔ مگر ابھی تک اُس کے قوے قائم تھے۔ اور بے تکلیف چل پھر سکتا تھا۔ اُس سے دعا لیکر میں بیرکی کو گیا +

یہاں کا بادشاہ محمد ابن ایدین تھا۔ میں یہاں کے واعظ محی الدین کے پاس ٹھیرا۔ جو اپنے زمانے کا فاضل اجل ہے۔ جس نے میری بادشاہ سے ملاقات کرائی +

بادشاہ نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ "تم نے وہ پتھر دیکھا ہے جو بہشت سے اُترا ہے"۔ میں نے جواب دیا "نہیں" +

بادشاہ: "ہمارے شہر کے نزدیک ایک پتھر گرا ہے"۔

پھر اُس نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پتھر لے آؤ۔ یہ ایک سیاہ ٹھوس۔

اور نہایت چمکیلی اور سخت چیز تھی۔ وزن بہت تھا ڈیڑھ من تھی۔ پھر اُس نے چند سنگ تراشوں کو بلایا۔ چار آئے جنہیں حکم ملا کہ اسے کوٹیں۔ چاروں نے لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے کوٹنا شروع کیا۔ مگر اُس پر کچھ اثر نہ ہوا ✤

میں یہ دیکھکر بہت حیران ہوا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے لیجائیں جبتک میں یہاں رہا برابر مجھے کھانا اور میوے آتے رہے۔ اور جب میں نے الوداع کہی۔ تو بادشاہ نے ایک ہزار درہم۔ اور تیس سو نے کے مثقال بھیج دیئے۔ علاوہ ازیں لباس دو گھوڑے اور ایک غلام بھیجا۔ اس نے میرے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ اور انکو بھی کچھ درہم اور کپڑے دیئے ✤

یہاں سے میں بیزہ کو گیا۔ جو اسی بادشاہ کا ہے۔ اور جہاں باغات اور پانی کثرت سے ہیں ✤

یہاں سے میں ایاسلوق کو گیا۔ جہاں کا سلطان محمد ابن ایدین تھا ✤

پھر میں شہر یزمیر کو گیا جو سلطان برکی کے زیر فرمان ہے۔ عمر بیگ سلطان کا بیٹا نہایت خلیق اور خوشمزاج ہے ✤

یہاں سے میں شہر معینیہ کو گیا۔ جہاں کا سلطان صادرخان تھا ✤

پھر برغمہ کو گیا۔ جہاں کی نسبت مشہور ہے۔ کہ مشہور فلسفی افلاطون یہاں کا باشندہ تھا۔ اس کا مکان اب تک یہاں موجود ہے۔ یہاں کے امیر کو بخشی خان کہتے ہیں ✤

پھر میں بالی کسرہ کو گیا۔ جو ایک عمدہ جگہ ہے۔ اور یہاں کے حاکم کو دمورخان کہتے ہیں ✤

پھر میں بروسہ گیا۔ جو ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں کا بادشاہ اختیارالدین اُدرخان عثمان جوق کا بیٹا ہے۔ یہ بادشاہ ترکمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ دولتمند۔ وسیع سلطنت اور فوج والا ہے۔ اس کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ اپنے شہروں اور قلعوں میں جاتا آتا رہتا ہے۔ اور وہاں کے حالات کو دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ کبھی مہینہ بھر بھی کسی جگہ نہیں ٹھیرتا۔ اُس کے باپ نے شہر بروسہ

فتح کیا تھا۔ اور قریباً بیس برس تک یزنیک کا محاصرہ رکھا تھا۔ مگر اُسے فتح نہ کیا۔ اس کے بعد لڑکے نے بارہ برس تک محاصرہ رکھا۔ اور آخر فتح کر لیا۔ یہاں میں اُسے ملا۔ بڑی مہربانی اور عزت سے پیش آیا۔ اور مجھے بہت سے درہم دئے۔ یہاں ایک آٹھ میل طول کی جھیل ہے۔ اور شہر میں باغات بکثرت ہیں ✤

یہاں سے چلکر چند دنوں میں میں شہر کسطونی میں پہنچا۔ اور اس کے بعد شہر بولی میں آیا۔ جہاں کا بادشاہ شاہ بیگ ہے ✤

یہاں سے شہر برلو کو گیا۔ جو قصطمونیہ کے حاکم کے ماتحت ہے ✤

پھر قصطمونیہ گیا۔ جو بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے۔ جس میں ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں موجود ہیں۔ جو بہت سستی بکتی ہیں۔ یہاں میں نے ایک بوڑھے شیخ کو دیکھا۔ کہتے ہیں کہ جس کی عمر ایک سو باسٹھ ۱۶۲ برس کی تھی۔ یہاں کا سلطان سلیمان بادشاہ ایک بڑا مقتدر اور مسن آدمی ہے۔ خود بھی شریف ہے۔ اور لوگ بھی اس کا ادب کرتے ہیں۔ مجھے اُس سے معرفی ہوئی۔ اور نہایت عزت سے پیش آیا ✤

باب پنجم

سلطان ازبک

یہاں سے میں شہر صنوب میں پہنچا۔ جو ایک وسیع شہر ہے۔ اور قسطنطنیہ کے حاکم سلیمان بادشاہ کے زیر فرمان ہے۔ کچھ عرصہ میں نے یہاں قیام کیا یہاں سے چلکر میں براہ سمندر شہر القرم کو چلا۔ مگر سفر میں بہت مصیبت اٹھائی۔ اور ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ مگر آخر کار ہم بندر الکرش پہنچ گئے۔ جو قفجاق کے ویران علاقہ میں ہے +

یہ علاقہ جو کہ جنگل ہے۔ سرسبز اور زرخیز ہے۔ مگر نہ کوئی درخت ہے نہ پہاڑ نہ پہاڑی اور نہ لکڑی۔ یہاں کے لوگ اوپلے جلاتے ہیں۔ اس جنگل کو گاڑی پر سوار ہوکر عبور کرتے ہیں۔ جسے عربتے کہتے ہیں۔ اس سفر میں چھ مہینے صرف ہوتے ہیں۔ جن میں سے تین مہینے کا راستہ سلطان محمد ازبک خان کی عملداری میں ہے +

ان لوگوں کے مویشی بکثرت ہیں۔ نہ ان مویشیوں کا کوئی رکھوالا ہے اور نہ چرواہا جس کی وجہ ان کے قوانین دربارہ سرقہ کے سختی ہے۔ اگر کسی شخص پر یہ جرم عائد ہوجائے۔ کہ اس نے کوئی مویشی چرایا ہے۔ تو اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ اس قیمت کے ۹ اور مویشی حاضر کرے۔ اور اگر یہ نہ کرسکے تو اس کے بچے اس سے چھین لئے جاتے ہیں۔ اور اگر اس کی اولاد نہیں ہے تو اسے بھیڑ کی طرح ذبح کیا جاتا ہے +

کئی دن کے سفر کے بعد میں ازاف میں پہنچا۔ جو سمندر پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں سلطان محمد کا نائب رہتا ہے۔ جس نے ہماری خوب مہمانداری اور عزت کی +

میں یہاں سے چلکر الماجر میں آیا۔ جو ایک بہت بڑی اور عالیشان بستی ہے۔ ان

قطعات کی ترکی عورتوں کی نہایت عزت ہے خصوصاً بادشاہوں اور امیروں کی عورتوں کی۔ یہ عورتیں پابند مذہب ہیں۔ اور خیرات اور نیک کاموں میں بہت حصہ لیتی ہیں +

ان میں پردہ کی رسم بالکل نہیں۔ یہ عورتیں نقاب کے بغیر عام طور پر پھرتی ہیں +

پھر میں سلطان کے ایک کیمپ کی طرف روانہ ہوا جس جگہ کو بش طاغ کہتے ہیں اور ایک منزل پر پہنچا۔ جہاں سلطان اپنے جلوس کے ساتھ فروکش تھا۔ یہاں ہم رمضان کی پہلی تاریخ کو پہنچے +

سلطان محمد ازبک ایک بڑا طاقتور بادشاہ ہے۔ جو ایک وسیع ملک پر حکمراں ہے۔ اور کفار کا زیر کرنے والا ہے +

علاوہ ازیں محمد ازبک دنیا کے سات بڑے بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے جو یہ ہیں +

(۱) مصر اور شام کا سلطان +

(۲) دونوں عراقوں کا بادشاہ +

(۳) اُزبک ترکوں کا سلطان +

(۴) ترکستان کا سلطان +

(۵) ماوراالنہر کا سلطان +

(۶) ہندوستان کا سلطان +

(۷) چین کا سلطان +

محمد ازبک کا یہ قاعدہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد وہ ایک طاق کے نیچے بیٹھتا ہے۔ جسے طاق طلائی کہتے ہیں۔ جو بہت سجا ہوا اور مزین ہے۔ اس کے وسط میں ایک تخت ہے۔ جس پر چاندی کی تختیاں لگی ہیں۔ جن پر جواہرات جڑے ہیں۔ سلطان تخت پر بیٹھتا ہے۔ اس کی بیویاں اور لونڈیاں دائیں بائیں تخت کے ہوتی ہیں بعض تخت پر بھی بیٹھتی ہیں۔ تخت کے نیچے اُس کے دو بیٹے کھڑے ہوتے ہیں ایک دائیں اور دوسرا بائیں طرف۔ جب کبھی کوئی بیوی اس جگہ داخل ہوتی ہے۔ تو

بادشاہ کھڑے ہوکر اُس کا ہاتھ پکڑتا ہے۔ اور اُسے اُس کی جگہ پر بٹھا دیتا ہے۔ غرض تمام عورتیں سب کے سامنے بغیر نقاب کے بیٹھی رہتی ہیں ÷

بعدازاں بڑے بڑے امیر آتے ہیں۔ جن کے لئے تخت کے دائیں بائیں کرسیاں رکھی ہوتی ہیں۔ جن پر یہ آکر بیٹھ جاتے ہیں ÷

بادشاہ کے سامنے شاہزادے کھڑے ہوتے ہیں۔ جو اس کے چچا اور بھائیوں کے لڑکے اور اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ ان کے سامنے دروازے کے نزدیک امرا کے لڑکے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے فوج کے جرنیل ہوتے ہیں ÷

اس کے بعد اور عہدہ دار آتے۔ اور سلام کرکے دور دور بیٹھتے جاتے ہیں۔ شام کی نماز بعد ملکۂ خاص چلی جاتی ہے جس کے پیچھے دوسری بی بی اپنے اپنے حسین غلاموں کے ساتھ چلی جاتی ہیں ÷

بادشاہ عورتوں کی گاڑیوں کے آگے سوار ہوتے ہیں۔ اور پیچھے مملوک۔ جمعہ کے دن میں بھی سلطان کے آگے پیش کیا گیا۔ جو بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور ملاقات کے بعد میرے پاس کچھ بھیڑیں اور گھوڑا مع کچھ خوراک کے بھیجا ÷

بادشاہ کی عورتوں کی نہایت تعظیم کیجاتی ہے۔ ہر ایک کا ایک علیحدہ محل ہے۔ اور ہر ایک کے پاس غلام اور نوکر چاکر ہیں ÷

جب بھی سلطان ان میں سے کسی کے ہاں جانا چاہتا ہے۔ تو وہ پیغام بھیجدیتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے لئے خاص تیاری کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک بیوی تکفور شاہ قسطنطنیہ کی لڑکی ہے ÷

پہلے میں ان میں سے ہر ایک کے پاس ملاقات کے لئے گیا۔ اور پھر بادشاہ کے پاس۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بُرا سمجھا جاتا ہے ÷

میں نے شہر بلغار کی نسبت بہت کچھ سُنا ہوا تھا۔ چنانچہ اب مجھے شوق ہوا کہ خود جاکر دیکھوں کہ آیا جو باتیں اس کی نسبت بیان کیجاتی ہیں۔ صحیح ہیں یا نہیں۔ مثلاً وہاں کے دن اور راتوں کا مختلف موسموں کا بہت چھوٹا ہونا۔ وغیرہ ÷

مگر اس جگہ سے سلطانی فوج گاہ تک دس دن کا راستہ تھا۔ میں نے سلطان سے عرض کی کہ وہ کوئی آدمی مقرر کرے۔ جو مجھے وہاں لیجائے اور پھر لے آئے سلطان نے

یہ منظور کر لیا ۔

چنانچہ میں بلغار پہنچا۔ اور مغرب کے وقت نماز پڑھی۔ مگر نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ عشا کی نماز کا وقت آ گیا۔ رات کو فجر کے بعد فوراً دن نکل آیا۔ اسی طرح سال کے دوسرے حصے میں دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ میں یہاں تین دن رہا۔ اس کے بعد پھر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔

بلغار میں میں نے ایک جگہ کی نسبت سنا۔ جسے "تاریکی کی زمین" کہکر پکارتے تھے۔

میں نے وہاں جانا چاہا۔ مگر راستہ چالیس دن کا تھا۔ اس لئے میرا ارادہ رہ گیا۔ کیونکہ اس میں خطرہ بہت اور فائدہ کم تھا۔ میں نے سنا کہ اس طرف چھوٹی گاڑیاں جاتی ہیں۔ جن کو بڑے بڑے کتے کھینچتے ہیں۔ اور سڑکیں عموماً برف سے چھپی ہوئی ہیں۔ جس پر نہ تو انسان چل سکتا ہے۔ اور نہ حیوان۔ ان کتوں کے ناخن اس ساخت کے ہوتے ہیں۔ کہ وہ برف پر قابو پا لیتے ہیں۔ اور اس طرف کوئی شخص نہیں جاتا۔ سوائے بڑے بڑے سوداگروں کے۔ جو اپنے ساتھ سینکڑوں گاڑیاں لیجاتے ہیں جن پر ہر ایک قسم کا سامان خورد و نوش لدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں نہ کوئی درخت ہے۔ اور نہ پتھر اور نہ گھر۔ یہاں رہنما بھی کتے ہوتے ہیں اور کوئی راستہ ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا۔ ہر ایک کتے کی قیمت ہزار ہزار دینار ہے۔ صرف ایک کتے کی گردن میں لگام ڈالی جاتی ہے۔ جو آگے ہو جاتا ہے۔ باقی تین اس کے پیچھے پیچھے جتے جاتے ہیں جب اگلا ٹھیر جاتا ہے تو وہ بھی ٹھیر جاتے ہیں۔

ان کے مالک انہیں کبھی مارتے یا جھڑکتے نہیں ہیں۔ جب خوراک کھانے لگتے ہیں تو پہلے کتوں کو دیتے ہیں۔ اور پیچھے آپ کھاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں۔ تو کتے خفا ہو کر بھاگ جائیں۔ اور اپنے مالک کو ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ جائیں۔

جب مسافر چالیس دن کا سفر طے کر چکتے ہیں۔ تو ایک تاریک زمین میں پہنچتے ہیں یہاں ہر ایک شخص جو کچھ ساتھ لاتا ہے چھوڑ کر ایک مقررہ جگہ پر اس قطعہ سے باہر جا بیٹھتا ہے۔ دوسرے دن [illegible] وہ اپنے اسباب کو ڈھونڈنے جاتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اسباب کے علاوہ وہاں [illegible] جو ایک قسم کا چھوٹا سا جانور ہوتا ہے

یا اُس کے بال کو بھی کہتے ہیں) اور سنجاب کے سمور پڑے ہوتے ہیں ؛

سوداگروں کو ان میں سے جو پسند ہوتا ہے۔ وہ لے لیتے ہیں۔ باقی چھوڑ جاتے ہیں۔ دوسرے دن اس کی جگہ کچھ اور رکھا ہوتا ہے۔ بعض اوقات سوداگروں کا مال پڑا رہتا ہے۔ اور سمور وغیرہ اُس ملک کے لوگ واپس لیجاتے ہیں۔ اس طریق پر یہ تجارت چلتی ہے ؛

سوداگروں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا۔ کہ آیا وہ لوگ انسان ہیں جو ان سے یہ بیوپار کرتے ہیں۔ یا بھوت پریت۔ کیونکہ کبھی کسی کو دیکھا نہیں گیا۔ ان سموروں کی یہ خاصیت ہے۔ کہ ان میں جوئیں کبھی نہیں پڑتا ؛

اٹھائیس رمضان کو میں نو حکاہ سلطانی کو واپس آیا اور بادشاہ کے ہمراہ اُسکے شہر استرخان کو سفر کیا ؛

یہ شہر دریائے اتل پر واقع ہے۔ جو دنیا کے بڑے دریاؤں میں شمار ہوتا ہے موسم سرما میں سلطان یہاں رہتا ہے۔ اور جب دریا بالکل برف ہو کر جم جاتا ہے تو بادشاہ کا لوگوں کو حکم ہوتا ہے۔ کہ بھوس کے ہزاروں گٹھے لاکر برف پر پھینک دیں اور اس پر سب چلتے ہیں ؛

جب بادشاہ استرخان میں پہنچا۔ تو شاہ قسطنطنیہ کی لڑکی اُس کی ملکہ اُس کے ساتھ تھی۔ جو حاملہ تھی۔ اُس نے بادشاہ سے اجازت طلب کی۔ کہ میں جاکر اپنے باپ شاہ قسطنطنیہ کو مل آؤں۔ بادشاہ نے منظور کر لیا ؛

میں نے بھی درخواست کی کہ میں بھی ملکہ کے ساتھ جاکر قسطنطنیہ کو دیکھ آؤں۔ بادشاہ نے اجازت نہ دی۔ کیونکہ وہ ملکہ کے ساتھ میرے جانے سے ڈرتا تھا میں نے اُس کی خوشامد کی۔ اور اُسے اطمینان دلایا۔ کہ میں ملکہ کو کبھی ملوں گا بھی نہیں اور نہ اُس کے سامنے جاؤں گا۔ اور بطور مہمانوں یا مسافروں کے رہونگا۔ چنانچہ بادشاہ نے منظور کر لیا ؛

بادشاہ نے مجھے سفر خرچ کے لئے پندرہ سو دینار اور ایک خلعت اور کئی گھوڑے دئے۔ بادشاہ کی عورتوں میں سے ہر ایک نے چاندی کے صوم دئے۔ اور یہی انہوں نے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو دیا ؛

چنانچہ دسویں شوال کو میں ملکہ بیلون کے ہمراہ قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ بادشاہ پہلی منزل تک ہمارے ساتھ آیا۔ ملکہ کے ہمراہ پانچ ہزار فوج کے آدمی روانہ کئے گئے۔ غرض ہم اکک میں پہنچے۔ یہاں سے روس کے پہاڑ دس دن کے فاصلہ پر ہیں ÷

روسی لوگ عیسائی ہیں۔ ان کے بال سرخ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ اور نہایت بدصورت اور خونخوار لوگ ہیں ÷

ان کے ملک میں چاندی کی کانیں ہیں۔ اور ان کے ملک سے صوم یعنی چاندی کے ٹکڑے لائے جاتے ہیں۔ ہر ایک صوم ساڑھے بارہ تولے یعنی اڑھائی چھٹانک کا ہوتا ہے ÷

دس دن کے سفر کے بعد ہم شہر سوداق میں پہنچے۔ جو دشت قفچاق کا شہر ہے۔ اور لب سمندر واقع ہے ÷

پھر ہم شہر بابا سلطوق میں پہنچے۔ کہتے ہیں کہ سلطوق ایک کاشف شخص تھا یہ اخیر ضلع ہے ترکوں کے قبضہ میں۔ ان کے اور روم کے ملک میں اٹھارہ دن کا فاصلہ ہے۔ آٹھ دن کا سفر تو بالکل بے آب صحرا میں ہے۔ مگر چونکہ ہم موسم سرما میں گئے تھے اس لئے ہمیں پانی کی بہت ضرورت نہ ہوئی ÷

جب میں اس صحرا میں داخل ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ تو میں ملکہ کے سامنے حاضر ہوا۔ اور صبح و شام اُسے سلام کرنے جاتا۔ وہ مجھ سے بڑے خلاق سے پیش آتی۔ اور ہر ایک نذر اور تحفہ میں سے بہت کچھ میرے پاس بھیجتی ÷

پھر میں نے عرض کیا۔ کہ مجھے چند گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اس پر مجھے پندرہ گھوڑے مل گئے ÷

پھر ہم قلعہ مہتولی میں پہنچے۔ جو شاہ روم کا پہلا قلعہ ہے۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک بائیس ۲۲ دن کا راستہ ہے ÷

اس سے پہلے ملکہ کے باپ کو اُس کے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ جس نے کئی ایک عورتوں اور دائیوں کو اُس کے پاس قلعہ میں بھیج دیا۔ اور ساتھ بہت سی فوج بھیجی۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک گھوڑوں اور خچروں پر ہی سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں سطح

بہت ناہموار ہے۔ چنانچہ یہاں ملکہ نے گاڑیوں کو چھوڑ دیا۔ اور وہ امیر جو خاقان نے اُس کے ساتھ کیا تھا۔ یہاں سے لوٹ گیا۔ اب ملکہ کے ساتھ اُس کے اپنے آدمی رہ گئے ❖

یہاں میں نے اپنی گاڑیوں کو اپنے چند نوکروں اور ہمراہیوں کے سپرد کر کے انہیں واپس بھیجدیا ❖

ملکہ کے ہمراہ ایک مسجد تھی۔ جو وہ ہر جگہ پر لگا کر اُس میں نماز پڑھ لیتی۔ مگر اب اسے اس نے قلعہ میں چھوڑ دیا۔ موذن نے اپنا کام بند کر دیا۔ اور دستر خوان پر شراب آنے لگی جس میں سے ملکہ بھی پیتی تھی ❖

میں نے یہ بھی سُنا کہ وہ سور کا گوشت بھی کھاتی ہے۔ تمام جو نماز پڑھنے والے تھے۔ ان میں کوئی بھی اُس کے پاس نہ رہا۔ بعض ترک تو ہمارے ساتھ مل کر نماز پڑھنے لگے غرض کہ کفار کے ملک میں داخل ہو کر پہلا مذاق ہی دور ہو گیا۔ گو جو افسر ملکہ کے استقبال کے لئے آیا تھا۔ اُسے ملکہ نے حکم دیا کہ میری (ابن بطوطہ کی) خبرداری رکھے۔ اور تعظیم و تکریم کرے ❖

جب قسطنطنیہ ایک دن کی مسافت پر رہ گیا۔ تو اُس کا بھائی اُسے ملنے آیا۔ جس کے ساتھ پانچ ہزار سوار مسلح تھے۔ وہ پیادہ ہو کر بہن کو ملا۔ کیونکہ اُس سے چھوٹا تھا۔ ملکہ نے بھائی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور وہ ساتھ ہو لیا۔ دوسرے دن دوسرا بھائی جو ولیعہد تھا۔ دس ہزار سوار سے استقبال کرنے آیا۔ دونو طرف سے پیادہ پا ملاقات ہوئی۔ ملنے کے بعد پھر سوار ہو کر شہر کو چلے ❖

غرض جب قسطنطنیہ جا پہنچے۔ تو شہر کے عموماً مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ عمدہ عمدہ کپڑے پہن۔ پیادہ۔ سوار۔ باجے بجاتے ہوئے اور خوشی کے نعرے بلند کرتے ہوئے آئے ❖

سلطان بھی مع اپنی ملکہ (اس شاہزادی کی ماں) اور امرا و وزرا کے ہمراہ بیٹی کو ملنے آیا۔ جب شاہنشاہ نزدیک آیا۔ تو دونو جماعتیں ایک دوسری سے مل جل گئیں اور ایسا گھمسان پڑا کہ مجھے ان سے گذرنا ناممکن ہو گیا۔ غرض اپنی جان کے خوف سے میں مجبور ہوا کہ پیچھے رہ جاؤں اور ملکہ کو جاتے ہوئے دیکھوں ❖

میں نے سُنا کہ جب وہ باپ سے ملی۔ تو پہلے اُس نے سواری سے اُتر کر زمین کو بوسہ دیا

اور وہاں باپ کے گھوڑوں کے سموں کو +
مغرب کے قریب ہم قسطنطنیہ میں پہنچے۔ لوگ گھنٹے اور گھڑیال ایسے زور سے بجا رہے تھے۔ کہ کان بہرے ہوئے جاتے تھے +
جب ہم بادشاہ کے محل کے دروازے پر پہنچے۔ تو دربانوں نے ہمیں اندر جانے سے روکا۔ اور کہا کہ جب تک بادشاہ کا حکم نہ ہو۔ ہم نہیں جانے دینگے +
ملکہ کے چند آدمی اس کے پاس گئے۔ اور یہ حال بیان کیا۔ اس نے بادشاہ سے ہمارے لئے اجازت مانگی۔ اور ہمارا حال بیان کیا +
بادشاہ نے اجازت دی۔ پھر ہمیں اندر لے گئے۔ اور شاہزادی کے ساتھ کا ایک کمرہ ہمارے رہنے کے لئے ملا۔ جہاں وہ دونو وقت ہمارے لئے کھانا بھیج دیتی تھی +
بادشاہ نے ہمیں ایک پروانہ عطا کیا جس سے ہم شہر میں آزادی سے پھر سکیں ہمارے پہنچنے کے چوتھے دن ہم بادشاہ کی خدمت میں حاضر کئے گئے۔ تناتکفور اُس کا نام ہے۔ اُس کا باپ جارج ابھی زندہ تھا۔ مگر سلطنت کے کاروبار چھوڑ کر فقیر ہو گیا تھا۔ جب ہم محل کے پانچویں دروازے میں پہنچے۔ تو ہماری دربانوں نے تلاشی لی۔ تا کہ کوئی ہتھیار چھپا کر ساتھ نہ لیجا دیں +
یہ وہاں قاعدہ ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ کا بھی یہی قاعدہ ہے۔ چنانچہ میں سامنے گیا۔ اور سلام بجا لایا +
بادشاہ خود اپنی ملکہ اور لڑکی (ہماری ملکہ) کے ساتھ تخت پر بیٹھا تھا۔ شاہ کے لڑکے تخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ بادشاہ مہربانی سے پیش آیا۔ اور مجھ سے یروشلم وہاں کے معبد۔ مسیح علیہ السلام کا۔ مدینۃ الخلیل۔ دمشق۔ مصر ملک روم وغیرہ کے حالات پوچھے۔ جن کا میں نے شافی جواب دیا +
بادشاہ میرے حالات سُنکر حیران ہُوا۔ اور اپنے لڑکوں سے کہا۔ کہ اس شخص کی عزت واجب ہے۔ اور اسے نیک چلنی کا پروانہ دیدو +
پھر مجھے ایک لباس فاخرہ پہنایا گیا۔ اور ایک گھوڑا بمع سامان کے اور ایک پروانہ جس سے حفاظت منظور تھی عطا ہُوا +

پھر میں نے درخواست کی کہ کوئی شخص متعین کیا جائے۔ جو میرے ساتھ ایک اور گھوڑے پر سوار ہو کر مجھے شہر کی سیر کرایا کرے۔ چنانچہ ایک شخص معین کیا گیا۔ جس کے ساتھ پھر کر میں کئی دن تک یہاں کے عجائبات دیکھتا رہا +

سینٹ صوفیہ کا گرجا سب سے بڑا ہے۔ میں نے اسے صرف باہر سے ہی دیکھا۔ اندر اس لئے نہ جا سکا۔ کہ دروازے پر وہاں ایک صلیب رہتی ہے۔ جسے ہر ایک شخص جو اندر داخل ہوتا ہے پوجتا ہے +

کہتے ہیں کہ اس گرجے کی بنیاد آصف بو برجیاس کے بھائی۔ اور سلیمان علیہ السلام کے بھتیجے کی رکھی ہوئی ہے۔ شہر میں گرجا۔ تکئے اور دوسری عبادتگاہیں بے شمار ہیں +

بادشاہزادی کے ساتھ جو ترک آئے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا۔ کہ ان کی ملکہ ابھی تک اپنے باپ کے مذہب پر ہے۔ اور وہ اپنے باپ کے پاس ہی ٹھیرنا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے اپنے ملک کو واپس جانے کی اجازت مانگی۔ جو منظور ہوئی۔ ملکہ نے انہیں قیمتی تحفے بھجوائے۔ اور چند لوگوں کو ان کے ساتھ پہنچانے کے لئے ساتھ کر دیا +

مجھے بھی اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں۔ اور مجھے تین سو دینار۔ اور دو ہزار درہم۔ اونی اور سوتی لباس۔ اور گھوڑے دیئے +

غرض ایک مہینہ اور چھ دن قسطنطنیہ میں رہکر اُس جگہ کو واپس آیا۔ جہاں میں نے اپنے ہمراہیوں اور گاڑیوں کو چھوڑا تھا یہاں سے ہم نے گاڑیوں پر سفر کیا۔ حتےٰ کہ ہم استرخان میں پہنچے۔ جہاں معلوم ہوا کہ بادشاہ نہیں ہے۔ اور وہ السرائے کو چلا گیا ہے +

میں بھی وہیں گیا۔ جب بادشاہ کے آگے حاضر ہوا۔ تو اُس نے میرے سفر کی نسبت پوچھا۔ میں نے من و عن کہہ سنایا۔ پھر اس نے میرا سفر خرچ حسب دستور دیدیا +

شہر السرائے نہایت خوبصورت اور بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کے علما میں سے امام نعما الدین خوارزمی ہیں۔ میں انہیں یہاں ملا۔ نہایت فیاض طبیعت

آدمی ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ بڑے رعب داب سے پیش آتے۔ مگر مسکینوں میں بھی بڑے پرلے درجہ کے مسکین ہیں۔ سلطان ہر جمعہ کے دن وہاں جاتا۔ اور سامنے بیٹھ کر نہایت ادب وعزت کرتا ہے۔ اور سلام کرتا ہے۔ اور غایت درجہ کی تقدیس واعتقاد سے پیش آتا ہے +

پھر میں خوارزم کو جو یہاں سے چالیس دن کی مسافت پر ہے چلا۔ راستہ بے آب ودانہ ہے۔ اس میں اونٹوں سے گاڑیاں چلتی ہیں۔ دس دن کے بعد ہم سرائے جوق میں پہنچے۔ جو ایک بڑے دریا کے کنارے جسے الوسو کہتے ہیں۔ واقع ہے۔ اس کے اوپر بغداد کی مانند ایک پل آدیزاں بنا ہوا ہے +

یہاں سے میں نہایت جلدی تین دن میں خوارزم پہنچا۔ یہ شہر ترکوں کی عملداری میں سب سے بڑا شہر ہے یہ سلطان اذبک خان کے پاس ہے۔ اس کی آبادی بہت ہے۔ سلطان کا ایک نائب یہاں حاکم ہے۔ میں نے خوارزم کے لوگوں سے بڑھ کر کسی قوم کو ایسا فیاض۔ باتربیت۔ اور مسافر دوست نہیں دیکھا +

یہاں نماز کی نسبت ایک خوب قاعدہ ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا۔ اسے مسجد کا امام سب کے سامنے کوڑے مارتا ہے۔ اور پانچ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے جس سے مسجد کی مرمت ہوتی ہے۔ اور اس غرض کے لئے ہر مسجد میں ایک کوڑہ لٹکا رہتا ہے +

اس شہر کے باہر دریائے جیحون ہے۔ اُن چار دریاؤں میں سے جو اس قطعہ سے نکلتے ہیں۔ یہ دریا بھی موسم سرما میں جم کر یخ ہوجاتا ہے۔ اور اس عرصہ میں لوگ اُس پر چلتے اور سفر کرتے ہیں +

اس شہر کے باہر شیخ نجم الدین اعظم کی قبر ہے۔ جو ایک بڑے اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ ان کا حجرہ قبر کے نزدیک بنا ہے۔ یہاں جار اللہ زمخشری کی قبر ہے زمخشر ایک گاؤں ہے۔ یہاں سے نزدیک ہی خوارزم میں عموماً لوگ معتزلہ ہیں مگر بادشاہ کے ڈر سے جو سُنی ہے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے +

یہاں ایک میوہ خربوزہ ہوتا ہے۔ جس کا مقابلہ سوائے ترخربوزہ کے کوئی نہیں کرسکتا۔ اندر سے سُرخ اور باہر سے سبز ہوتا ہے۔ نہایت شیریں اور سخت ہوتا ہے۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور خشک کر کے کھجوروں کی طرح ہندوستان اور چین لیجا سکتے ہیں +

بادشاہ کو بھی اکثر تحفہ میں یہ دیا جاتا ہے +

خوارزم سے میں بخارا کو چلا۔ اور اٹھارہ دن آباد اور ریتلے میدانوں میں سفر کر کے الکات میں پہنچا +

پھر بکتہ سے ہو کر بخارا آیا۔ جو دریاے جیحون کے اُس طرف سب سے بڑا شہر ہے تاتاریوں نے اسے ایک دفعہ لوٹ لیا تھا۔ اُس وقت سے بالکل ویران ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں نے وہاں ایک شخص بھی عالم نہیں پایا +

کہتے ہیں کہ چنگیز خاں جس نے تاتاریوں کو ساتھ لیکر اسلامی ممالک کو تباہ و برباد کیا تھا۔ ملک کیبوتا کا ایک لوہار تھا۔ یہ شخص فیاض۔ طاقتور اور پستہ قد تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ لوگوں کو جمع کر کے اُن کی ضیافت کرتا غرض اس طرح بہت سے لوگ اُس کے ساتھ مل گئے +

پھر اُس نے وہ اضلاع فتح کئے جن میں وہ خود پیدا ہوا تھا اور رہتا تھا۔ پھر تمام ملک کیبوتا۔ چین۔ خشق۔ کاشغر۔ مالق تسخیر کر لئے +

اس وقت جلال الدین سنجر خوارزم شاہ کا بیٹا۔ خوارزم۔ خراسان اور ماوراء النہر کا بادشاہ تھا +

چنگیز خاں نے کسی بہانہ سے اُس کے مُلک پر حملہ کیا۔ جلال الدین نے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی +

پھر جلال الدین نے کئی ایک مُقابلے کئے اور ایسی لڑائیاں ہوئیں جنکی نظیر اسلام کی تاریخ میں نہیں +

آخر کار چنگیز خاں نے ماوراء النہر پر قبضہ کر لیا۔ اور بخارا۔ سمرقند اور ترمذ کو برباد کر دیا۔ باشندوں کو ہلاک کر دیا۔ جوانوں کو قید کر لیا۔ اور تمام ملک کو ویران کر دیا +

پھر اُس نے دریاے جیحون کو عبور کر کے تمام خراساں اور عراق پر قبضہ کر لیا اور باشندوں کو ہلاک کر کے تباہی اور بربادی پھیلائی +

اُس کے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا ھلاکو جانشین ہُوا جس نے بغداد پر حملہ کرکے خلیفہ معتصم کو مار ڈالا۔ اور باشندوں کے قتل عام کا حکم صادر کیا +

پھر وہ شام کی طرف بڑھا۔ جہاں خدا تعالیٰ نے اپنی دنیا کو اس سے پاک کیا۔ اور لوگوں کو نجات ملی۔ کیونکہ وہاں مصری فوج نے اُسے شکست فاش دی اور پکڑ کر قید کر لیا +

ابن جازی الکلبی لکھتا ہے۔ کہ شیخ ابن الحاجی بیان کرتے تھے کہ میں نے عبداللہ ابن رشید سے جو نورالدین بن زجاج کو ملا تھا۔ سُنا کہ عراق میں تاتاریوں سے جنگ کے درمیان چوبیس ہزار سے کم عالم نہیں مارے گئے۔ اور صرف وہ خود اور اُن کا بھتیجا وہاں سے بھاگ آئے تھے +

پھر میں بخارا سے سلطان علاءالدین طرمشیرین کے کیمپ کی طرف گیا راستہ میں نخشب سے گذرا۔ جہاں شیخ ابو تراب النخشبی نے لوگوں کو فیض پُہنچایا تھا +

یہاں سے میں شاہ ماوراءالنہر کے کیمپ کو گیا۔ یہ ایک جلیل القدر اور طاقتور بادشاہ ہے۔ اس کی فوج کثیر ہے۔ اور انصاف اس کا دور و نزدیک مشہور ہے۔ اس کا ملک شاہانِ چین۔ ھند۔ عراق۔ ترکستان سے وسعت میں کچھ کم ہے۔ محمد اذبک خان بھی اس کی عزت کرتا ہے +

یہ شخص اپنے بھائی جگطائی کی جگہ تخت نشین ہے۔ جو ایک بُت پرست تھا اور جگطائی کا بھائی کوکب تھا۔ جو اس سے پہلے بادشاہ تھا۔ کوکب مسلمانوں کے مذہب کو پسند کرتا تھا +

کہتے ہیں کہ ایک دن کوکب اپنے طبیب و واعظ بدرالدین المیلانی سے گفتگو کر رہا تھا۔ چنانچہ اسی اثنا میں اُس نے سوال کیا؟

"کیا تم کہتے ہو کہ تمہارے خدا نے اپنی کتاب میں کوئی چیز بغیر تذکرہ کے نہیں چھوڑی"۔

بدرالدین نے جواب دیا۔ "ہاں"۔

سلطان نے کہا دکھاؤ میرا نام کہاں آیا ہے؟

بدرالدین نے یہ آیت کریمہ سُنائی۔ "فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ"۔

کس صورت میں اُس نے تجھے بنانا پسند کیا ہے ✦
سلطان حیران ہوگیا۔ اور کہا کہ "خوب"۔
میں چند دن تک طرمشیرین کی فوج گاہ میں رہا ✦

ایک دن میں اُس مسجد میں گیا۔ جو فوج گاہ میں واقع ہے کیونکہ میں نے سُنا تھا کہ سلطان اُس جگہ آئیگا۔ نماز کے بعد میں بھی سلام کے لئے سامنے گیا۔ کیونکہ اُس نے میری آمد کی خبر پہلے ہی سُنی تھی۔ مجھے دیکھکر خوش ہوا۔ اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ بعدازاں مجھے علیحدہ بلابھیجا۔ میں حاضر ہوا۔ سلطان ایک خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا اس نے میری خاطر کی۔ اور پھر مجھ سے مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ یروشلم دمشق اور مصر کے حالات پوچھے ✦

علاوہ ازیں ملک الناصر شاہ عراق کی نسبت پوچھتا رہا۔ میں نے سب کے جواب ٹھیک ٹھیک دئیے۔ جس سے وہ بہت خوش ہوا ✦

ایک نہایت عمدہ بات جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی۔ کہ نماز کے وقت جب لوگ مسجد کو جارہے تھے۔ بادشاہ کو دیر ہوگئی۔ ایک جوان شخص نے آکر امام مسجد سے کہا:۔ "حسام الدین۔ سلطان نے حکم دیا ہے کہ نماز میں ذرا توقف کرو"۔

اس پر امام مسجد کھڑا ہوگیا اور کہا کہ:۔ "کیا خدا کی نماز پڑھنی ہے یا طرمشیرین کی"۔ اتنا کہکر اس نے موذن کو اذان کا حکم دیا۔ اور نماز شروع ہوگئی۔ جب دو رکعتیں ہوچکیں تو سلطان آیا۔ مگر مسجد تمام نمازیوں سے پُر تھی۔ یہ دیکھ کر وہ ایک گوشہ میں دب کر بمشکل تمام شامل ہوگیا۔ اس جگہ ایک جوتہ بندھا کرتا تھا۔ سلطان نے نہایت دقت اور تکلیف سے نماز ادا کی ✦

جب نماز ہوچکی۔ تو سلطان نے جاکر امام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُسکے خوف خدا اور دینداری کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ اور خود اپنے قصور کی معافی مانگی ✦

اِس مسجد کا موذن ایک ایرانی شخص تھا۔ اور بادشاہ کے بہت سے احکام کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔ مگر سلطان اُس کی نہایت تکریم اور متابعت کرتا۔ اور نہایت عزت سے پیش آتا۔ اکثر انعام واکرام اور تحفے تحائف پیش کرتا۔ مگر شیخ کبھی قبول نہ کرتا۔ اور خود اپنی محنت سے پیٹ پالتا تھا ✦

سلطان نے جب تک میں ٹھیرا میری مہمانداری کی اور ہر طرح اچھا سلوک کیا۔ چلنے وقت مجھ کو نہایت عزت سے رخصت کیا اور سات سو دینار عطا کئے +

طرشرین نے اپنے باپ چنگیزخاں کے بہت سے قواعد منسوخ کر دئے تھے۔ چنگیزخاں نے ایک کتاب قانون کی مشتہر کی تھی جس کا نام اس نے "مناھی" رکھا تھا۔ اور حکم جاری کیا تھا کہ جو شخص ان احکام کی تابعداری نہ کریگا اپنے عہدے سے محروم کر دیا جائیگا +

ایک حکم یہ تھا کہ چنگیز کے وارث۔ مختلف صوبجات کے حاکم۔ امرا کی بیویاں۔ فوج کے بڑے بڑے افسر سال میں ایک دفعہ جمع ہوا کریں۔ جیسے وہ "طوے" یا ضیافت کہتے ہیں۔ اور اگر بادشاہ کسی قاعدہ کے برخلاف کوئی کام کرے۔ تو یہ امیر وغیرہ اُسے کہیں کہ تم نے فلاں دن ایسا ایسا کیا ہے۔ جو قواعد سلطنت کے برخلاف ہے اس لئے تمہارا تخت سے اُتارا جانا واجب ہے۔ یہ کہکر وہ اُسے ہاتھ سے پکڑ کر تخت سے اُتار دیں اور چنگیز کی اولاد میں سے کسی اور کو اُس کا جانشین کر دیں +

اسی طرح امیروں میں سے اگر کوئی جرم کرے تو اس دن اُسے بھی سزا دیجاتی ہے +

طرشرین اپنے باپ کے قوانین کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس سے ایک عام ناراضی پھیلگئی۔ اُس ملک سے ہماری روانگی کے بعد تمام امیر جمع ہوئے۔ اور اُنہوں نے طرشرین کو تخت سے اُتار کر اُس کی جگہ چنگیز کی اولاد میں سے کسی اور کو تخت پر بٹھایا طرشرین بھاگ گیا۔ مگر گرفتار ہوا۔ اور قتل کیا گیا +

پھر میں سمرقند کو گیا۔ جو ایک بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے۔ اس شہر میں قثم بن عباس کی قبر ہے۔ جو اسی دن شہید ہوئے جس دن سمرقند کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا +

پھر میں شہر نسف میں پہنچا۔ جہاں ابو جعفر عمر النسفی گذرے ہیں +

یہاں سے میں شہر ترمذ کو گیا۔ جہاں ابو عیسی محمد الترمذ ہوئے ہیں جو جامع الکبیر کے مصنف تھے۔ یہ ایک عالیشان شہر ہے۔ درخت اور پانی بکثرت ہیں۔ پھر جیحون اُتر کر ہم خراسان گئے۔ اور دو دن کے دشوار گذار سفر کے بعد

بلخ پہنچے۔ جو اَب برباد ہے۔ چنگیز خان نے جب اسکو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد پھر یہ شہر آباد نہیں ہوا +

اس شہر کی مسجد دنیا میں سب سے بڑی خوبصورت مسجد تھی۔ اس کے ستون بے مثل تھے۔ ان میں سے تین چنگیز خاں نے منہدم کر دئے تھے۔ کیونکہ اس نے سُنا تھا کہ مسجد کی دولت ان میں چھپی ہے۔ مگر جب تین میں سے کچھ نہ نکلا۔ تو باقی اُس نے چھوڑ دئے +

ان ستونوں میں دولت موجود ہونے کی کہانی اس طرح گرم ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ خلفائے عباسیہ میں سے ایک خلیفہ بلخ کے باشندوں پر نہایت ناراض ہوا۔ ان لوگوں سے چند نافرمانیاں عمل میں آئیں اور کئی ایک سخت قصور سرزد ہوئے۔ خلیفہ نے اہل شہر پر جرمانہ کیا۔ جو سالانہ واجب الادا تھا۔ پہلے سال چند آدمی خلیفہ کے جرمانہ وصول کرنے آئے۔ شہر کے لوگ عورتیں بچے سب شہر کے حاکم کی بیوی کے پاس گئے۔ اور شکایت کی کہ جرمانہ کی سزا نہایت سخت ہے۔ ہم بھوکے مرجائینگے۔ اس سے کسی طرح معافی ملے۔ حاکم کی بیوی نے جس نے یہ عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ ایک نہایت قیمتی چوغہ اُن لوگوں کو بھیجا جو جرمانہ وصول کرنے آئے تھے۔ اور کہلا بھیجا کہ یہ خلیفہ کے لئے جرمانے کے علاوہ تحفہ ہے۔ خلیفہ نے جب یہ چوغہ دیکھا جس پر قیمتی جواہرات جڑے تھے۔ رشک آیا۔ اور کہا کہ ایک عورت ہم سے بڑھ کر فیاض ہو۔ ہم اس کو فیاضی میں دینگے۔ چنانچہ چوغہ اُس کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور جرمانہ بھی معاف کر دیا۔ جب وہ چوغہ واپس حاکم کی بیوی کے پاس آیا۔ تو اول اُس نے پوچھا۔ کہ کیا خلیفہ نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ جواب دیا گیا۔ ہاں۔ اس پر اُس نے جواب دیا۔ کہ جس کپڑے پر سوائے میرے خاوند کے کسی اور کی نظر پڑی ہو۔ وہ میرے نزدیک نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اسے اُدھیڑ کر جواہرات وغیرہ فروخت کئے جائیں۔ اور جو کچھ اس طرح وصول ہوا۔ اُس سے اس مسجد کی تعمیر ہوئی +

مسجد جب بن گئی تو چوغے کی قیمت میں سے ایک تہائی روپیہ باقی رہا۔ جو اُس کے حکم سے ایک ستون کے نیچے مرمت کے خرچ کے لئے دفن کر دیا گیا۔ اسی قصہ کی بنا پر چنگیز خاں نے وہ ستون منہدم کر دئے تھے۔ مگر کوڑی نہ نصیب ہوئی +

شہر کے سامنے عکاشہ بن محصن الصحابی کی قبر ہے۔ جن کی نسبت کتاب الآثر میں روایت ہے۔ کہ وہ بہشت میں بغیر اپنے اعمال کے حساب دینے کے داخل کئے گئے تھے +

اس کے بعد میں بلخ میں تین دن تک سفر کرتا رہا۔ اس کے گرد نواح کے پہاڑوں دیہات اور مذہبی متبرک مقامات کی زیارت کرتا رہا +

پھر میں ھرات میں آیا۔ جس کی آبادی خراسان کے تمام شہروں سے زیادہ ہے۔ اس ضلع کے چار شہر بہت بڑے ہیں۔ ھرات۔ نیشاپور جو آباد ہیں۔ اور بلخ۔ مرو جو اُجڑے پڑے ہیں +

ھرات کے باشندے پابند مذہب۔ ایماندار۔ پاکیزہ۔ اور حنفی فرقہ کے ہیں +

ھرات کا بادشاہ ان دنوں سلطان حسین۔ غیاث الدین غوری کا بیٹا تھا +

ہرات سے میں جام میں آیا جو ایک متوسط درجہ کا شہر ہے۔ اور زراعت اور پانی بکثرت ہے +

یہاں سے میں طوس گیا۔ جو خراسان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں امام ابوحامد الغزالی پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی قبر یہاں اب تک موجود ہے +

یہاں سے میں مشھد الرضیٰ کو گیا۔ یعنی علی ابن موسیٰ الکاظم بن جعفر صادق کے مشہد کو +

شہر عالیشان اور آباد ہے۔ میوے بہت ہوتے ہیں۔ مشہد کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے جس پر چاندی کا ایک خول چڑھا ہے۔ اور سونے کی قندیلیں لٹک رہی ہیں +

گنبد کے نیچے امام رضا کی قبر کے سامنے خلیفہ ھارون الرشید کی قبر ہے۔ اس پر بھی اکثر قندیلیں جلائی جاتی ہیں۔ مگر جب شیعہ لوگ آتے ہیں۔ تو وہ ھارون الرشید کی قبر پر لات مارتے اور امام رضا کی قبر پر صلواتیں پڑھتے ہیں +

میں یہاں سے چلکر سرخس اور وہاں سے زاوہ میں گیا۔ یعنی شیخ قطب الدین حیدر

کے وطن کو۔ جس کے فقیر کے لوگ اپنے آپ کو حیدریہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہاتھوں اور گلوں میں لوہے کے حلقے پہنتے ہیں۔ ایک اور عجیب بات ان میں یہ ہے۔ کہ عورت سے تعلق دنیاداری بالکل نہیں رکھتے ✦

یہاں سے میں نیشاپور کو گیا۔ جو خراسان کے چار بڑے شہروں میں سے ہے۔ اسے دمشق صغیری کہتے ہیں۔ شہر عمدہ ہے۔ اور اس میں چار دریا ہیں جو ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ یہاں میں شیخ قطب الدین نیشاپوری کو ملا۔ جو ایک عالم و فاضل واعظ تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ میں نے اتفاقاً ایک غلام خریدا تھا جو میرے ساتھ تھا۔ شیخ نے مجھ سے کہا کہ اسے بیچ ڈالو۔ کیونکہ اس کا رکھنا تمہارے واسطے مناسب نہیں۔ غرض میں نے بیچ ڈالا۔ چند روز کے بعد میں نے سُنا کہ اس غلام نے چند ترکی بچوں کو مار ڈالا ہے۔ اور اس لئے قتل کیا گیا۔ یہ شیخ کا ایک انکشاف تھا۔ اور میں نے ان کا شکریہ ادا کیا ✦

یہاں سے میں بسطام کو گیا۔ یعنی ابو یزید بسطامیؒ کے وطن کو شیخ کی قبر بھی یہاں ہے یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے گنبد میں ہی اُن کی قبر بھی ہے ✦

پھر میں قندس اور بغلان کو گیا۔ جو ایک دوسرے کے قریب ہی دو گاؤں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک گاؤں میں ایک حجرہ گوشہ نشینوں اور زاہدوں کے لئے ہے۔ زمین سرسبز ہے۔ اور گھاس کبھی خشک نہیں ہوتی ہے۔ یہاں میں کچھ عرصہ رہا اور اپنے مویشیوں کو فربہ کرتا رہا ✦

پھر میں شہر بروان کو گیا جس کے راستہ میں ایک بلند پہاڑ ہے۔ جو نہایت سرد ہے۔ اور جس پر برف جمی رہتی ہے۔ اسے ہندوکش پہاڑ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جو غلام ہندوستان سے لائے جاتے ہیں۔ وہ یہاں شدت سردی سے مرجاتے ہیں ✦

پھر ہم ایک اور پہاڑ پر گئے۔ جسے بشائی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک غار ہے جس میں ایک ضعیف مرد رہتا ہے۔ جسے آطا اولیاء کہتے ہیں یعنی اولیاؤں کا باپ ✦

کہتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو پچاس برس کی ہے۔ یعنی جب میں نے انہیں دیکھا۔

ان کی عمر تین سو پچاس برس کی تھی +

اس طرف کے لوگ اُن کی نہایت تعظیم کرتے ہیں۔ میں نے اُن کے بدن کو دیکھا۔ تو چکنا اور نرم تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہر سو برس کے بعد میرے نئے دانت اور بال پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ میں ہندوستان کا راجہ **بلهان بهم دتن** ہوا۔ سندھ میں میرا راج تھا۔ میں نے اور کئی باتیں اُن سے پوچھیں مگر اُن کے جواب سے مجھ کو تشفی نہ ہوئی۔ اُن کی باتوں پر مجھ کو یقین نہ آیا۔ اور اب تک میں سوچتا رہا کہ یہ کون تھے +

یہاں سے میں برتدن کو گیا۔ جہاں میں نے ترکی **امیر بن نطیه** سے ملاقات کی۔ میں نے جس قدر آدمی اب تک دیکھے ہیں یہ اُن میں سب سے موٹا اور قدآدر آدمی ہے یہ بڑے خلق سے مجھے پیش آیا۔ اور مجھے کچھ زاد راہ بھی دیا +

یہاں سے میں **الخرج** کے گاؤں کو گیا۔ اور پھر **غزنہ** (غزنی) کو جو مجاہدین کا شہر ہے۔ اور **سبکتگین** کے بیٹے **محمود** کا وطن ہے۔ جس نے ہندوستان پر حملے کئے تھے۔ اور فتحیاب ہوا تھا۔ یہ جگہ نہایت سرد ہے۔ اور قندھار سے دس منزلوں پر ہے۔ کبھی یہ بہت بڑا شہر تھا مگر اب زیادہ تر برباد ہوگیا ہے +

پھر میں **کابل** پہنچا یہ بھی کبھی بڑا شہر تھا۔ مگر اب زیادہ تر کھنڈرات ہیں یہاں ایرانی لوگ آباد ہیں جنہیں افغان کہا جاتا ہے۔ اس ملک کے پہاڑ نہایت دشوار گذار ہیں۔ ان میں تنگ درے ہیں۔ لوگ قوی اور تند ہیں۔ زیادہ تر راہ زن ہیں +

سب سے بڑا سلسلہ پہاڑوں کا کوہستان سلیمان کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلیمان نے ہندوستان کا قصد کیا۔ اور ایسے پہاڑ اس کے راستہ میں آئے۔ تو وہ آگے نہ بڑھا۔ اس لئے یہ نام کوہستان سلیمان مشہور ہوگیا۔ کوہ سلیمان پر ان کا بادشاہ رہتا ہے +

باب ششم

سیرِ ہندوستان

پھر کابل سے میں کرمش کے درہ کے راستہ روانہ ہوا جس راستہ میں یہ لوگ قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ مگر الحمد للہ ہم بدقت اور بمشکل تمام جوں توں کر کے صحیح و سالم یہاں سے گذر گئے +

پھر ہم ششنگر میں پہنچے۔ جو ترکی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں سے ہم اُس بڑے صحرا میں سے گذرے جس کی پندرہ دن کی مسافت ہے +

اس صحرا میں باد سموم کے باعث برس میں صرف ایک ہی موسم میں سفر کر سکتے ہیں کیونکہ سموم سے انسان کا بدن فوراً پاش پاش ہو جاتا ہے +

غرض ہم پنجاب میں حفظ و امان سے پہنچ گئے۔ یہاں پانچ دریا بہتے ہیں۔ زمین نہایت زرخیز ہے۔ محرّم الحرام کے شروع میں ہم پہلے دریا کے کنارے جا پہنچے۔ جس سے ہمیں بہت آرام ملا۔ ۷۳۴ھ ہجری المقدس مطابق ۱۳۳۳ء +

یہاں سے خبر رسان نے شاہنشاہ ہند کو ہمارے آنے کی خبر دی۔ یہاں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص دوسرے ملک سے آئے اور بادشاہ کو ملنا چاہے۔ تو یہیں سے بادشاہ کو اطلاع دیجاتی ہے۔ اُس اطلاع میں وہ نو وارد کے حالات اور اس کا مدعا لکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص بادشاہ کی حضور میں باریاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ بادشاہ کو اُس کی نسبت پہلے اچھی آگاہی نہ حاصل ہو جائے +

مذکورہ بالا دریا کا نام سندھ ہے۔ جو دنیا کے بڑے دریاؤں میں سے ہے۔ یہ دریا نیل کی مانند موسم گرما میں طغیانی پر آتا ہے۔ اور اسی موسم میں یہاں کسان تخم پاشی کرتے ہیں۔ اور یہاں سے ہی سندھ اور ہندوستان کے بادشاہ کا ملک

شروع ہو جاتا ہے۔ جو اس وقت محمد تغلق ہے +

یہاں سے اسپ سندھ کو مسافروں کے حلیہ وغیرہ ملتان بھیجے جاتے ہیں۔ اس وقت اسپ سندھ سلطان محمد سر سبز شاہ مملوک ہے۔ جو شاہ ہند کی فوجوں کو ملاحظہ کرتا ہے +

پھر میں ٹھہ جانی میں پہنچا جس میں ایک قوم مسمّے السامرہ آباد ہے۔ یہ لوگ اجنبیوں کے ساتھ نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں۔ اور نہ رشتہ کرتے ہیں +

یہاں میں شیخ الصالح العابد الزاھد بہائی الدین القریشی کو ملا۔ جو اُن تین بزرگوں میں سے ہیں۔ جن کو ملنے کیلئے مجھے شیخ الولی برہان الدین الاعرج نے سکندریہ میں فہمائش کی تھی۔ غرض اس بزرگ سے میں نے ملاقات کی اور بہت خوش ہوا۔ الحمد للہ +

پھر میں شہر سیوستان کو گیا۔ آبادی اس شہر کی معمولی ہے۔ اس کے نزدیک ایک صحراء ہے۔ جس میں سوائے مصری کانٹے دار جھاڑیوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دریا کے کنارے پر صرف خربوزے ہوتے ہیں۔ لوگ عموماً۔ باجرے۔ مٹر۔ اور بھینس کے دودھ پر گذارہ کرتے ہیں۔ بھینسیں یہاں بکثرت ہیں۔ یہ جگہ ملتان کی نسبت نہایت گرم ہے۔ اور ملتان سے دس دن کے فاصلے پر ہے۔ اور ملتان دہلی سے پچاس دن کے فاصلے پر ہے۔ جہاں قاصدوں کے ساتھ جانا پڑتا ہے +

ہندوستان میں دو قسم کے قاصد ہوتے ہیں۔ سوار اور پیادے۔ انہیں البرلاق کہتے ہیں +

سوار جو سلطان کی طرف سے مقرر ہیں۔ ہر چار میل پر ٹھہرتے ہیں۔ اور پیادہ کے لئے ہر میل پر منزل بنی ہوئی ہے۔ ہر تین میل پر ایک آباد گاؤں ہے۔ جہاں قاصد کے دم لینے کے لئے سامان موجود رہتا ہے +

ہر ایک قاصد کے ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے۔ قریباً دو ہاتھ لمبا جس کے سرے پر گھنٹیاں ہوتی ہیں +

جب کوئی قاصد کسی شہر سے روانہ ہوتا ہے۔ تو خطوط اور احکام وغیرہ اس کے ایک ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں یہ چابک جسے وہ ہر وقت ہلاتا رہتا ہے جب

وہ ایک منزل طے کر چکتا ہے۔ تو منزل پر ایک تازہ دم قاصد تیار رہتا ہے۔ جو ڈاک اس سے لیکر آگے بھاگتا ہے۔ اور دوسری منزل پر ایک اور تازہ دم کے حوالے کر دیتا ہے +

اس طریق سے بادشاہ تک کا غذات بہت جلدی چلے جاتے ہیں۔ سیوستان میں میں شیخ محمد البغدادی کو ملا۔ جو ایک سو پچاس برس کے تھے۔ یہ بزرگ زندہ تھے جب کہ تاتاریوں نے خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کیا تھا +

پھر میں شہر لاھیری کو گیا۔ جو بحیرہ ہند کے کنارے پر واقع ہے۔ اور جہاں دریائے سندھ سمندر میں جا کر ملتا ہے۔ اس کا بندرگاہ بہت بڑا ہے۔ اور ایران۔ یمن۔ اور اور ممالک کے جہاز یہاں آکر ٹھہرتے ہیں +

شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ایک اور شہر کے کھنڈر ہیں۔ جس میں انسان اور حیوان کے پتھر کے بت بیشمار ہیں۔ یہاں کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ مورخوں کے قول کے بموجب اس شہر کے باشندے اس قدر بگڑ گئے تھے کہ خدا نے انسانوں اور حیوانوں سب کو پتھر بنا دیا۔ یہاں تک کہ اناج اور بقولات بھی پتھر کے ہو گئے اور جو یہاں اب تک دستیاب ہوتے ہیں +

پھر میں بکار کی طرف گیا جس میں سندھ کا ایک معاون دریا بہتا ہے۔ اور شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہاں میں شیخ شمس الدین محمد شیرازی کو ملا۔ جو نہایت زاہد اور نیک آدمی ہیں +

یہ بھی درازی عمر کے لئے مشہور ہیں۔ چنانچہ مجھ سے انہوں نے بیان کیا۔ کہ میری عمر ایک سو بیس برس کی ہے +

پھر میں شہر اوچہ کو گیا۔ جو سندھ میں ایک بڑا شہر ہے۔ سندھ کا امیر اس وقت الملک الفاضل الشریف جلال الدین الکیجی تھا۔ جو بڑا بہادر اور فیاض حاکم تھا۔ اس کی مجھ سے دوستی ہو گئی۔ اور نہایت محبت ہو گئی۔ ایک دفعہ پھر ہم اس کے بعد دھلی میں ملے +

یہاں سے میں ملتان آیا۔ جو سندھ میں سب سے بڑا شہر ہے۔ جس کے امیر کے سامنے سلطان کے سپاہی ہر وقت حکما حاضر رہتے ہیں +

امیر کے سامنے ہر وقت کئی قسم کی کمانیں رہتی ہیں۔ اور جو شخص کماندار کے

عہدہ پر فوج میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی طرف امیر ایک کمان اُٹھا کر پھینکدیتا ہے۔ جسے وہ اپنی پوری طاقت سے کھینچتا ہے۔ پس جس قدر اس کی طاقت معلوم ہو اُسی پیمانہ سے اُسے عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص سواروں میں بھرتی ہونا چاہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لیکر زور سے دوڑتا ہے اور نیزے سے ایک ڈھول کو جو وہاں موجود رہتا ہے چھیدتا ہے۔ اُس کی زد کے مطابق اُسے مقرر کیا جاتا ہے +

میرے سامنے بھی کئی لوگ امیر۔ عالم۔ اور ذی مرتبت شاہنشاہ سے ملنے کے ارادے پر غیر ممالک سے آئے ہوئے تھے +

چند روز کے بعد سلطان دھلی کی طرف سے ایک ناظر ہمارے پاس آیا۔ تاکہ ہمیں بادشاہ کے پاس لے چلے۔ غرض ہم سب بہت جلد دہلی میں پہنچے۔ جو ملتان سے چالیس دن کی مسافت پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقام آئے۔ اور شب و روز ہم نے ضیافتیں کھائیں +

ہمارے ساتھ جو لوگ تھے ان کو ملنے کے لئے لوگ شہر سے باہر آتے۔ اور ہم سب کی ضیافت کرتے +

پہلا شہر جو ہندوستان میں ہم کو ملا وہ ابوھر تھا۔ جو ایک چھوٹا سا گنجان آباد شہر تھا۔ پانی اور زراعت کی کثرت تھی +

ہندوستان میں کوئی بھی ایسا میوہ نہیں ہے۔ جو ہمارے ملک میں مشہور رہو۔ سوائے تربوز کے جو ہمارے ہاں سے بڑا اور زیادہ شیریں ہوتا ہے +

درخت یہاں بہت بڑے بڑے ہیں۔ مگر جو ہمارے ملک میں نہیں ہوتے۔ آم کا درخت کسی قدر رنگترے کے درخت کے مشابہ ہے۔ سوائے اس کے کہ اُس کا تنا اُس سے بڑا۔ اور پتے تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کا سایہ بھی بہت ہوتا ہے۔ اس کے نیچے سونا مضر ہے۔ کیونکہ بخار کا ڈر ہوتا ہے +

اس کا میوا ایک بڑے دمشقی انناس کے برابر ہوتا ہے۔ سبزی کی حالت میں کچا ہوتا ہے۔ جسے آچار بنا کر کھاتے ہیں +

اسی طرح ادرک اور مرچوں کا آچار ڈال کر کھانے کے ساتھ کھاتے ہیں۔ خزاں کے

موسم میں آم پک جاتے ہیں۔ تو وہ سیب کی مانند کھاتے ہیں۔ مزہ میٹھا ہوتا ہے۔ مگر دانت مارنے سے کھٹائی بھی دیتا ہے۔ اس کی گٹھلی بہت بڑی ہوتی ہے جسے زمین میں بونے سے پھر درخت پیدا ہو جاتا ہے +

ہندوستان میں جو میوے ہوتے ہیں۔ اُن کی دو قسمیں ہیں۔ شُکّی۔ اور برگی۔ شُکّی وہ ہیں جو اونچے درختوں میں لگتے ہیں۔ اور برگی وہ ہیں جو زمین کے اندر یا ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً تربوز۔ کدو وغیرہ۔ اس کا چھڑہ موٹا ہوتا ہے۔ اور بیج اس میں ایک سے دو سو تک ہوتے ہیں +

غرض شُکّی اور برگی ہندوستان میں سب سے عمدہ میوے ہوتے ہیں +

ایک اور قسم کا میوہ ہوتا ہے جسے وہ کھرنی کہتے ہیں۔ جو آبنوس کا میوہ ہے۔ اس کا بیج کشمش کے برابر ہوتا ہے۔ یہ میوہ نہایت ہی شیریں ہے +

یہاں ایک اور میوہ جامن ہوتا ہے۔ درخت بڑے قد کے۔ میوہ سیاہ اور گٹھلی بھی سیاہ +

یہاں رنگترے اور میٹھے بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ مگر رنگتروں کی قدر بہت ہے (رنگترے پیوند کے میوے سے مراد ہے) +

ایک اور میوہ ہے جسے وہ مہوہ کہتے ہیں۔ درخت بڑے قد آور اور پتے جوز کی مانند ہوتے ہیں +

بیر یہاں بکثرت ہوتے ہیں۔ جو سکھا کر کھائے جاتے ہیں۔ اور کھجور کی طرح ان کا مزہ ہوتا ہے +

انگور ہندوستان میں بہت کم ہیں۔ دہلی میں صرف پائے جاتے ہیں۔ دو دفعہ فصل ہوتا ہے +

کھجور ہندوستان میں نہیں ہوتی ہے +

علاوہ اور میووں کے یہاں انار بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ سال میں دو دفعہ پکتے ہیں +

غلّہ سال میں دو دفعہ بویا جاتا ہے خسزاں کے لئے نصف گرما میں جبکہ مینہ پڑتے ہیں۔ اسے بوتے ہیں +

علاوہ اور غلوں کے ہندوستان میں ایک غلہ کدرُو ہوتا ہے۔ جو نہایت کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کھایا جاتا ہے۔ غلہ بھی بہت قسم کے ہوتے ہیں +

شاماخ بغیر زراعت کے پیدا ہوتا ہے۔ اور فقیر۔ زاہد۔ گوشہ نشین اور غریب لوگ بہت کھاتے ہیں۔ اور سال بھر اسی پر گذارہ کرتے ہیں۔ اسے اوپر سے صاف کر کے اور دودھ میں پکا کر کھایا جاتا ہے۔ اور اس طرح خوب لذیذ ہو جاتا ہے +

ایک اور غلہ ماش کہلاتا ہے۔ اسے چاولوں میں ملا کر کھچڑی پکا کر کھاتے ہیں علاوہ ان کے لوبیا اور مٹر وغیرہ ہیں۔ جن سے مختلف کام لئے جاتے ہیں۔ مویشیوں کو چارے جاتے ہیں۔ اور مختلف کھانے پکائے جاتے ہیں +

جس قدر غلوں کا ذکر ہوا وہ خزاں کے ہیں۔ دوسرے موسم کے نہیں۔ گیہوں جوار باجرا۔ دالیں۔ مکی۔ وغیرہ کے لئے یہاں کی زمین نہایت عمدہ ہے + چاول برس میں تین دفعہ کاٹے جاتے ہیں۔ کئنے خزاں کے غلہ کے ساتھ بوئے جاتے ہیں +

آخر کار میں شہر اتوہر سے چلا۔ راستہ میں ایک دن جنگل میں سفر کرنا پڑا جس کے دونو طرف پہاڑ تھے اور جہاں ہندو رہتے تھے۔ ہندوستان کے زیادہ تر باشندے کافر اور بت پرست ہیں۔ بعض اسلامی حکومت کے ماتحت شہروں اور دیہاتوں میں امن سے بستے ہیں۔ مگر باقی پہاڑوں پر رہکر قافلوں کو لوٹتے اور قزاقی کرتے ہیں۔ میرے ساتھ بائیس آدمی تھے۔ جبکہ اسی پیادہ اور دو سوار ہندوؤں نے ہم پر حملہ کیا۔ ہم نے بھی مقابلہ کیا۔ اور خدا کے فضل سے شکست دی۔ اور ایک سوار اور بارہ پیادوں کو تہ تیغ کیا +

بعد ازاں ہم ایک قلعہ میں پہنچے۔ جس سے ہو کر شہر اجودھن میں آئے۔ یہاں میں شیخ فرید الدین البداونی سے ملا۔ جن کا ذکر شیخ الولی برہان الدین نے سکندریہ میں مجھ سے کیا تھا۔ میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اور شیخ کا سلام دیا۔ انہوں نے میری بہت خاطر کی +

شیخ بہت وہمی ہیں۔ اگر کوئی ان کے کپڑے کو ہاتھ لگاتا ہے۔ یا ان کا کپڑا

کسی کے بدن سے لگ جاتا ہے۔ تو اسے فوراً دھو ڈالتے ہیں۔ یہ النبل کے ایک شہر بڈاوند کے رہنے والے ہیں +

اس جگہ میں نے اُن عورتوں کو دیکھا جو اپنے خاوند کے مرنے پر ستی ہو جاتی ہیں +

جب عورت کا خاوند مرجاتا ہے تو وہ زیور پہن کر بناؤ سنگار کرتی ہے۔ برہمن اور دوسرے لوگ اُس کے ساتھ باجے بجاتے ہیں۔ ہندو مسلمان سب تماشے کے طور پر اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔ جس آگ میں اُس کے خاوند کی لاش کو جلایا جاتا ہے۔ اُسی میں وہ خود گر پڑتی ہے۔ اور دونو ملکر راکھ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہندؤں میں یہ فرض نہیں ہے کہ ہر ایک عورت اس طرح جلے۔ مگر اسے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اور جس گھر سے اس طرح کوئی عورت جلے اُس گھر کی عزت کیجاتی ہے۔ اگر عورت ستی نہ ہو۔ تو پھر باقی عمر وہ موٹے کپڑے پہن کر ساری عمر اپنے رشتہ داروں میں گذارتی ہے۔ جو عورت ستی ہونا چاہتی ہے۔ عموماً اس کے گرد عورتیں جمع رہتی ہیں۔ جو اُسے الوداع کہتی ہیں۔ اور اپنے پہلے مردوں کو اُس کے ہاتھ سلام و پیام بھیجتی ہیں۔ وہ خود ہنستی ہے۔ کھیلتی کودتی ہے۔ ناچتی ہے۔ خاصکر جلنے کے وقت وہ بہت ہی خوش ہوتی ہے +

بعض ہندو گنگا میں جہاں وہ جاترا کرنے جاتے ہیں خود غرق ہو جاتے ہیں۔ اور اس دریا میں وہ اپنے مردوں کی راکھ بہا دیتے ہیں +

جب کوئی شخص غرق ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے کسی رشتہ دار کو مخاطب کر کے یوں کہتا ہے:۔

"سُنو یہ مت خیال کرنا۔ کہ میں کسی دنیاوی غرض کے لئے یہ کرتا ہوں۔ بلکہ میرا اصلی مقصود رام کا قرب حاصل کرنا ہے"

رام ہندؤں کی زبان میں خدا کو کہتے ہیں۔ جب وہ غرق ہو جاتا ہے تو اُس کی لاش نکال کر جلاتے ہیں۔ اور راکھ گنگا میں پھینک دیتے ہیں +

چار دن کے سفر کے بعد میں شہر سرستی میں پہنچا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور چاول بکثرت ہوتے ہیں۔ جو یہاں سے دہلی جاتے ہیں +

یہاں سے میں ھانسی کو گیا۔ جو نہایت خوبصورت اور گنجان شہر ہے۔ اس کا قلعہ نہایت مضبوط ہے ✣

یہاں سے میں مسعود آباد کو گیا۔ اور وہاں تین دن رہا ✣

شاہنشاہ محمد تغلق جن کو ہم ملنا چاہتے تھے۔ اب دہلی سے دارالخلافہ چھوڑ کر قنوج چلے گئے تھے۔ جو دہلی سے دس روز کی مسافت پر ہے ✣

مسافروں کے استقبال کے لئے بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ جہان احمد ابن عباس ایک روم کے باشندے کو مع چند حکیموں اور شہزادوں کے دہلی بھیجا۔ وزیر نے سواری میں ایسا انتظام رکھا تھا۔ کہ ہر ایک کو اپنے اپنے مرتبے کے موافق جگہ ملی تھی ✣

باب ہفتم

دھلی کی کیفیت

آخر ہم دھلی (دارالخلافہ) میں پہنچے۔ یہ ایک بڑا عظیم الشان شہر ہے آبادی بہت زیادہ ہے مضبوطی اور خوبصورتی دونوں کے اعتبار سے بے مثل اور لاجواب ہے جیسی مضبوط شہر پناہ دہلی کے گرد بنی ہوئی ہے۔ ویسی عمدہ اور مستحکم شہر پناہ دنیا کے کسی شہر میں نہیں ہے۔ تمام بلاد ہندوستان پر نہیں بلکہ دہلی کو تمام مشرقی دنیائے اسلام کے شہروں پر ترجیح ہے۔

فی الحال دہلی چار مختلف شہروں پر منقسم ہے۔ جو قریب قریب اور ایکدوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ وہ حصہ جسے خاص دہلی کہتے ہیں وہ قدیم شہر ہے۔ اور ہندوؤں کا آباد کیا ہوا ہے۔ جس کو ۵۸۴ھ ہجری المقدس میں مسلمانوں نے فتح کیا۔

دوسرا شہر جسے سیری کہتے ہیں دارالخلافت ہے۔ جو پیشتر سلطان علاؤالدین اور اُس کے بیٹے قطب الدین کا شہر خلافت تھا۔

یہ شہر سلطان وقت نے معتصم باللہ کے نواسے غیاث الدین کو دے دیا تھا۔

تیسرا شہر تغلق آباد کہلاتا ہے جس کو سلطان محمد تغلق جس کے عہد میں مجھے ہندوستان کی زیارت نصیب ہوئی۔ اُس کے والد غیاث الدین نے آباد کیا تھا۔

تغلق آباد اس طرح آباد ہوا۔ کہ غیاث الدین تخت نشین ہونے سے پہلے جب سلطان قطب الدین کے امراء سے دربار میں تھے۔ تو اتفاقاً ایک روز سلطان قطب الدین کا ایک خوش سواد اور مناسب مقام پر گذر ہوا۔ غیاث الدین نے

بادشاہ کی خدمت میں دست بستہ عرض کی۔ کہ :۔
"خداوند عالم۔ اگر اس مقام پر شاہی قصر اور شہر آباد ہو۔ تو نہایت مناسب ہے" +
قطب الدین نے استہزا بنا نسے لہجے میں کہا :۔
"اچھا صاحب تم بادشاہ ہونا تو ایسا ہی کرنا" +
خدا کی قدرت قطب الدین کے بعد تاج شاہی غیاث الدین ہی کے سر پر رکھا گیا اُس نے اپنے دل میں کہا۔ اب خدا نے میری ولی نعمت کی آرزو پوری کی۔ تو مجھے بھی اُس کا قول پورا کرنا چاہئیے۔ لہٰذا اس شہر کی بنیاد ڈالی اور نہایت رفعت و شان سے آباد کیا +
چوتھا شہر جہاں پناہ کے نام سے نامزد ہے۔ اور سلطان عصر سلطان محمد تغلق اس شہر میں رہتا ہے۔ یہ بڑا اولوالعزم بادشاہ ہے اُس نے ارادہ کیا تھا کہ ایک اتنی بڑی شہر پناہ بنائے کہ دہلی کے چاروں حصے اس میں آجائیں۔ بلکہ یہ کام شروع بھی کر دیا۔ مگر بوجہ زیادتی مصارف کے بغیر تکمیل کو پہنچنے کے چھوڑ دیا گیا۔ قدیم شہر پناہ دہلی جو عرصہ سے قائم ہے۔ وہ ایسی مستحکم و مضبوط ہے کہ اُس کے برابر مضبوط اور ویسی عجیب و غریب شہر پناہ دنیا کے کسی شہر کے گرد نہ ہوگی۔ دیوار کا آثار گیارہ گز ہے۔ اور سارے شہر کے گرد دیوار اتنی ہی چوڑی ہے۔ جا بجا اس پر مکانات بنے ہوئے ہیں جن میں محافظین شہر۔ اور اکثر اہل پولیس رہا کرتے ہیں۔ اس شہر پناہ کے اندر جا بجا کھتے ہیں۔ جن میں غلہ بھرا ہوا ہے۔ اور نہایت حفاظت سے رکھا جاتا ہے۔ اور بعض جگہ اس شہر پناہ میں اسلحہ اور جنگی ضرورتوں کا سامان فراہم رہتا ہے۔ لیکن غلہ جس حفاظت سے ان کھتوں میں رہتا ہے۔ اس پر مجھے بھی حیرت ہے۔ مدتوں تک پڑا رہتا ہے۔ اور اس میں کوئی تغیر یا خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ ان کھتوں سے چاول نکالے گئے تھے۔ اُن کو میں نے خود دیکھا تھا۔ رنگ میں تو ضرور میلا پن آگیا تھا۔ مگر مزے میں مطلقاً فرق نہیں پڑا۔ ان کھتوں میں جو کچھ غلہ تھا سب سلطان بلبن کا فراہم کیا ہوا تھا۔ جس کو نوے برس کا زمانہ گذر گیا تھا۔ اس شہر پناہ پر دو سوار نہایت آسانی سے دوڑ سکتے ہیں دیوار

نیچے سے چوڑی ہے۔ اور اوپر سواروں کے دوڑنے کے قابل وسعت چھوڑ کے دیوار کا ایک حلقہ قائم کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے سوار شہر کی طرف سے تو نظر آسکتے ہیں۔ لیکن باہر سے کوئی انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نیچے کا حصہ پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اور اوپر کی دیوار اینٹ اور چونے سے قائم کی گئی تھی۔ بلندی پر قریب قریب برابر برج چلے گئے ہیں۔ جو نہایت خوشنما۔ اور بہت ہی بکار آمد ہیں۔ شہر پناہ کے اٹھائیس دروازے ہیں۔ اور اکثروں پر گنبد بنے ہوئے ہیں +

دہلی کی جامع مسجد دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے آگے بہت بڑا اور وسیع صحن ہے۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے پہلے یہ ہندوؤں کا ایک مندر تھا۔ دیواریں چھت اور فرش جس چیز کو دیکھئے سنگ مرمر کی ہے۔ جس کو عجیب صنعت سے ہموار کیا ہے۔ اور سیسہ پگھلا پگھلا کے ان پتھروں کی جڑائی کی گئی ہے۔ جس سے زیادہ مضبوط جوڑ اور کسی طرح بیٹھ نہیں سکتا۔ لکڑی کا کہیں نام بھی نہیں +

اس مسجد پر پتھر کے ۱۳ گنبد ہیں۔ ممبر بھی پتھر کا ہے۔ چاروں طرف عمارت ہے۔ اور درمیان میں ایک عجیب و غریب ستون جس کی نسبت ابھی تک یہ دریافت نہیں ہوسکا۔ کہ کس دھات کا بنا ہوا ہے۔ بعض محققین سے میں نے سنا کہ سات دھاتوں کی ترکیب سے جسے "ہفت جوش" فارسی میں کہتے ہیں۔ بنا ہے +

کوئی آلہ اسے نہیں کاٹ سکتا۔ تیس گز لمبا ہے۔ اس کے دور کو میں نے اپنے عمامہ سے ناپا تو آٹھ گز تھا +

ایک اور عجیب و غریب مینار بخلاف ساری مسجد کے سنگ سرخ کا بنا ہے۔ مسجد کے اور تمام حصوں میں سنگ مرمر لگا ہے۔ مینار کے پتھر پر کھود کر نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ بلندی بہت زیادہ ہے۔ چوٹی سنگ مرمر کی ہے۔ جس کے حاشیوں پر طلاء کاری کا کام کیا ہوا ہے۔ اس کی بلندی پر چڑھنے کے لئے راستہ ایسا وسیع ہے۔ کہ ہاتھی بھی چڑھ سکتا ہے۔ بلکہ تعمیر کے وقت شاید ہاتھی چڑھتے بھی تھے +

اس مینار کو معزالدین بن ناصرالدین بن سلطان غیاث الدین بلبن نے تعمیر کیا تھا +

اُس کے بعد سلطان قطب الدین نے ارادہ کیا تھا۔ کہ ایک مینار اس سے بہت بڑا تعمیر کرائے مگر اُس کی عمر نے وفا نہ کی ✣

سلطان قطب الدین نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ شہر کے حصہ سیری میں جسے دارالخلافہ کہتے ہیں۔ ایک اور جامع مسجد تعمیر کرے۔ جو رفعت و شان میں کل گذشتہ عمارتوں سے بڑھ کر ہو۔ مگر سوائے سامنے کی دیوار اور محرابوں کے کچھ نہ بن سکا اس میں چار پتھر سنگ موسیٰ۔ مرمر سُرخ اور سبز۔ استعمال کئے گئے تھے تین ۳۵ لاکھ روپیہ صرف مزدوروں کی مزدوری کا تخمینہ ہُوا تھا ✣

شہر دہلی کے باہر ایک بہت بڑا حوض ہے۔ جو سلطان شمس الدین التمش کے نام منسوب کیا جاتا ہے۔ اس سے شہر کے لوگ پانی استعمال کرتے ہیں۔ حوض کا طول ۲ میل اور عرض ایک میل ہے ✣

ایک اور حوض ہے جو پہلے سے بڑا ہے۔ اس کے گرد اہل نشاط اور رنڈیاں رہتی ہیں۔ میں نے متعدد لوگوں سے سُنا ہے کہ یہ کمبخت عورتیں رمضان میں تراویح مسجد میں آکر پڑھتی ہیں۔ افسوس! ✣

دہلی کے گرد کئی ایک بزرگوں کے مقبرے بھی ہیں مثل خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ فقیہ نورالدین کرلانی۔ فقیہ علاؤالدین کرمانی ✣

علما بھی بڑے بڑے معتبر اور مستند موجود ہیں۔ جن میں سے ایک شیخ محمد کیا ہیں۔ ان کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں امداد غیب حاصل ہے کیونکہ ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اور فیاض اس قدر ہیں کہ ہزارہا روپیہ راہ خدا میں دیتے رہتے ہیں۔ شب و روز مہمانداری اور خدمت فقرا ہی میں گذارتے ہیں ✣

ایک عالم شیخ علاؤالدین ہیں۔ یہ ہر جمعہ کو وعظ فرماتے ہیں۔ اُن کے وعظ میں یہ اثر ہے کہ کوئی جمعہ خالی نہیں جاتا۔ کہ لوگ اُن کے ہاتھ پر کفر و شرک سے توبہ نہ کرتے ہوں۔ اور بعض لوگ اُن کے مؤثر الفاظ سن کر وجد میں آجاتے اور بیہوش ہو جاتے ہیں ✣

شہر دہلی کو امیر قطب الدین ایبک نے جو شمس الدین غوری کے مملوک

میں سے تھا فتح کیا تھا۔ شمس الدین غوری غزنی اور خراسان کا بادشاہ تھا جس نے ابراھیم ابن محمود سبکتگین اول فاتح ہند کو مغلوب کیا تھا امیر قطب الدین۔ شہاب الدین غوری کی طرف سے یہاں حاکم مقرر رہا۔ مگر اس کی وفات پر شمس الدین التمش حاکم ہوا۔

شمس الدین سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اور بیس برس تک ہندوستان کا حاکم رہا۔

یہ شخص منصف۔ عالم۔ اور پابند شرع تھا۔ اس کے مرنے پر رکن الدین بادشاہ ہوا۔ مگر اپنے بھائیوں کو مار کر خود بھی مارا گیا۔ اس پر سب نے باتفاق رائے اس کی بہن رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھایا جس نے چار برس حکومت کی۔ وہ خود فوج میں گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتی تھی۔ اور مردوں کی طرح سب کام کرتی۔ مگر انجام کار ایک بے اعتدالی کے باعث اس کو سلطنت سے کنارہ کش ہونا پڑا۔

بعد ازاں اس کا چھوٹا بھائی نصیر الدین محمود بادشاہ ہوا۔ جو بیس برس تک حکومت کرتا رہا۔

یہ شخص نہایت زاہد متقی اور منصف مزاج تھا۔ یہاں تک کہ خود کتابیں اور قرآن لکھ کر ان سے اپنا ذاتی گذارہ کرتا تھا۔

اس بادشاہ کی صرف ایک بیوی تھی جس کو اپنے ہاتھ سے روٹی۔ ہانڈی پکانا پڑتی تھی۔ اور سارے گھر کا کام سرانجام کرنا پڑتا تھا۔ بیچاری کے ہاتھ میں ایک مرتبہ چھالے پڑ گئے۔ بہت تنگ آ گئی اور شوہر سے منت کہا۔ کہ ایک لونڈی یا غلام نوکر رکھ دو بادشاہ نے جواب دیا کہ میری محنت سے اس قدر آمدنی نہیں ہو سکتی کہ غلام یا لونڈی رکھنے کی گنجائش ہو۔ خزانہ شاہی کی ایک کوڑی مجھ پر حرام ہے۔ کیونکہ میں امین ہوں اور امین کو امانت میں خیانت نہ چاہیئے۔ شاہی خزانہ رعایا کا حق ہے۔ اور بادشاہ کا اس پر کچھ استحقاق نہیں۔

یہ بادشاہ دیندار اور متقی بھی غایت درجہ کا تھا۔ صرف ایک نوکر سلطنت کی طرف سے معمولی کاروبار کے واسطے رکھا ہوا تھا۔

اس نوکر کا نام محمد تھا۔ آپ نے ایک روز اس کو تاج الدین کے نام سے

پکارا کسی قدر تامل سے وہ آیا۔ اور جو حکم ملا وہ بجالایا۔ مگر پھر گھر جا کر بیٹھ رہا۔
بادشاہ کو تشویش ہوئی۔ اراکین سلطنت کو بھیجا۔ اور بمشکل بلا کر گھر بیٹھ رہنے کی وجہ دریافت کی +

نوکر نے جواب دیا کہ "جناب نے بالکل خلاف معمول آج مجھ کو تاج الدین کے نام سے پکارا تھا۔ میں سمجھا کہ جہاں پناہ کی طبیعت مجھ سے ناخوش ہے" +

بادشاہ نے نہایت حلیمی سے کہا کہ " بھائی اس وقت میں بے وضو تھا۔ اور جو تمہارا نام ہے۔ اس کو زبان سے نکالنا بھی خلاف ادب سمجھا تھا۔ لہذا میں نے تم کو تاج الدین کے نام سے پکارا تھا" +

اس کے بعد نواب غیاث الدین احمد اس کے باپ کے ایک ملوک میں سے جس نے اُسے قتل کیا تھا۔ جانشین ہوا۔ اس کا اصلی نام بلبن تھا +

یہ بادشاہ منصف۔ دانا۔ اور نرم مزاج تھا۔ اور بیس برس تک حکومت کرتا رہا +

اُس نے ایک مکان بنایا جس کا دارالامان نام رکھا تھا جب کبھی کوئی مقروض اُس میں داخل ہوتا۔ اس کا قرضہ بادشاہ کی طرف سے ادا کر دیا جاتا۔ اور ہر مظلوم یہاں انصاف پاتا۔ وفات پر یہ اُسی مکان میں دفن کیا گیا تھا۔ میں نے خود اُسکی قبر دیکھی +

اس کی ابتدائی تاریخ عجیب ہے۔ بچپن میں یہ بخارا میں رہتا تھا۔ اور کسی شخص کا غلام تھا۔ اور ہر طرح نہایت بُری حالت میں تھا شکل اور صورت اور غربت کے لحاظ سے۔ ایک دفعہ کسی فقیر نے اُسے " او چھوٹے ترک " کہکر بلایا۔ اور یہ خطاب ترکوں میں نہایت حقارت کا ہے +

اُس نے جواب دیا :۔

"جناب فرمائیے بندہ حاضر ہے" +

فقیر حیران ہوگیا اور اسے کہا کہ :۔

"جاؤ وہ انار خرید لاؤ" +

لڑکا بھاگ کر جو قیمت اُس کے پاس تھی دیکر انار لے آیا اور فقیر کو دیدیا +

فقیر نے بلبن سے کہا:۔

"ہم تمہیں ہندوستان کی حکومت دیتے ہیں" +

لڑکے نے اپنا ہاتھ چوم لیا۔ اور کہا:۔

"مجھے قبول ہے" +

اتفاقاً انہی دنوں میں سلطان شمس الدین نے ایک سوداگر سنجار کو کچھ غلام خریدنے کے لیئے بھیجا۔ اُس نے ایک سو غلام خریدے۔ جن میں ایک بلبن بھی تھا +

جب یہ غلام بادشاہ کے سامنے حاضر کیئے گئے تو سب پسند آئے مگر بلبن ناپسند ہوا۔ اور اُس کے پسند نہ آنے کی وجہ اُس کی بدشکلی تھی +

اس پر بلبن نے بادشاہ سے کہا:۔

"جہاں پناہ۔ آپ نے یہ غلام کس کے لیئے منگائے ہیں" +

بادشاہ نے مسکرا کر کہا:۔

"اپنے لیئے" +

اس پر بلبن نے کہا:۔

"تو مجھے خدا کے لیئے خرید لو" +

بادشاہ نے خرید لیا۔ مگر بدصورتی کے باعث ادنےٰ غلاموں میں رکھا +

جو منجم بادشاہ کے پاس تھے۔ ان میں سے ایک اکثر بادشاہ کو کہا کرتا تھا۔ کہ ان غلاموں میں سے ایک تیرے بعد تیرے لڑکے پر غالب آئیگا۔ مگر بادشاہ بباعث انصاف اور عمدہ خو کے اس بات کی پرواہ نہ کرتا +

منجم نے یہی بادشاہ کی ماں سے یہی بات کہی جس نے اپنے بیٹے کو نہایت اصرار سے اس کی اطلاع دی +

اس پر بادشاہ نے منجم کو طلب کر کے پوچھا کہ:۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ غلام کون ہے"؟

منجم نے کہا کہ:۔

"ہاں ایک نشان ہے جس سے میں اُسے پہچان لونگا" +

چنانچہ منجم نے حسب ارشاد تمام غلاموں کو اچھی طرح غور سے دیکھا۔ مگر دریافت نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ شام قریب آگئی +

اس وقت غلاموں کے اُس زمرہ کو جس میں بلبن تھا۔ اشتہا معلوم ہوئی ان سب نے ملکر بازار سے کچھ کھانے کو منگانا چاہا۔ اور بلبن کو بھیجا +

بلبن بازار گیا۔ مگر کچھ نہ ملا۔ اور خالی ہاتھ واپس آگیا +

تنتے میں اُس زمرے کی بھی باری آگئی۔ اور بلبن واپس نہ آیا۔ تو غلاموں نے ایک لڑکا پکڑ کر غلاموں کا نشان لگا ساتھ لے لیا۔ غرض سب گذر چکے اور کوئی غلام معلوم نہ ہوا۔ جس پر وہ نشانی پائی جاتی جو منجم نے سوچی تھی +

آخر انجام کار بلبن آگیا۔ اور بلبن ہی وہ شخص نکلا۔ چنانچہ اول وہ کاسہ بردار بنکا افسر۔ پھر فوج میں داخل ہوا۔ اور ایک فوجی افسر مقرر ہوا۔ پھر سلطان جلال الدین نے اپنی لڑکی سے اُس کا نکاح کر دیا۔ اور اپنا نائب بنا لیا۔ وہ سینتالیس سال اس عہدہ پر مامور رہا +

اس کے بعد بلبن نے اپنے آقا کو مار دیا۔ اور خود تخت لے لیا۔ سلطان کے دو لڑکے تھے۔ ایک خان شہید تھا جسے اُس نے حاکم سندھ مقرر کرکے اپنا نائب بنایا +

دوسرا لڑکا نصیر الدین تھا۔ جو بنگال میں لکھنوتی کا حاکم مقرر ہوا +

خان شہید کے دو لڑکے کیخسرو اور کیقباد تھے +

نصیر الدین کا ایک لڑکا معز الدین جو دہلی کے دربار میں دادا کے پاس رہتا تھا۔ جو بلبن کا آخر جانشین ہوا +

غیاث الدین بلبن رات کے وقت فوت ہوگیا۔ اور نصیر الدین لکھنوتی میں تھا۔ چنانچہ اُس نے خان شہید کے لڑکے نصیر الدین کو اپنا جانشین مقرر کیا +

سب سے بڑے وزیر کو بلبن کے امیروں اور درباریوں سے دشمنی تھی۔ اس پر اس نے ایک چالاکی کی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ اس نے امیروں کی طرف سے ایک جعلی چٹھی لکھی۔ اور اس میں لکھا۔ کہ ہم نے معز الدین بن نصیر الدین کو بادشاہ

بنا دیا ہے۔ اور یہ سبکر وہ رات کے وقت کیخسرو کے پاس گیا۔ اور اُسے چٹھی دکھاکر کہا۔ کہ تمہارے لئے اس میں خطرہ ہے +

یہ سن کر کیخسرو نے کہا:۔

"تو پھر کیا کرنا چاہئے" +

اُس نے کہا:۔

"راتوں رات شہر سے بھاگ جاؤ" +

کیخسرو نے کہا:۔

"شہر کے پھاٹک بند ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے" +

اُس نے کہا:۔

"چابیاں۔ میرے پاس ہیں۔ میں کھول دیتا ہوں" +

نوجوان اس پر بہت خوش ہوا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو۔ راتوں رات بھاگ نکلا +

چنانچہ امیر نے اُس کے غلاموں اور مصاحبوں کو بھی اسی دھوکہ سے نکال کر دروازہ بند کر دیا +

پھر وہ معزالدین بن نصیرالدین کے پاس گیا۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جب اجازت دیگئی۔ تو اُس نے آکر اپنے آپ کو شاہنشاہ مشہور کر دیا +

معزالدین نے پوچھا کہ کس طرح۔ میرے چچا کا لڑکا کیخسرو جانشین نہیں کیا گیا +

امیر نے اُسے اپنا دھوکہ سُنایا اور کہا کہ کیخسرو سے میں سرخرو ہو گیا ہوں

معزالدین نے شکریہ ادا کیا۔ اور پھر اُسے محل میں لے گیا۔ جہاں اور امیروں کو بلایا اُن سب نے راتوں رات اُس کے سر پر تاج رکھدیا +

صبح کو رعیت میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ اور معزالدین تخت پر قابض ہو گیا +

اس کا باپ بنگال میں شہر لکھنوتی میں حاکم تھا۔ اور جب اُسے لڑکے کی تخت نشینی کی خبر ملی تو اُس نے کہا:۔

"تخت کا وارث تو میں ہوں۔ میری زندگی میں میرا لڑکا کس طرح حاکم ہو سکتا ہے" +

چنانچہ وہ اپنی فوج لیکر دہلی پر چڑھ آیا۔ ادھر سے معزالدین بھی باپ سے لڑنے کو شہر سے نکلا +

دونو کا شہر کرّا میں مقابلہ ہُوا۔ جو گنگا کے کنارے آباد ہے۔ دونو دریا کی دونو طرف خیمہ زن ہو کر آمادۂ جنگ ہوئے +

مگر خدا کی مرضی نہ تھی کہ مسلمانوں کا خون بیفائدہ بہے۔ اور نصیرالدین کو بھی تخت کا افسوس نہ ہُوا۔ اُس نے سمجھا کہ جب تک میرا لڑکا بادشاہ ہے۔ میری عزت ہے +

معزالدین کو بھی باپ کے تعلق کا خیال آیا۔ چنانچہ دونو دریا کے وسط میں ملے شاہزادے نے باپ کے پاؤں چومے۔ اور معافی چاہی +

باپ نے کہا کہ میں اپنی حکومت تجھے دیتا ہوں۔ اور خود اپنے ضلعوں میں جاکر رہتا ہوں +

لڑکے نے کہا کہ نہیں آپ میرے ساتھ میرے ملک میں چلیں۔ چنانچہ وہ دونو دہلی گئے۔ اور محل میں داخل ہوئے +

باپ نے لڑکے کو تخت پر بٹھایا۔ اور خود سامنے کھڑا ہُوا۔ اس دن کو "روز ملاقات" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس دن امن اور صلح سے دونو میں ملاقات ہوئی۔ اور خونریزی نہ ہوئی +

اس کے بعد نصیرالدین اپنے شہروں کو روانہ ہوگیا۔ اور دو برس کے بعد ایک خاندان چھوڑ کر مر گیا +

غرض اس طرح پر معزالدین سلطنت پر نہایت استحکام سے قابض ہوگیا اور چار برس حکومت کرتا رہا جس عرصہ میں لوگ دن عید اور رات شب برات میں بسر کرتے رہے +

اس کے بعد وہ ایک مرض میں مبتلا ہُوا۔ یعنی ایک حصہ بدن کا بالکل مردہ ہوگیا۔ حکیموں نے بہت کوشش کی مگر علاج کارگر نہ ہُوا +

اس وقت نواب جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے بغاوت کی۔ اور شہر کے

باہر ایک پہاڑ پر قائم ہو گیا +

معزالدین نے اپنے امیروں کو لڑنے کے لئے بھیجا۔ جو سب یکے بعد دیگرے اس سے مل گئے۔ اور اُسے شاہنشاہ مقرر کیا +

جلال الدین شہر میں داخل ہوا۔ اور معزالدین کو تین دن محل میں قید رکھا بعدازاں اُسے قتل کر کے خود قابض سلطنت ہو گیا +

جلال الدین نرم مزاج اور حلیم بادشاہ تھا۔ جو دو برس تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا +

اُس کا ایک لڑکا تھا۔ اور ایک لڑکی جس کی اُس نے علاؤالدین اپنے بھتیجے سے شادی کر دی۔ جو ایک دلیر اور زبردست شخص تھا +

مگر اُس کی بیوی نے اُسے ایسا تنگ کیا کہ آخر اُسے اپنے خسر کے پاس شکایت کرنی پڑی۔ تاکہ ان جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے +

علاؤالدین کو چچا نے کڑا اور مانکپور دو ہندوستان کے نہایت آباد ضلعے تفویض کئے تھے۔ مگر علاؤالدین کے سلطنت پروانت تھے۔ اُسے صرف روپیہ کی ضرورت تھی جس کی کہ اس کے پاس کمی تھی۔ ہاں بعض نئے فتوحات سے اُسے کچھ مل گیا تھا +

ایک دفعہ اُس کا گھوڑا چلتے چلتے اڑ گیا۔ اور اُسے کچھ جھنکار کی آواز آئی جس پر اُس نے نوکروں کو کھودنے کا حکم دیا۔ جہاں سے بہت بڑا دفینہ برآمد ہوا۔ اس دولت کو اُس نے اپنے نوکر چاکر اور امیروں میں بانٹ دیا۔ اور اپنی طاقت اور جمعیت قائم کر لی +

اُس کے چچا نے اس پر چڑھائی کی۔ اور اُسے اپنے سامنے بلایا۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ آخر چچا نے خود جانا چاہا۔ اور کہا کہ وہ میرے لڑکے کے برابر ہے۔ میں خود اُس کے پاس جاؤنگا +

آخر وہ خود آیا۔ اور دونو بڑے تپاک سے دریائے گنگا کے عین وسط میں ملے مگر علاؤالدین نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیدیا تھا۔ کہ جس وقت میں اپنے چچا کو ملوں یا معانقہ کروں اُسے فوراً مار ڈالنا +

آخر جب دونو بغلگیر ہو رہے تھے نوکروں نے ایسا ہی کیا۔ جس سے علاؤالدین

ہندوستان کے تخت پر قابض ہوگیا۔ اور بیس برس تک حکومت کی +
یہ منصف تھا اور رعیت کے امور کا خود خیال کرتا تھا۔ مگر علاؤالدین کا ایک بھتیجا تھا۔ سلیمان شاہ۔ اور اُس نے بھی علاؤالدین (اپنے چچا) کے شکار کا اسی طرح ارادہ کیا جس طرح علاؤالدین نے جلال الدین کے مارنے کا کیا تھا۔ چنانچہ اُسے تیر مارا۔ اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ چاہتا تھا کہ دوسرا بھی چلائے۔ مگر ایک غلام نے کہا کہ اب بیفائدہ ہے۔ کیونکہ وہ اب مرگیا ہے۔ چنانچہ اُسے وہیں چھوڑ کر وہ خود محلات میں جاکر سلطنت پر قابض ہوگیا +
تھوڑے عرصہ کے بعد علاؤالدین کو ہوش آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا۔ فوج کو جب معلوم ہُوا کہ بادشاہ زندہ ہے۔ تو اُس کے ہمراہ ہوگئی +
چنانچہ اُس نے شہر میں جاکر محل کا محاصرہ کرلیا۔ سلیمان نے اپنی کمزوری کو دیکھکر بھاگنا چاہا۔ مگر پکڑا گیا۔ اور علاؤالدین کے ہاتھوں مارا گیا +
اس کے بعد وہ کبھی گھوڑے پر نہ شکار کو گیا۔ نہ مسجد کو۔ اور نہ کسی عام میلے میں +
علاؤالدین کے پانچ بیٹے تھے۔ جن میں سے چھوٹے شہاب الدین اور قطب الدین تھے +
سب سے بڑے کی نسبت اُس نے اپنی زندگی میں ہی قید کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ چنانچہ علاؤالدین کے بستر مرگ پر بھی اس جوان آدمی کا غصہ باپ کی طرف کم نہ ہُوا آخر جب اُس کی بہت حالت نازک ہوگئی۔ تو بڑے بیٹے کو اس غرض سے بلایا کہ اُسے اپنا جانشین مقرر کرے۔ مگر لڑکے نے خفگی کے باعث آنے سے انکار کیا۔ امراء نے جن کا سردار بڑے بیٹے سے عناد رکھتا تھا۔ تمام امراء کے مشورے سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو تخت پر بٹھادیا۔ اور بادشاہ کے مرنے کے بعد تمام رعایا نے اپنی رضامندی ظاہر کی +
بڑے تینوں لڑکوں کی نسبت یہ حکم ہُوا۔ کہ اُن کی آنکھیں نکلوادی جائیں اور قید کئے جائیں +
غرض اس طرح شہاب الدین کی سلطنت قائم ہوگئی +

اِس پر ملکہ نے اپنے خاوند کے دو نہایت طاقتور امیروں کو بُلا بھیجا۔ اور روتے ہوئے اُن سے وزیرِ اعظم کی کارروائیوں کی شکایت کی۔ اور اُنہیں اُس کے برخلاف اُکسایا۔ اور کہا کہ میں سُنتی ہوں کہ میرے چھوٹے بچے کے بھی وہ پیچھے پڑا ہے اس کا کسی طرح کام تمام کردو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اور آخر ایک فریب سے جب وہ اپنے مکان میں بیٹھا تھا۔ اُسے مار ہی دیا +

لوگ قطب الدین کے چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کے روبرو لائے۔ اور اُسے وزیرِ اعظم کی جگہ مقرر کیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اُس نے بڑے بھائی کو تخت سے اُتار دیا۔ اور خود بادشاہ ہو کر کچھ عرصہ تک حکومت کرتا رہا +

اِس کے بعد اُس نے دولت آباد تک سفر کیا۔ جو دہلی سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے +

سڑک پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک دورویہ تمام درخت ہی درخت ہیں اور مسافر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک باغ میں جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں ہر تین میل کے فاصلہ پر ایک آرامگاہ ہے۔ جو پیادہ قاصدوں کے لئے منزل کا کام دیتی ہے اور اَور لوگ بھی آباد ہیں۔ یہاں ہر ایک منزل پر بادشاہ کے لئے ایک مکان بنا ہے جس میں اُس کے شان و رتبے کے موافق کمرے ہیں۔ اور مسافر بھی وُہیں اُترتے ہیں۔ اس راستہ میں مسافر کو کچھ ضرورت نہیں کہ اپنے ساتھ زادِ راہ لے +

غرض جب سلطان سفر میں تھا۔ تو اُس کے ہمراہ خضر خان تھا جو اُس کے بڑے بیٹے کا لڑکا تھا جو قید تھا۔ بعض امیروں نے سازش کی۔ اور یہ ارادہ کیا۔ کہ بادشاہ کو تخت سے اُتار کر اُس کے پوتے کو بٹھائیں۔ مگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا۔ اور اُس نے اپنے بھتیجے اور اُس کے باپ کو قتل کروا ڈالا۔ اور اُس کے دوسرے بھائیوں کو بھی مروا ڈالا۔ جو قلعہ کالیور میں محبوس تھے +

کالیور کا قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کے مقابلے پر کوئی پہاڑ نہیں ہے +

اس میں پانی کے حوض بنے ہیں۔ جن میں مینہ کا پانی جمع رہتا ہے۔ اور اس کے گرد بہت سی دیواریں کھڑی ہیں۔ جن پر جنگی کلیں اور انجن رہتے ہیں۔ اور یہ ان کا

سب سے زیادہ مضبوط قلعہ ہے۔ اس کے نیچے ایک چھوٹا سا قصبہ بھی آباد ہے +

مگر جب قطب الدین نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ اور سلطنت کو دشمنوں سے صاف کر دیا۔ گویا کہ دشمن کوئی بھی باقی نہ رہا۔ تو خداوند تعالٰے نے اُس کے مقابلے میں ایک اور شخص کو طاقت دی۔ یعنی ناصر الدین خسرو خاں نے اُسے مار کر سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ مگر وہ تھوڑے ہی عرصہ تک رہا۔ کیونکہ جب وہ حاکم ہوا۔ تو اُس نے تمام صوبوں کے حاکموں کو خلعتیں بھیجیں۔ جن کو سب نے سوائے تغلق شاہ کے قبول کر لیا +

تغلق شاہ ہندوستان کے موجودہ بادشاہ کا باپ تھا۔ یہ شخص اُس وقت دیپالپور کا حاکم تھا۔ اور اُس نے نہ تو خلعت قبول کی اور نہ اطاعت کا اظہار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بادشاہ نے ایک فوج اُس کے مقابلے پر بھیجی جس نے اُسے مار کر بھگا دیا پھر بادشاہ نے اپنے بھائی کو اُس کے مقابلے پر بھیجا مگر تغلق شاہ نے اُسے بھی شکست دی۔ اور مار ڈالا۔ اور آخر کار اُس نے ناصر الدین خسرو کو بھی مار ڈالا۔ اور سلطنت پر قابض و متصرف ہو گیا +

ناصر الدین نے اپنے دوران حکومت میں چند مکروہات کو جائز کر دیا تھا۔ ایک تو یہ کہ اس نے گائے ذبح کرنے کی عام طور پر ممانعت کر دی۔ اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے واسطے سخت سزا مقرر کی +

یہ ہندوؤں کی خاص عایت تھی۔ اور مسلمانوں سے نفرت۔ کیونکہ ہندوؤں میں کوئی شخص کبھی کسی گائے کو نہیں مارتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُس کی یہ سزا ہوتی ہے کہ وہ چمڑے میں بند کر کے جلا دیا جاتا ہے +

یہ لوگ گائے کی عزت کرتے ہیں۔ اور اُس کے پیشاب کا پینا اچھا سمجھتے ہیں۔ اس سے اُن کے خیال میں دولت بڑھتی اور صحت قائم رہتی ہے +

یہ لوگ اپنی دیواروں پر اس کا گوبر بھی ملتے ہیں +

ناصر الدین مسلمانوں سے نفرت کرنے لگا۔ کیونکہ وہ تغلق شاہ غیاث الدین کو سلطنت پر قبضہ کرنے کے واسطے اُکساتے تھے +

تغلق شاہ اصل میں ترکوں کی نسل سے تھا۔ جو سندھ کے پہاڑوں میں آباد تھے +

یہ بہت غریب تھا۔ مگران شہروں میں آکر پہلے مویشی چرانے لگا۔ اور پھر پیادوں میں بھرتی ہوکر بہت جلد سواروں کے زمرہ میں داخل ہوگیا۔ فوج کا ایک افسر مقرر ہوا۔ اس کے بعد دیپالپور کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اُس کا لڑکا جوان شاہنشاہ ہے سائیس تھا۔

تغلق بہادر۔ خوددار۔ اور منصف تھا۔ اور جب اس کا لڑکا دہلی میں بادشاہ کا سائیس تھا۔ ادھر باپ بغاوت کرنے کی تدبیریں کررہا تھا۔ آخر اُس نے لڑکے کو لکھا جس نے بادشاہ کو دھوکا دینا شروع کیا یعنی نوکری کے وقت حاضر ہوتا۔ اور رات کو باپ کے پاس چلا جاتا۔

ایک دن بہت ہی دیر کرکے آیا۔ یعنی شام ہوگئی۔ ناصرالدین کو شک پیدا ہوا۔ اور اسے بلا بھیجا۔ مگر نہ ملا۔ اور باپ کے پاس بادشاہ کے تمام عمدہ گھوڑے لیکر بھاگ گیا۔

ملتان کا امیر کشلو خان بھی تغلق کے ہمراہ بغاوت میں شریک ہوگیا غرض جب یہ دونو باغی دہلی میں پہنچے۔ تو ناصرالدین چند ہندو فقیروں کے ہمراہ بھاگ گیا۔ اب تغلق نے کشلو خاں کو شاہنشاہ بننے کے واسطے کہا۔ مگر اُس نے انکار کیا۔

تغلق مالک سلطنت ہوا۔ اس کے بعد ناصرالدین پکڑا گیا۔ اور مارا گیا۔ اور پھر چار برس تک تغلق حکومت کرتا رہا۔

چار برس کے بعد تغلق نے موجودہ بادشاہ (اپنے لڑکے) کو تلنگانے کے صوبے کو زیر کرنے کیلئے بھیجا۔ جو دہلی سے تین مہینے کے راستہ پر ہیں۔ مگر وہ دہلی سے چند منزل ہی باہر گیا تھا۔ کہ ایک مصاحب نے بغاوت کرکے خود سلطنت لینی چاہی۔ اس لئے اس نے خبر شائع کردی کہ شاہنشاہ مرگیا۔

اس پر تمام امیر جو شاہزادے کے ہمراہ تھے اپنا اپنا نقارہ بجانے لگے۔ اور بغاوت کے لئے اپنے اپنے علاقے میں بھاگ گئے۔ اور وہ چند امیروں کے ساتھ اکیلا رہگیا۔

امیروں نے اُسے مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر ان میں سے ایک زیادہ ذی مرتبت آدمی تیمور نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔

شاہزادہ اپنے دس دوستوں کے ہمراہ باپ کے پاس بھاگا۔ مگر باپ نے

اُسے ایک کثیر فوج دیکر پھر اُسے سفر پر روانہ کیا +

اس پر وہ امیر جنہوں نے اُسے مارنے کا ارادہ کیا تھا بھاگ گئے ۔ بعض پکڑے گئے اور مارے گئے ۔ اس کے بعد وہ پھر اپنے باپ کے پاس لوٹ آیا +

اب باپ نے خود لکھنوتی پر چڑھائی کی ۔ جہاں سلطان شمس الدین غیاث الدین کا لڑکا رہتا تھا جس کو تغلق نے بھگا دیا تھا ۔ مگر اس وقت شمس الدین مرگیا جس کے بعد شہاب الدین والی سلطنت ہوا ۔ مگر اُس کا چھوٹا بھائی غیاث الدین بہادر اُس پر غالب آگیا ۔ اور اُس نے تخت چھین لیا ۔ اس کے بعد سب بھائیوں کو مرواڈالا ۔ مگر شہاب الدین اور ناصر الدین ۔ تغلق کے پاس مدد مانگنے کو آئے +

تغلق نے اپنی ساری فوج دیدی اور کہا کہ لڑو ۔ تغلق نے اپنے لڑکے کو دہلی کا نواب بھی مقرر کیا تھا +

غرض خود وہ لکھنوتی کی طرف فوج لیکر بڑھا ۔ اور لکھنوتی لیکر غیاث الدین کو شکست دی اور اُسے قید کر کے دہلی لے آیا +

جب وہ دہلی کے نزدیک آیا ۔ تو اُس نے اپنے بیٹے محمد کو کہلا بھیجا کہ میرے واسطے ایک محل بنوا دو ۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ۔ اور لکڑی کا ایک محل تین دن میں بنوا دیا +

محمد نے انجینیر سے فہمائش کی کہ اس محل کی سیڑھیاں ایسی بناؤ کہ ہاتھی اُنپر چڑھ جائے کیونکہ وہ ہاتھی سلطان تغلق کی نظر کرنا چاہتا تھا ۔ اور ایک ایسی جگہ بنوائی گئی ۔ کہ جہاں اگر ہاتھی پاؤں رکھے ۔ تو تمام مکان اُن پر گر پڑے جو اس میں موجود ہوں +

چنانچہ جب شاہنشاہ دہلی پہنچا ۔ تو اُس نے مکان کو فرش فروش سے آراستہ کر رکھا تھا ۔ اور وہ اسی میں آکر رہنے لگا +

شاہنشاہ کا ایک دوسرا بیٹا تھا ۔ جو اُسے بہت عزیز تھا ۔ اور محمد بہت ترساں تھا ۔ کہ کہیں وہ تخت کا جانشین نہ مقرر کر دے +

آخر جب سلطان کو سلام کرنے تمام امیر و وزیر آئے ۔ اور کھانا تناول کر چکے تو ہاتھی نذر کئے گئے ۔ مگر جوں ہی کہ ہاتھی نے سیڑھی پر پاؤں رکھا ۔ تمام مکان تغلق اور اُس کے عزیز لڑکے ۔ اور درباریوں کے سر پر آ گرا ۔ اور سب مر گئے +

چنانچہ محمد موجودہ بادشاہ تخت نشین ہؤا۔ اور سلطنت اس طرح سب دشمنوں سے صاف ہوگئی +

اب میں اُس کیفیت کو بیان کرونگا۔ جو دہلی پہنچنے پر نظر آئی +

جب ہم یہاں پہنچے۔ تو اُس وزیر کے ہمراہ جو ہمارے استقبال کو آیا تھا۔ ہم حرم سلطانی کی طرف آئے۔ جہاں مخدومہ جہاں بیگم بادشاہ کی والدہ رہتی ہے +

ہمارے ہمراہ قاضی شہر اور وزیر بدستور تھے۔ سب نے دروازے پر سلام ادا کئے ہم نے بھی سلام کیا +

بعد ازاں ہم میں سے ہر ایک نے اندر نذرانے بھیجے۔ ملکہ کے منشیوں نے تحائف کو درج رجسٹر کر لیا۔ اور ملکہ کو اطلاع دیگئی۔ تحائف پیش ہوئے۔ اور ہمیں بیٹھنے کا حکم ملا۔ پھر ملکہ کی طرف سے کھانے آئے۔ اور ہماری عزت افزائی کیگئی +

بعد ازاں ہمیں خلعت پہنائے گئے۔ پھر ہم میں سے ہر ایک حسب الحکم اپنے اپنے مکان کو چلا گیا۔ جو پہلے ہی سے ہر ایک کے واسطے مقرر ہو چکا تھا +

یہاں سلام کا طریق یہ ہے کہ آدمی پہلے جھکتا ہے۔ ایک ہاتھ زمین پر رکھتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے سلام کرتا ہے +

جب میں اُس مکان میں آیا۔ جو میرے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ مکان میں سب طرح کی آسائش اور آرام کا سامان۔ قالین۔ فرش۔ بستر۔ چارپائیاں برتن وغیرہ سب موجود ہیں +

ہمارے لئے جو خوراک آتی۔ اُس میں آٹا۔ گوشت۔ اور چاول تھے۔ جو بادشاہ کے ہاں سے بھجوائے تھے +

ہر صبح ہم وزیر کو سلام کرنے جاتے۔ ایک دن اُس نے مجھے دو ہزار دینار دئیے اور کہا کہ یہ آپ کے کپڑوں کی دُھلائی ہے۔ نیز اُسنے مجھے ایک بیش قیمت چوغہ دیا۔ اور میرے نوکروں کو جو قریباً چالیس تھے۔ دو ہزار دینار دئیے +

بعد ازاں بادشاہ کی طرف سے ہمیں رسد پہنچی۔ جس میں دو ہزار رطل (دہلی کے رطل جو ہر ایک مصر کے چوبیس رطل کے برابر ہوتا ہے) آٹے کے واسطے تھے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار رطل گوشت اور گھی۔ ناریل اور مصالحوں کے واسطے +

اس وقت جبکہ بادشاہ موجود تھے (دہلی میں) میری ایک لڑکی فوت ہوگئی۔ جسکی خبر وزیر نے بادشاہ کو بھیجی +

بادشاہ دہلی سے دس منزل کے فاصلے پر تھے۔ مگر وزیر کو عین جنازے کے وقت جواب آگیا۔ جس میں یہ حکم تھا۔ کہ امرا کے بچوں کی وفات پر جو خرچ کیا جاتا ہے۔ وہی اس موقع پر کیا جائے +

اسی وقت وزیر امرا کے ہمراہ آیا۔ اور ایک فرش بچھواکر۔ گلاب۔ اور عطر۔ اور قرآن خواں وغیرہ مہیا کئے +

جب میں جنازہ لیکر چلا۔ تو میرے ہمراہ اُن لوگوں میں سے کوئی نہ تھا۔ مگر راستے میں مجھے سب مل گئے +

وزیر اُس وقت بادشاہ کی بجائے سب کچھ خرچ اخراجات خود کرتا تھا۔ اور حسب حکم شاہی غریبوں کو سامان خورد و نوش دیتا تھا۔ اور قرآن خوانوں کو بخشش کی جاتی تھی +

بعدازاں بادشاہ کی والدہ نے میری بیوی (میری لڑکی کی والدہ) کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اور خلعت عطا کی۔ اور تقریبًا ایک ہزار دینار کے زیور وغیرہ دئے۔ اور ایک ہزار دینار نقد دیکر اُسے دوسرے دن روانہ کیا۔ بادشاہ کی غیرحاضری میں وزیر ہمیشہ مہربانی سے سلوک کرتا رہا۔ اور انعام و اکرام سے خوش کرتا رہا +

جب بادشاہ دہلی کی طرف آئے۔ تو ابھی شہر سے سات میل کے فاصلہ پر تھے کہ وزیر مع ان لوگوں کے جنہیں بادشاہ کے آگے پیش کرنا منظور تھا مع تحفہ تحائف کے استقبال کے لئے گیا +

پہلے تحفے پیش کئے گئے۔ اور پھر مسافر۔ میری بھی باری آئی۔ میں نے حسب دستور کورنش ادا کی۔ بادشاہ نہایت تپاک اور مہربانی سے پیش آیا۔ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور عنایت کا وعدہ کیا +

ہر ایک مسافر کو بادشاہ نے ایک زریں خلعت عطا کیا۔ مجھے بھی ایک خلعت ملا پھر محل کے باہر کھانا چُنا گیا۔ مسافروں نے کھانا کھایا۔ اور وزیر اور تمام درباری بطور خدمتگاروں کے کھڑے رہے۔ پھر ہم اپنے قیام گاہ کو واپس آگئے +

یہاں ہر ایک کو بادشاہ نے اپنی خواصی کے گھوڑے بھیجے۔ جو چاندی کی زین وغیرہ سے مزین اور نہایت سجے ہوئے تھے +

پھر ہم ان پر سوار ہو کر بادشاہ کی سواری کے آگے آگے دہلی کو شاہی محل کی طرف آئے +

تیسرے دن بادشاہ نے اپنے محل کے دروازے پر سب مسافروں کو بُلا کر استفسار کیا۔ کہ کیا کوئی مسافر کوئی خدمت شاہی بجا لائیگا۔ جو عہدہ اُسے منظور ہو وہ لے سکتا ہے۔ خواہ قاضی کا۔ حاکم کا۔ محرّر کا +

ہر ایک نے مناسب جواب دئے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے نہ محرّری کی خواہش ہے۔ اور نہ حکومت کی۔ ہاں قضا اور عدالت کا پیشہ میں خود۔ اور میرے باپ دادا کرتے رہے ہیں +

سب کے جواب بادشاہ کے پاس گئے۔ جس نے سب کو بُلا کر حسب لیاقت عہدے عطا کئے۔ تنخواہیں اور جاگیریں مقرر کیں +

میری بھی باری آئی۔ جب میں پیش ہوا تو وزیر نے کہا:-

"شاہنشاہ نے آپ کو دہلی کا قاضی مقرر کیا ہے۔ اور یہ خلعت گھوڑا مع سامان عطا کیا ہے۔ بارہ ہزار دینار سالیانہ آپ کی تنخواہ مقرر ہوئی ہے۔ اور بارہ ہزار دینار کی جاگیر" +

میں نے اظہار اطاعت کیا۔ اور واپس آیا +

اب میں بادشاہ محمد بن غیاث الدین تغلق کا کچھ حال لکھونگا +

یہ بادشاہ جامع الاضداد طبیعت کا ہے۔ بڑا فیاض اور رحمدل ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت سخت گیر۔ اور یہ کہیں شاذ ہی ہوا ہے کہ وہ جس پر خفا ہوا ہو اور اُسے معاف کر دیا ہو +

ایک موقع پر بادشاہ دہلی کے باشندوں سے ناراض ہو گیا۔ کیونکہ بعض نے بغاوت کی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ لوگ نہایت بگڑ گئے۔ اور سب نے ملکر چٹھی لکھی۔ جس میں بادشاہ کو بُرا بھلا کہا۔ اور مُہر لگا کر اُسے بادشاہ کی طرف بھیج دیا۔ اور اوپر لکھ دیا کہ بادشاہ کے سوائے اور کوئی اسے نہ پڑھے +

یہ لکھکر اُنہوں نے اسے بادشاہ کے دروازے پر پھینکدیا۔ جو دیکھے اُسے پڑھنے کی مجال تو تھی نہیں۔ آخر چِٹھی بادشاہ کے پاس پہنچی۔ جس نے کھول کر اسے پڑھا۔ اور حکمدیا کہ تمام دہلی کے باشندے شہر خالی کردیں۔ اور سخت حکم جاری کیا کہ جو شخص شہر کے کسی مکان میں پایا جاویگا۔ اُسے سخت سزا دیجائیگی +

غرض سب شہر سے نکل گئے۔ مگر شاہی نوکروں کو ایک اندھا اور ایک اور شخص ایک بستر میں چھپا ہوا ملا۔ جو شخص بستر میں چھپا تھا۔ اُس کی نسبت حکم ہوُا کہ بالاخانہ سے نیچے گرایا جائے۔ اور اندھا دہلی سے دولت آباد تک گھسیٹا جائے۔ چنانچہ بیچارا ایک ٹانگ سے محروم دولت آباد پہنچا۔ کیونکہ دس روز کا فاصلہ تھا +

شہر اب بالکل خالی ہوگیا۔ جب میں دہلی آیا۔ تو شہر بالکل خالی تھا۔ اس پر یہ حکم ہوُا تھا۔ کہ جو لوگ اور شہروں سے چاہیں دہلی میں آکر آباد ہو سکتے ہیں +

ایک اور موقع پر سب سے بڑے واعظ کو جس کے پاس جواہرخانہ رہتا تھا۔ ایک ہندو نے دھوکا دیا۔ اور رات کو آکر جواہر چُرا لے گیا۔ جس پر بادشاہ نے اُسے اپنے ہاتھ سے ایسا مارا کہ جان سے گیا +

ایک اور موقع پر فرغانہ کا ایک امیر بادشاہ کو ملنے آیا۔ جس سے بادشاہ مہربانی سے پیش آیا۔ اور انعام واکرام دئیے +

کچھ عرصے کے بعد امیر نے اپنے ملک کو واپس جانا چاہا۔ مگر اس ڈر سے کہ بادشاہ اجازت نہ دیگا۔ اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مگر مخبروں نے اس کی خبر کردی۔ امیر مروا یا گیا۔ اور اُس کا کل مال مخبروں کو دیا گیا۔ اور مخبروں کا یہ انعام حسب دستور تھا +

اِس وقت کنبایہ میں جو ہندوستان کے کنارے پر واقع ہے۔ ایک مشہور ومعروف شیخ مسمےٰ شیخ علی حیدری رہتے تھے۔ جن کے پاس سوداگر اور جہازراں اکثر تحفہ لاتے تھے۔ اور شیخ اُن کی نسبت آیندہ کے حالات بتاتے تھے۔ مگر جب قاضی جلال الدین اخنانی نے بادشاہ کے برخلاف بغاوت کی۔ تو شیخ نے اخنانی کو بلاکر اُسے اپنی ٹوپی دی۔ اس پر بادشاہ نے قاضی پر چڑھائی کی۔ جو بھاگ نکلا۔ بادشاہ نے شیخ کو بھی قتل کروا دیا۔ اور اُن تمام لوگوں کو

جو بغاوت میں شامل تھے قتل کئے گئے +

ایک اور شیخ بہاؤالدین زکریا بھی قتل کئے گئے۔ اور ان کے گوشت کو قیمہ کیا۔ اور چاولوں کے ساتھ ہاتھیوں کے آگے ڈالا گیا۔ مگر ہاتھیوں نے نہ کھایا +

اسی طرح ایک دن میری حاضری میں چند لوگ ایسے لائے گئے جنہوں نے وزیر کی جان کے برخلاف سازش کی تھی۔ حکم ہوا۔ کہ وہ ہاتھیوں کے آگے ڈالے جائیں +

قاعدہ تھا کہ جو شخص ہاتھیوں کے آگے ڈالے جائیں۔ انہیں ہاتھیوں کے آگے کھڑا کر دیا جائے۔ اور ہاتھیوں کے پاؤں میں لوہے کے ناخون پہنائے جائیں۔ پھر ہاتھی مہاوت کے حکم کے بموجب یا انہیں چیر ڈالے یا سونڈ میں پکڑ کر انہیں زمین پر زور سے پھینکدیں +

ایک دفعہ امیر عین الملک نے جس کے ماتحت ہاتھی تھے بغاوت کی۔ جو بہت سے ہاتھی لیکر گنگا کے کنارے بھاگ گیا +

بادشاہ ان دنوں قاضی جلال الدین کے پیچھے فوج لیکر گیا ہوا تھا۔ شہر والوں نے عین الملک کو بادشاہ قرار دیا۔ مگر پھر بغاوت فرو کردی گئی +

ایک اور امیر ہلاجون نے ایک دفعہ بغاوت کی۔ اور بہت سی فوج لیکر دہلی سے نکل گیا +

تلنگانے کے نائب حاکم نے بھی بغاوت کی۔ اور قریب تھا کہ سلطنت حاصل کرلے۔ مگر بادشاہ فوراً ہوشیار ہو گیا۔ اور اُسے شکست فاش دی +

اب میں اپنے حالات لکھونگا۔ جب مجھے سب کچھ انعام و اکرام مل چکا۔ تو بادشاہ نے مجھ سے کہا۔ کہ یہ مت خیال کرنا کہ دہلی کی قضا آسان بات ہے۔ بلکہ یہ نہایت مشکل کام ہے۔ اور اس میں بڑی توجہ درکار ہے +

میں بادشاہ کی بات سمجھا۔ مگر میں نے کوئی شافی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ میں عربی بولتا ہوں۔ اور دہلی والوں کی زبان مجھ سے الگ ہے۔ میں ابن مالک کے فرقے سے ہوں۔ اور دہلی والے حنفی ہیں +

بادشاہ نے کہا کہ میں نے دو عالم تمہارے نائب مقرر کیے ہیں۔ جو تمہیں مدد دینگے۔ تمہارا یہ کام ہوگا۔ کہ شرعی کاغذات پر اپنا دستخط کردو۔ اور اگر تمہاری آمدنی کافی نہیں ہے۔ تو میں نے جو تمہیں مکان دیا۔ اُس کی آمدنی بھی تم لے لو +

میں نے شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے گھر واپس آیا +

لیکن تھوڑے عرصے میں باوجود بادشاہ کی مہربانی اور شفقت کے جو مجھ پر مبذول تھی۔ میں ہر روز کے جور و تعدی سے تنگ آگیا۔ سفر کا شوق گدگدایا۔ اور طبیعت اُکتانے لگی۔ مجھ کو بادشاہ کی سخت گیری جو اکثر نہایت سہناک طور پر ظہور پذیر ہوتی تھی سخت ناگوار گذرنے لگی۔ میں نے حتے الامکان اپنی طبیعت سے بہت کچھ جد وجہد کی کہ چند سے یہاں اور مقیم رہ سکوں۔ مگر آخر کار بجبوری طوعاً و کرہاً ایک روز میں نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ اور سیاحت کی اجازت طلب کی +

بادشاہ مجھ پر اس قدر مہربان تھا۔ کہ میری جدائی کو آسانی سے گوارا نہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ عریضہ بلاجواب پڑا رہا +

چند روز بعد بادشاہ نے مجھ کو بارہ ہزار دینار عطا کیے۔ مگر تھوڑے عرصہ میں میں بہت مقروض ہوگیا۔ یعنی پچپن ہزار دینار کا قرضدار ہوگیا +

باعث یہ ہوا کہ میں عین الملک کی بغاوت میں بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ جس میں بہت سا روپیہ صرف ہوگیا +

اس وقت میں نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ جو عربی میں تھا۔ مگر بادشاہ نے اُس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اور نہایت خوش ہوا۔ کیونکہ ہندوستانی عربی کے بہت شائق ہوتے ہیں۔ اور یہ اُن کی خواہش ہے۔ کہ اُن کی یادگار عربی میں رہے +

میں نے اس میں اپنے قرضہ کا تذکرہ کیا۔ جو شاہی خزانے سے ادا کیا گیا۔ مگر بادشاہ نے مجھ سے فہمائش کی کہ آیندہ آمدنی سے زیادہ خرچ مت کیا کرو +

ایک دفعہ بادشاہ کو کسی شیخ پر بدظنی ہوگئی۔ جس پر پہلے بہت اعتبار تھا۔ بادشاہ نے شیخ کو قید کردیا۔ اور اُس کے بچوں سے پوچھا کہ تمہارے باپ کے پاس

کون کون آیا کرتا تھا +

انہوں نے اُن کے نام بتلائے ۔ میرا نام بھی لیا گیا ۔ کیونکہ میں بھی جایا کرتا تھا چنانچہ میں بھی باب شاہی پر طلب کیا گیا ۔ اور وہ سب لوگ بھی بلائے گئے +

ایک جماعت نے تحقیقات کی ۔ چوتھے روز باقی سب تو مارے گئے ۔ مگر مجھے رہائی دی گئی ۔ الحمد للہ +

اس پر میں نے قاضی کا عہدہ چھوڑ دیا ۔ اور اپنا تمام مال و اسباب فقیروں کو بانٹ دیا ۔ اور پانچ مہینے تک شیخ کمال الدین عبد الغازی صاحب کی خدمت میں رہا ۔ جو صاحب کشف و کرامت تھے +

پھر میں نے پانچ دن کا ایک روزہ رکھا ۔ اور پانچ دن کے بعد قدرے چاولوں سے روزہ کھولا ۔ اور فقیری لباس پہنکر دنیا کو چھوڑ دیا +

باب ہشتم

جنوبی ہندوستان

کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے مجھے بلا بھیجا۔ میں قیمتی لباس میں گیا۔ اس وقت بادشاہ نے میری پہلے سے زیادہ خاطر کی اور مہربانی فرمائی۔ اور کہا۔ کہ :۔

"میں جانتا ہوں کہ تم سفر کو بہت پسند کرتے ہو۔ اور میں تمہیں شہنشاہ چین کے پاس بحیثیت وکیل سلطنت کے روانہ کرتا ہوں" +

میں نے منظور کیا۔ بادشاہ نے مجھے خلعت فاخرہ۔ گھوڑے اور زرنقد عطا کیا۔ اور سفر کے تمام سامان مہیا کر دئے +

شہنشاہ چین نے ان ایام میں بادشاہ کو کچھ تحفے بھیجے تھے۔ ایک سو غلام پچاس لونڈیاں۔ پانسو بے بہا چینی ساخت کپڑے کے تھان۔ پانسو من مشک۔ پانچ لباس مرصع بہ جواہر۔ اور پانچ تلواریں جن پر جواہرات جڑے تھے +

اس کی بادشاہ سے درخواست یہ تھی۔ کہ کوہ قراجل پر ایک شوالہ بنانے کی اجازت دیجائے۔ جہاں ہندو رہتے تھے۔ اور جہاں انسان کا گذر محال ہے۔ یہاں بہت سے ہندو راجہ بھی تھے +

اس پہاڑ کی حدود ملک تبت میں تھیں۔ جہاں مشکی ہرن ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں تبت میں سونے کی کانیں ہیں۔ اور زہریلے گھاس ہیں۔ جن میں اس قدر سمیت ہے کہ آندھیوں کے موسم میں نزدیک کے دریاؤں کا پانی ایسا زہریلا ہو جاتا ہے کہ انسان اگر پی لے تو فوراً مر جائے +

شوالہ کو وہ بت خانہ کہتے ہیں یہ شوالہ پہاڑ کے پہلو میں تھا۔ مگر مسلمانوں نے اسے تباہ کر دیا تھا +

یہاں کے لوگوں نے شاہنشاہ چین سے درخواست کی کہ وہ بادشاہ ہند سے اسبات کی اجازت مانگے۔ کہ وہاں بت خانہ پھر بنایا جائے +

بادشاہ ہند نے جواب دیا۔ کہ :۔

اجازت نہیں مل سکتی۔ کیونکہ وہ ملک مسلمانوں کے زیر حکومت ہے۔ ہاں اگر جزیہ ادا کیا جائے تو اجازت مل سکتی ہے" +

بادشاہ دہلی نے بھی شاہ چین کے پاس اُس سے قیمتی تحفے روانہ کئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :۔

ایک سو نہایت عمدہ نسل کے گھوڑے۔ ایک سو غلام۔ ایک سو ہندو گانے والی لڑکیاں۔ ایک سو ایرانی لباس۔ دہرا ایک قیمتی سو دینار۔ ایک سو ریشمی لباس پانسو رنگین لباس۔ ایک سو عمدہ مخمل کے تھان۔ ایک ہزار ہندوستان کے مختلف لباس۔ علاوہ ازیں سلطان کی دس پوشاکیں۔ تلواریں اور جواہرات سونے کی چیزیں اور اور قیمتی چھوٹے چھوٹے تحفے +

میرے ساتھ بادشاہ نے امیر ظہیرالدین الجانجانی ایک عالم شخص۔ اور الفتی کافور کو یہ تحفے سپرد کرکے روانہ کیا۔ یہ دونوں شخص بادشاہ کے مقرب تھے اور جہاز تک پہنچانے کے لئے ایک ہزار سوار ساتھ کردئے +

شاہنشاہ چین کے خادم جن کے ساتھ ایک بڑا امیر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ واپس چلے +

غرض ساتویں صفر کو دہلی سے روانہ ہوکر چند دن میں بیانہ پہنچے۔ یہاں انگور بہت ہوتے ہیں +

یہاں ہم نے سُنا کہ شہر جلالی کا ہندوؤں نے محاصرہ کیا ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ باشندوں کو تباہ کردیں۔ ہم نے حملہ کیا اور ایک زندہ بھی نہ چھوڑا۔ چند آدمی ہمارے ہمراہی شہید ہوئے۔ ان میں الفتی کافور بھی تھا +

اسکی خبر بادشاہ کو روانہ کی گئی۔ اور جواب کا انتظار کیا گیا +

اس عرصہ میں ہم جہاں کہیں سُنتے کہ ہندو مسلمانوں کو تکلیف دے رہے ہیں ہم اُسی جگہ جاکر اُن کو شکست دیتے +

ایک دن ہم مقام کل کے نزدیک ایک باغ میں تھے۔ آفتاب کی گرمی نہایت سخت تھی۔ یکایک باغ میں ہم نے کسی کو چلّاتے سُنا کہ ہندؤں نے مسلمانوں کے فلاں گاؤں پر قبضہ کرلیاہے۔ اور مسلمانوں کے درپے ہلاکت ہیں +

میں فوراً چالیس آدمی ہمراہ لیکر گیا۔ اور انہیں بھگا دیا۔ مگر مسلمان بھی متفرق ہو گئے +

اتنے میں ہم نے بہت سے ہندو سواروں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ ہم بھاگے۔ مگر میں اکیلا رہ گیا۔ پہاڑ نزدیک تھا۔ میں اُس کی طرف بڑھا۔ آخر جب میں ایک درّہ میں پہنچا جس کی دونو طرف پہاڑ تھے۔ تو وہاں میرے تعاقب میں کوئی نہ تھا +

یہاں میں حیران تھا کہ کس طرف جاؤں۔ راستہ سے ناواقف تھا۔ اتنے میں چالیس ہندو سوار مجھ پر آ پڑے +

میں گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور اُسے چھوڑ کر اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دیا مجھے ڈر تھا۔ کہ کہیں مار ہی نہ ڈالیں۔ مگر قید کر کے لیگئے۔ اور دو دن کے بعد رہا کر دیا +

اب میں ایک طرف علے التوکل روانہ ہوُا۔ راستہ سے بالکل ناآشنا۔ ساتھ ہی یہ ڈر کہ کوئی مار نہ ڈالے۔ آخر کار گھنے جنگل میں چھپ رہا۔ جب کبھی اس سے باہر نکلتا۔ تو ہندو نظر آتے۔ آخر پھر واپس چلا آتا۔ غرض سات دن اسی مصیبت میں گذرے۔ پہاڑ کے میوے اور پتّے کھا کر شکم پری کرتا +

سات دن کے بعد ایک حبشی نظر پڑا۔ اُس نے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ اُسنے مجھ سے میرا نام پوچھا +

میں نے محمد اپنا نام اور لقب الحریم بتایا +

اُس نے مجھے کچھ دال اور پانی دیا۔ پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چلو +

میں اُس کے ساتھ ہو لیا۔ مگر مجھ سے چلا نہ گیا۔ میں بیہوش ہو کر سڑک پر گر پڑا وہ مجھے کندھے پر اُٹھا کرلے گیا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ صبح جب آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو اپنے بچھڑے ہوئے سواروں کے ساتھ پایا +

میں ان سواروں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ بادشاہ کو میرے گم ہونے کی اطلاع ہو چکی تھی +

بادشاہ نے مجھ سے بہ تفصیل پوچھا۔ میں نے تمام کیفیت من وعن عرض کر دی +

بادشاہ نے مجھے دس ہزار دینار دیکر پھر ایک امیر الملک النسل کے ہمراہ واپس روانہ کیا +

چنانچہ ہم کل میں پہنچے۔ اور پھر ایک جھیل کے کنارے جسے آب حیات کہتے ہیں آئے +

یہاں سے ہم قنوج کو گئے۔ جو ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں ہم شیخ صالح الفرغانہ کو ملے۔ مجھ سے انہوں نے بیان کیا۔ کہ میری عمر اب ڈیڑھ سو برس کی ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں +

پھر ہم شہر مس وکا میں پہنچے۔ جو ایک بہت وسیع شہر ہے۔ اور جہاں زیادہ غیر مسلم رہتے ہیں۔ جو بادشاہ کو خراج ادا کرتے ہیں +

پھر ہم کالیور کو گئے۔ جو نہایت وسیع علاقہ ہے۔ اور اس کے نزدیک پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ ہے۔ اس میں وہ لوگ قید رکھے جاتے ہیں۔ جن سے بادشاہ کو کچھ خطرہ فساد ہوتا ہے +

پھر ہم شہر مودن میں پہنچے۔ جہاں مسلمان آباد ہیں۔ اس طرف درندے بہت ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو تنگ کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ جوگی لوگ یہ درندے بنکر آتے ہیں +

یہ جوگی زمین کے نیچے اپنے مکان بناتے ہیں۔ جن پر لوگ اپنے مکان تعمیر کر لیتے ہیں۔ صرف اُن کے لئے تھوڑا سا راستہ ہوا کے لئے چھوڑ دیتے ہیں +

اس مکان میں جوگی مہینوں بغیر کھائے پئے رہتے ہیں۔ میں سُنا ہے۔ کہ ایک جوگی سال بھر تک اسی طرح پڑا رہا +

شاہ ہند جوگیوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ اور اُن کی صحبت میں بیٹھتا ہے بعض صرف بقولات پر گذارہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض انسان کو ایک نظر بھر دیکھنے

سے مار دیتے ہیں۔ مگر عموماً عورتیں یہ کرتی ہیں۔ جو عورت ایسا کر سکتی ہے۔ اُسے کفتار کہتے ہیں ✤

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ جب میں دہلی میں قاضی تھا۔ تو مہیشر میں قحط پڑ گیا بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ غریبوں کو امیروں پر تقسیم کر دیا جائے۔ پانسو میرے حصے میں آئے۔ میں نے ان کے لئے ایک مکان تعمیر کیا۔ اور انہیں وہاں رکھا ✤

ایک دن چند لوگ ایک عورت کو میرے پاس پکڑ لائے۔ اور کہا کہ اُس نے ایک بچہ کو مار ڈالا ہے۔ میں نے اُسے وزیر کے پاس بھیج دیا۔ جس نے اُسے دریا میں پھینکوایا مگر وہ ڈوبی۔ آخر اُسے جلا دیا۔ اور اُس کی راکھ لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لی ✤

ایک دفعہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو جوگی آئے۔ بادشاہ اُن سے نہایت اخلاص سے پیش آیا۔ اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ یہ مسافر ہے اسے کوئی عجیب کرتب دکھاؤ ✤

اس پر ان میں سے ایک شخص گوشہ شکل میں بنگیا۔ اور ہمارے سروں پر پھیل گیا۔ میں دیکھ کر ایسا حیران ہوا کہ بیہوش ہو گیا ✤

بادشاہ نے مجھے دوائی سنگھائی جس سے مجھے پھر ہوش آیا۔ مگر وہ مکعب شکل برابر اُسی طرح ہوا میں تھی ✤

ایک دوسرے جوگی نے صندل کے ٹکڑے کو زمین پر مارا۔ وہ بھی اسی طرح کی ایک شکل بن کر ہوا میں معلق ہو گیا ✤

بادشاہ نے مجھے کہا۔ میں تمہاری بیہوشی سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ یہ لوگ اس سے بڑے بڑے کرتب دکھا سکتے ہیں ✤

غرض اس مقام سے ہم کجوراکو گئے۔ جہاں ایک جھیل ہے۔ جس کے گرد بہت سے مکان بنے ہیں جن میں کثرت سے جوگی رہتے ہیں۔ کئی مسلمان بھی ان کے چیلے ہیں ✤

پھر ہم جندیری میں آئے جو ایک بہت بڑا شہر ہے۔ پھر طبار پہنچے جہاں سے پان دہلی جاتے ہیں ✤

پھر اجبل سے ہو کر ہم دولت آباد پہنچے۔ جو قریباً دہلی کے برابر شہر ہے۔ دولت آباد کا صوبہ تین مہینے کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کی شہر پناہ کو دولغیر کہتے ہیں +

یہاں کا قلعہ ہندوستان میں بہت مضبوط اور وسیع ہے +

اس کی دو نو طرف ڈھلوان ہے جس کے سبب یہ پہاڑ سی ایک بلند مینار نظر آتی ہے جس پر قلعہ بنا ہوا ہے +

اس میں ایک سیڑھی چمڑے کی لگی ہوئی ہے۔ جو کہ دن کو تو لگی رہتی ہے۔ اور رات کو اُٹھالی جاتی ہے +

اس قلعہ میں بادشاہ اکثر اُن آدمیوں کو قید کرتا ہے۔ جو کسی سخت جرم میں گرفتار ہوتے ہیں +

دولت آباد کا حاکم بادشاہ دہلی کا اتالیق رہ چکا ہے۔ اس کا نام قتلو خاں ہے +

اس شہر میں انار اور انگور بکثرت ہوتے ہیں۔ جن کی ہر سال دو فصلیں ہُوا کرتی ہیں۔ ضلع مذکور بلحاظ آمدنی ہندوستان میں تقریباً تمام اضلاع سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی تخمیناً ۱۷ کروڑ سے بھی زیادہ بتلاتے ہیں +

اس شہر میں سب سے بڑی مشہور منڈی طرب آباد کے نام سے موسوم ہے جہاں کہ بالخصوص ارباب نشاط بیش قیمت لباس پہنے بیٹھی رہتی ہیں۔ ان پر ایک ناظر مقرر ہے۔ جو ان میں سے ہر ایک کی آمدنی پڑتال کرتا ہے +

یہاں سے ہم نظر آباد میں آئے۔ جو کہ ایک چھوٹا سا مرہٹوں کا قصبہ ہے۔ یہ لوگ حکمت اور علم نجوم سے بخوبی ماہر ہیں۔ ان میں شرفا برہمن کہلاتے ہیں +

مرہٹے چار پاؤں پر تعدی نہیں کرتے۔ اور نہ ان میں قربانی جائز ہے۔ یہ اپنے رشتہ داروں سے ہرگز ناطہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ ایک دوسرے میں سات پشت کا تفاوت نہ پڑ جائے +

برخلاف ہندوؤں کے وہ گائے کے پیشاب کے استعمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں +

اس کے بعد ہم شہر ساگر میں پہنچے ۔ یہ بہت بڑا شہر ہے ۔ اس کے نیچے اس کا ہم نام دریا بہتا ہے +

یہاں کے باشندے عموماً مذہب کے پابند اور صلح پسند ہیں +

ساگر سے ہو کر ہم کنبایہ میں پہنچے ۔ جو لب سمندر واقع ہے +

یہاں کے اکثر باشندے تاجر ہیں ۔ جو کہ ممالک غیر سے آ کر یہاں ٹھہرے ہیں +

چند روز بعد ہم جزیرہ سندبور میں وارد ہوئے جس میں ۳۶ گاؤں ہیں مگر اس جزیرہ میں ہم نے قیام نہیں کیا ۔ اور ایک اور چھوٹے سے جزیرہ پر جو کہ اس کے نزدیک ہی تھا ۔ لنگر ڈالا +

جزیرہ مذکور میں ایک بڑا تالاب اور مندر ہے ۔ اس مندر میں میں نے ایک جوگی کو دیکھا ۔ جو کہ دو بتوں کے درمیان جھکا ہوا تھا ۔ میں اس کو مخاطب کرنا چاہتا تھا مگر وہ کچھ نہ بولا +

ہم نے اس کے اِدھر اُدھر بخوبی دیکھا ۔ مگر کوئی کھانے پینے کی چیز اس کے پاس نہ دیکھی ۔ ابھی ہم اس کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ کہ وہ دفعتاً گر کر +

نہایت تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے گرتے ہی ایک ناریل ۔ ناریل کے درخت سے جو کہ اس کے سامنے تھا ۔ اس کے آگے آ گرا +

یہ ناریل اس نے میری طرف پھینکا ۔ اور بالعوض اُن چند دیناروں کے جو میں نے اس کو دینا چاہے تھے ۔ اس نے مجھ کو دس دینار دئے +

میں اس کو مسلمان خیال کرتا ہوں ۔ کیونکہ جب میں نے اس کو مخاطب کیا تھا تو اس نے اول تو آسمان کی طرف اشارہ کیا ۔ پھر مکہ معظمہ کی طرف اور اس سے یہ ظاہر کیا کہ وہ خدائے واحد اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ۔ اور ان پر ایمان رکھتا ہے +

اس کے بعد ہم وارد بندر ھنور ہوئے ۔ جہاں بیشمار جہاز ہر سمت سے آیا کرتے ہیں +

یہاں کے باشندے مسلمان ہیں اور شافعی کہلاتے ہیں ۔ اگرچہ یہ لوگ صلح پسند ہیں ۔ مگر اکثر جہاد میں مصروف رہتے ہیں +

عورتیں یہاں کی اور سوا ان تمام شہروں کی جو کہ ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ سیا ہوا کپڑا نہیں پہنتیں۔ بلکہ ایک کپڑا تمام بدن پر اس طرح سے رکھ لیتی ہیں۔ کہ نصف تو کمر میں باندھ لیتی ہیں۔ اور نصف کو بل دیکر سر پر لپیٹ لیتی ہیں۔ یہ عموماً پاکدامن اور خوبصورت ہوتی ہیں +

اکثر باشندے حافظ قرآن ہیں +

جزیرہ مالابار کے باشندے امیر مذکور کے خراج گذار ہیں +

ھنور کے امیر کی فوج چھ ہزار تک بتلاتے ہیں۔ آج کل **جمال الدین بن حسن** بادشاہ ہیں۔ اور ایک ہندو راجہ کے باجگذار ہیں +

اس کے بعد ہم ریاست **مالابار** میں داخل ہوئے۔ جہاں مرچ سیاہ پیدا ہوتی ہے۔ اس کا طول کولم سے لیکر سندپور تک دو ماہ کا رستہ ہے رستہ میں ہر ایک نصف میل پر ایک سٹیشن مسافروں کے لئے بنا ہوا ہے۔ جہاں کہ ہندو مسلمان بغیر کسی امتیاز کے ٹھیرتے ہیں +

مقامات مذکورہ بالا پر ایک کنواں ہے۔ جس پر ایک ہندو مقرر ہوتا ہے جو کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونو کو پانی پلاتا ہے +

اول الذکر کو تو کسی گلاس یا برتن میں دیتا ہے۔ مگر آخر الذکر کو چلو میں پلاتا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو اپنے برتن نہیں چھونے دیتے۔ اور اگر اتفاق سے ہاتھ لگ جائے تو وہ پھر توڑ دیا جاتا ہے +

اگرچہ یہاں ہندوؤں کی تعداد بکثرت ہے۔ مگر اکثر ہندوؤں میں بہت سے مسلمان تاجر پائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے وہاں اپنی کوٹھیاں بنائی ہیں۔ اور جنکی اپنے اپنے ضلع میں نہایت عزت ہوتی ہے +

ان اضلاع میں جہاں یہ مسلمان تاجر پائے جاتے ہیں۔ امیر و غریب مسلمان مسافر اکثر انہیں کے ہاں اترا کرتے ہیں۔ مگر جن اضلاع میں یہ نہیں ہوتے۔ وہاں ہندو لوگ مسلمانوں کو کیلے یا کسی اور درخت کے پتے پر کھانا دیدیتے ہیں +

اس تمام دو ماہ کی مسافت میں مجھ کو ایک بالشت بھر زمین بھی غیر مزروعہ نہیں معلوم ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک شخص کے پاس اپنا اپنا باغ ہے۔ جس میں اُس نے اپنا گھر بنا

لیا ہے ✣

ان اضلاع میں کوئی شخص سواری نہیں کرتا۔ کیونکہ سوائے بادشاہ کے اور کسی کو گھوڑا میسر نہیں ہوسکتا۔ سوداگر لوگ بھی باربرداری کے وقت قلیوں سے کام لیتے ہیں ✣

ان قلیوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک عصا ہوتا ہے۔ جس کے ایک طرف نوک ہوتی ہے۔ اور اس پر لوہا چڑھا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ٹیک لگا ہوتا ہے۔ اس سے یہ مقصود ہے۔ کہ جب کبھی کوئی مزدور تھک جائے تو اپنے عصا کو زمین پر گاڑ کر بوجھ کو اس میں لٹکا دے ✣

ہر ایک تاجر کے ساتھ دو تین ایسے مزدور رہتے ہیں۔ جو خود تو پیادہ چلتا ہے اور اسباب ان پر لادتا ہے ✣

مگر رئیس یا امیر ایک قسم کی ڈولی میں بیٹھکر جس کو چار مزدور اٹھاتے ہیں نقل و حرکت کرتے ہیں ✣

یہ لوگ چوروں کو سخت سزا دیتے ہیں۔ اور اکثر اوقات ان کو مروا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اضلاع میں چور کم پائے جاتے ہیں ✣

اگر اتفاق سے کوئی پھل مثلاً ناریل یا کچھ اور چیز درخت سے گر پڑے تو اسے سوائے مالک کے اور کوئی شخص اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا ✣

ملک مالابار میں بارہ امیر ہیں۔ جن میں سب سے بڑے کے پاس پچاس ہزار فوج موجود ہے۔ اور سب سے چھوٹے کے پاس پانچ چھ ہزار ✣

جس جگہ ایک امیر کے ملک کی حد ختم ہوتی ہے۔ وہاں ایک دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ جس پر عبارت ذیل مرقوم ہوتی ہے:۔ "فلاں بادشاہ یا امیر کا در امن" ✣

اسطرح سے اگر ایک امیر کے ملک میں کوئی شخص خون یا چوری کر کے دوسرے امیر کے اس دروازہ سے گذر جائے۔ تو پھر اس سے کوئی باز پرس نہیں کرتا جبتک کہ وہ اس امیر کے ملک میں رہتا ہے۔ ان امیروں کا جانشین اکثر ان کی ہمشیرہ کا لڑکا ہوا کرتا ہے۔ اس ملک کی پیداوار جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے سیاہ مرچ ہے۔ موسم خزاں میں یہ پکجاتی ہے اسوقت اسکو انگوروں کی طرح دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ یہ جو افواہ ہے کہ اسکو خشک کرنے سے پہلے جوش دیتے ہیں غلط معلوم ہوتی ہے ✣

باب نہم

سفر چین

ملک مالابار میں داخل ہو کر اول ہی ہم جس شہر میں وارد ہوئے۔ وہ ابی سندر تھا +

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ سمندر کے کنارہ ہے +

اس کے بعد جس شہر میں ہم داخل ہوئے وہ فاکنور تھا۔ جو ابی سندر کی طرح لب سمندر واقع ہے۔ مگر اس سے بڑا ہے +

یہاں کا حاکم ہندو ہے۔ ہمارے جہاز کے وارد ہونے پر اس نے اپنا بیٹا ہمارے جہاز پر بطور استقبال بھیجا۔ بہت عزت اور تواضع سے پیش آیا +

اس ملک میں یہ رسم ہے کہ جو کوئی جہاز یہاں کے کسی بندرگاہ سے گذرتا ہے تو وہ بادشاہ کو بطور تحفہ کچھ چیز دیتا ہے۔ اور اگر نہ دے تو بے عزتی سے بندر سے نکالا جاتا ہے۔ اور اس پر اس سے دگنا جرمانہ لیا جاتا ہے۔ جو درحالت اس کے بندرگاہ میں داخل ہونے کے بادشاہ کو فائدہ ہوتا +

اس بندرگاہ میں ایران اور یمن کے بڑے بڑے سوداگر مقیم ہیں۔ ادرک اور مرچ سیاہ یہاں کی خاص پیداوار ہے +

یہاں کا بادشاہ مالابار کے صوبوں کے حاکموں سے بڑھ کر ہے +

اس بندرگاہ میں تقریباً چار ہزار مسلمان تاجر ہیں +

یہاں سے ہم ھیلی میں آئے جو ایک خلیج پر واقع ہے۔ یہاں تک چینیوں کے جہاز آتے ہیں۔ مگر اس سے آگے نہیں بڑھتے +

ھیلی میں ایک مسجد متبرک سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تاجر اور ملاح وغیرہ اپنی

منتیں آکر چڑھاتے ہیں۔ جو کہ ایک خاص متولی کی سپرد ہوتی ہیں ✤
مسجد میں ایک واعظ اور چند طلباء اور قرآن خواں رہتے ہیں جن کا گذارہ
انکی آمدنی پر ہے ✤

پھر ہم وددکن میں وارد ہوئے۔ جو کہ ساحل سمندر پر واقع ہے۔ اس میں بکثرت باغات ہیں جن میں پان۔ اخروٹ اور ناریل وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں یہاں کا بادشاہ اہل ہنود سے ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اس کے دادا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں۔ کہ یہاں ایک درخت کے پتوں پر (جو کہ اب بھی ہے) اور جو کسی حالت میں سوائے موسم خزاں کے کہ جس زمانے میں اسکے پتے اول زرد۔ پھر سرخ ہو جاتے ہیں رنگ نہیں بدلتا۔ کلک قدرت سے ہی کلمہ طیبہ لکھا رہتا ہے اس کی یہ حالت دیکھکر اس نے اس درخت کے پاس جو کہ نہایت بلند ہے ایک مسجد تعمیر کر دی تھی۔ اور خود اسلام قبول کر لیا تھا ✤

درخت مذکور کے جب پتے گرنے کا وقت آتا ہے۔ تو اکثر عمائد شہر جن میں ہندو اور مسلمان دونو شامل ہوتے ہیں۔ اس کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ اور پتوں کو جمع کر کے نصف تو مسلمان لیجاتے ہیں۔ اور نصف ہندو۔ جو کہ بادشاہ کے خزانہ میں تبرکاً جمع کیئے جاتے ہیں ✤

حال کے بادشاہ کا دادا عربی زبان پڑھ سکتا تھا۔ اس نے بچشم خود پتوں کا کرشمہ دیکھا۔ اور اس پر کلمہ کو پڑھ کر مشرف باسلام ہوا ✤

مرتے وقت اس نے اپنے لڑکے کو جو ہندو دھرم پر قائم تھا۔ جانشین مقرر کیا۔ یہ ایسا متعصب تھا۔ کہ اس نے درخت کو کاٹ کر اس کی جڑ تک نکال ڈالی۔ اور بالکل نیست و نابود کر دیا۔ مگر وہ دو برس کے بعد پھر پھوٹ پڑا۔ اور پھر مثل سابق پھولنے پھلنے لگا۔ جو اب تک قائم ہے ✤

اتفاقاً یہ بادشاہ یکایک مر گیا۔ اور اس وقت سے کسی کو اس درخت کے کاٹنے کی جرأت نہ ہوئی ✤

اس کے بعد ہم پٹن پہنچے۔ جہاں کہ باشندے زیادہ تر برہمن ہیں۔ ہندو لوگ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ سارے شہر میں ایک مسلمان بھی نہیں۔ شہر کے

باہر ایک مسجد ہے۔جہاں مسلمان مسافر آکر ٹھیرتے ہیں ❖

کہتے ہیں کہ کسی برہمن نے اس کو گرادیا تھا۔اور اس کے سامان سے اپنا مکان تعمیر کروایا تھا۔مگر دو دن بھی نہ گذرنے پائے تھے۔کہ مکان بالکل جلکر خاک ہوگیا۔اور برہمن ندکو رمع زن و فرزند اور چیلوں کے آگ کا لقمہ بنا ❖

اس پر برہمنوں نے ملکر مسجد کو دوبارہ بنوادیا ❖

اس کے بعد ہم شہر فندرینا میں وارد ہوئے۔شہر عمدہ اور خوبصورت ہے اور اس میں باغات اور منڈیوں کی کثرت ہے ❖

یہاں مسلمانوں کے تین محلہ ہیں۔ہرایک میں ایک مسجد ایک قاضی اور ایک واعظ رہتا ہے ❖

پھر ہم کالی کٹ آئے جو مالابار میں ایک بندرگاہ ہے۔جہاں سب طرف کے سوداگر رہتے ہیں ❖

یہاں کا حاکم ہندو روم کے حیدری فقیروں کی وضع پر داڑھی منڈواتا ہے ❖

جب ہم اس مقام کے نزدیک پہنچے۔تو بہت سے لوگ ہمارے استقبال کو بندرگاہ پر آئے ❖

مسلمان تاجروں میں بعض ایسے دولتمند ہیں۔کہ ایک جہاز کو مع اسباب کے خرید لیں۔اور دوسرے کو بجائے اس کے تیار کردیں ❖

یہاں ہم تین مہینے تک موسم کے انتظار میں ٹھیرے رہے۔کیونکہ یہاں سے صرف ایک ہی موسم میں چین کو جہاز جاسکتے ہیں۔اور اس حالت میں بھی سوائے تین قسم کے جہازوں میں جن کا نام "جنک" "زو" اور "ککم" ہے اور کسی پر سفر نہیں ہوسکتا ❖

ان جہازوں کے بادبان بانس کے بنے ہوتے ہیں۔جو چٹائی کی طرح بنے ہوتے ہیں۔اور جب کو بندر پر لنگر ڈالنے کے وقت ہوا میں کھولدیا جاتا ہے ❖

ان میں سے ہر ایک جہاز پر ایک ہزار آدمی نوکر ہوتے ہیں۔جن میں سے چھ سو ملاح اور چار سو نوکر چاکر۔ہر ایک بڑے جہاز کے ساتھ تین اور چھوٹے چھوٹے

ہوتے ہیں۔ یہ جہاز سوائے چین کے اور کہیں نہیں بنائے جاتے۔ اور چپوؤں کے ذریعہ چلائے جاتے ہیں۔ جو کہ ایک بڑے شہتیر کے برابر لمبا ہوتا ہے۔ اور جسے بیس پچیس آدمی ملکر ہلاتے ہیں +

ہر ایک جہاز کا افسر ایک ماہر فن اور ذی فہم شخص ہوتا ہے۔ بڑے بڑے جہازوں میں بقولات اور ادرک وغیرہ بھی پیدا کیجاتی ہے۔ جس کو وہ گملوں میں بوتے ہیں ان جہازوں میں لکڑیوں کے مکانات بنے ہوتے ہیں۔ جن میں صرف افسر جہاز مع اپنے عیال کے رہتے ہیں۔ اور جسے وہ کرایہ پر نہیں دیتے +

الغرض ہر ایک جہاز گویا ایک بستی ہے۔ ہر ایک چینی کئی ایک جہاز رکھتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ چینی بہت ہی دولتمند ہوتے ہیں +

جب سفر کا وقت آیا۔ تو شاہ ہند نے ہمارے لئے ایک جہاز اُن تیرہ جہازوں میں سے جو بندرگاہ پر موجود تھے مقرر کیا +

ملک سنبل اور ظہیر الدین جو کہ تحائف لیجانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ جہاز پر سوار ہو گئے۔ مگر چونکہ اس جہاز میں جو کمرہ مجھ کو ملا تھا۔ وہ بہت تنگ تھا۔ میں نے اپنا اسباب دوسرے جہاز پر لدوایا۔ اور خود بھی اس پر سوار ہوا +

بدقسمتی۔ کہ رات کو سمندر میں طوفان آیا۔ اور بہت سے جہاز کنارہ پر ٹکرانے لگے۔ حتٰے کہ اس جہاز نے بھی جس میں ملک سنبل اور ظہیر الدین تھے ٹکر کھائی اور پاش پاش ہو گیا۔ اور اکثر اہل جہاز مع مال و اسباب کے غرق ہو گئے باقیوں نے بمشکل تمام اپنی جانیں بچائیں +

شاہ چین کے ایلچی ایک اور جہاز پر تھے۔ اُس نے بھی ٹکر کھائی۔ مگر اُن میں سے چند آدمی تیر کر کنارے آ لگے۔ اور غرقاب ہونے سے بچ گئے +

میں اپنا جہاز چھوڑ کر ساحل پر اُتر آیا۔ مگر طوفان برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ جس جہاز پر میرا اسباب لدا تھا۔ وہ گم ہو گیا۔ میں نہایت رنجیدہ ہُوا۔ مگر دو روز بعد خبر ملی کہ وہ جہاز کولم میں پُہنچ گیا ہوگا +

یہ مقام کالی کٹ سے دس روز کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے اُدھر کا ارادہ کیا۔ اور پانچ روز کے بعد ایک مقام موسوم بہ کنجکورا پر پُہنچا۔ یہاں کے باشندے

لوگ یہودی ہیں۔ اور حاکم یہاں کا بادشاہ کولمبو کا خراج گذار ہے۔ دس روز میں
میں کولمبو پہنچا۔ جو کہ ساحل مالابار کے جنوب میں واقع ہے +
اگرچہ اس جگہ تاجروں کی ایک جماعت کثیر رہتی ہے۔ مگر یہاں کا حاکم
بہت بُرا بدمزاج اور سخت گیر ہے +
میں یہاں مدت دراز تک رہا۔ مگر میں نے مال و اسباب اور جہاز کا کوئی
سراغ نہ پایا +
مجھے بادشاہ کی حضور میں بھی جانے سے ڈر آتا تھا۔ جو کہ ضرور مجھ سے پوچھتا
کہ کس طرح تم نے شاہی جہاز کو چھوڑ کر ساحل پر رہنا گوارا کیا تھا +
مجھے چند مسلمانوں نے بھی اس امر کی صلاح دی کہ واپس نہ جاؤں۔ بلکہ
وہاں ہی رہوں +
آخرش دریا کے رستہ میں ھنور میں گیا۔ جہاں کے حاکم نے میرے حال
پر بہت کچھ التفات کی اور میرے واسطے عمدہ مکان علٰحدہ کر دیا۔ جب میں ملاقات کو
گیا۔ وہ نماز پڑھنے جانے والا تھا۔ مجھ سے مہربانی سے ملا۔ اور مجھکو قرآن خوانی پر
مقرر کیا +
اس زمانہ میں بادشاہ مذکور جزائر سنداپور پر چڑھائی کرنے
کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اسی مطلب کے لئے جہاز بھی تیار رکئے تھے +
مجھے بھی اُس نے اپنے ہمراہ چلنے کو کہا۔ میں نے جب قرآن مجید کو فال
دیکھنے کی غرض سے کھولا۔ تو اُس کی پہلی آیت یہ نکلی۔ کہ :۔
"جو شخص اپنی مدد کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ اُس کی مدد کریگا" +
مَیں اسے دیکھ کر نہایت خوش ہُوا۔ اور جب بادشاہ مغرب کی نماز پڑھنے
آیا۔ تو میں نے ہمراہی میں جانے کی اجازت طلب کی +
بادشاہ اس میری فال کو سُنکر از حد خوش ہُوا۔ اور بذات خود جانے کی تیاریاں
کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر سوار ہو گیا +
جب ہم جزیرہ سنداپور میں پہنچے تو ہم نے جزیرہ والوں کو لڑائی پر آمادہ پایا
آخرش ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں ہم نے خدا کی مدد سے فتح پائی +

بادشاہ نے مجھے ایک لونڈی اور بہا بہائے فاخرہ بطور انعام دئے۔ میں بادشاہ کی خدمت میں چند ماہ رہا جس کے بعد میں نے اس سے رخصت چاہی۔ تاکہ میں کوالم کو جاؤں۔ اور جہاز اور اپنے مال و اسباب کی کیفیت دریافت کروں +
میں ھنور سے رخصت ہوا۔ اور کالی کٹ پہنچا۔ اور یہاں سے کوآلم کو گیا +

یہاں مجھے خبر ملی کہ جہاز ندکور چین کو روانہ ہوگیا ہے۔ میری لونڈی مرگئی۔ اور میرا مال و اسباب اہل جہاز نے خورد برد کرلیا ہے +

اس خبر کے سُننے سے مجھے نہایت افسوس ہوا۔ اور میں سندپور کو بادشاہ جمال الدین کی خدمت میں روانہ ہوا۔ مگر جب میں وہاں پہنچا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ ایک ہندو راجہ نے شہر کا محاصرہ کرلیا ہے۔ اور لڑائی شروع ہے۔ لہٰذا میں وہاں سے واپس ہوا۔ اور جزائر مالدیپ کی طرف روانہ ہوا جہاں میں دس روز کی مسافت طے کرکے بخیریت پہنچ گیا +

ان جزیروں میں ایک بات دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ یعنی ان کی تعداد قریباً دو ہزار ہے۔ جن میں سے قریباً ایک سو ایک دوسرے سے اس قدر نزدیک واقع ہیں کہ ایک حلقہ بن گیا ہے۔ مگر ہر ایک سمندر سے علیحدہ علیحدہ محصور ہے +

جب ان میں سے کسی ایک کے نزدیک جہاز پہنچتے ہیں۔ تو جہاز والوں کو یہ بتانا ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ کون ہیں۔ اور اگر نہ بتائیں۔ تو دو جزیروں کے درمیان انہیں رستہ نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ جزیرے اس قدر نزدیک ہیں کہ ایک جزیرے کے باشندے آسانی سے دوسرے جزیرے والوں کے ساتھ گفتگو کرسکتے ہیں +

اِن جزیروں میں سب سے بڑا درخت ناریل کا ہوتا ہے۔ جس کے پھل کو یہ لوگ مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں +

ناریل اور تاڑ کے درختوں کی ہی یہاں کثرت ہے۔ سال میں صرف ایک مرتبہ پھل آتا ہے۔ درختوں کے جھنڈ جا بجا نہایت عمدہ منظر پیدا کرتے ہیں۔ جنسے ناظر کی طبیعت کو نہایت تفریح حاصل ہوتی ہے +

بعض پھل چھوٹے بعض بڑے کوئی خشک کوئی ہرا۔ ان سے شراب اور

تیل نکالا جاتا ہے۔ اور ان کے رس سے مٹھائی بنائی جاتی ہے جس کو یہ لوگ سوکھے ہوئے میووں کے ساتھ کھاتے ہیں ✤

یہاں کے لوگ پابند مذہب ۔متدین ۔اور صلح پسند ہیں۔ ہر قسم کے گناہ سے حتے الامکان پرہیز کرتے ہیں۔ اور پابند صوم وصلوۃ ہیں۔ ان کا بدن قدرتی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ کبھی کسی سے جنگ نہیں کرتے۔ ان کے ہتھیار ان کی نمازیں ہیں ✤

ہندوستان کی طرح چوروں اور لوٹیروں سے ہراساں نہیں ہیں۔ اور نہ کسی کو سزا دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ امر تجربہ میں لا چکے ہیں۔ کہ جو شخص چوری کرتا ہے۔ وہ خود اپنی سزا کو پہنچتا ہے ✤

جب کبھی کوئی جہاز ہندؤں کا جزیرے کے پاس سے گذرتا ہے۔ تو اہل جہاز جزیرہ والوں سے بغیر کسی روک کے جو چیز درکار ہو لے جاتے ہیں۔ اور ان کو اس بات کی اجازت دیگئی ہے۔ لیکن اگر ان مسافروں میں سے کوئی بداندیشی یا بُری نیت سے ایک لیموں بھی لیجائے۔ تو اُس جزیرہ کا سردار نہ فقط اُسے سخت سزا ہی نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو اس امر کا یقین دلاتا ہے۔ کہ تم پر کوئی سخت بلا نازل ہونے والی ہے ✤

سوا اس بات کے یہ لوگ اپنے مسافروں سے بہت عمدہ سلوک کرتے ہیں ✤

ہر ایک جزیرہ میں کئی ایک مسجدیں ہیں۔ لوگ گرمی کی شدت کے باعث دن میں دو دفعہ غسل کرتے ہیں۔ اکثر عطر و پھلیل استعمال میں لاتے ہیں ✤

ہر ایک عورت پر فرض ہے کہ جب اس کا مالک نماز سے فارغ ہو چکے تو اُس کے لئے سرمہ دانی اور عطریات لائے ✤

اس ملک میں غریب اور امیر دونو ننگے پاؤں چلتے ہیں۔ تمام زمین زرخیز اور سرسبز ہے۔ اور ہر ایک شخص ننگے پاؤں چلتا ہوا۔ گویا باغ میں ٹہلتا معلوم ہوتا ہے ✤

اس ملک کے کوئیں بارہ فیٹ گہرے ہوتے ہیں ✤

جب کبھی کوئی مسافر ان جزیروں میں وارد ہوتا ہے۔ تو اُسے اختیار ہوتا ہے کہ جزیرہ کی خوبصورت سے خوبصورت عورت سے ایک قلیل مہر پر مدت معینہ کے لئے نکاح کرے۔ مدت کی شرط ضروری ہے۔ کہ عورت مذکورہ اپنے ملک کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ لیکن اگر وہ ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ تو جس عورت کے گھر میں وہ اُترا ہو۔ وہ ایک قلیل اُجرت پر اُس کے لئے کھانا تیار کر دیتی ہے اور اُس کی خدمت کرتی ہے +

یہ لوگ ایک خاص قسم کی سن کی تجارت کرتے ہیں۔ جو کہ ناریل کے درخت کے ریشوں سے بنایا جاتا ہے +

رسیاں جو اس کی بنائی جاتی ہیں۔ یمن اور ہندوستان کے جہازوں میں کام آتی ہیں۔ یعنی زیادہ تر انہیں رسیوں کے جہاز بنتے ہیں۔ جس کا یہ فائدہ ہے۔ کہ اگر جہاز ٹکرائے تو وہ برخلاف لوہے کے جہازوں کے جلدی نہیں ٹوٹتا +

ہر ایک جزیرے کے باشندے اپنے طور پر مچھلیاں پکڑتے ہیں جنہیں وہ نمکین کرکے ہندوستان اور چین کی طرف بھیجتے ہیں +

وہاں بجائے سکہ کی بجائے کاغذ کے ٹکڑے استعمال میں آتے ہیں +

ہندوستان کی طرح ان جزیروں کی عورتیں بھی اپنا منہ اور صرف نچلا دھڑ چھپا رکھتی ہیں +

جب میں دہلی میں قاضی کے عہدے پر تھا۔ تو میں نے بہت کوشش کی کہ وہ سارے بدن کو چھپایا کریں مگر ناکام رہا +

ہندوستان کی طرح ان جزیروں میں بھی یہ دستور ہے۔ کہ عورتیں مردوں کے ساتھ کبھی نہیں کھاتیں۔ اگرچہ میں نے اپنے دہلی کے زمانہ قضا میں اس دستور کو دور کرنا چاہا۔ مگر میں اپنے ہی گھر میں ناکام رہا +

ان جزیروں کی عورتیں نہایت خوبصورت ہیں۔ اور غایت درجہ خوش الحان ہیں +

یہاں کے باشندوں کے اسلام قبول کرنے کی حقیقت جیسی کہ مجھے یہاں کے

چند معتبر اور معزز عالموں نے بتائی مفصلہ ذیل ہے :-
جب یہ لوگ کافر تھے۔ تو ہر مہینہ بعد انہیں ایک بھوت دکھائی دیتا تھا جو سمندر کی طرف سے آتا تھا۔ اس کی شکل ایسی تھی جیسے کوئی جہاز جس میں بیشمار شمعیں روشن ہوں۔ جب یہ لوگ اسے دیکھتے تھے۔ تو ان کا دستور تھا۔ کہ ایک کنواری لڑکی کو عمدہ لباس پہنا کر بت خانہ میں جو سمندر کے کنارہ پر تھا۔ اور جسکی کھڑکیاں سمندر کی طرف تھیں۔ بٹھا کر چلے جاتے تھے۔ اور صبح کو آکر اُسے مردہ پاتے تھے +
زمانہ قدیم سے یہ دستور ان لوگوں میں تھا۔ اور اس طرح بیشمار جانیں ضائع ہو چکی تھیں۔ کچھ عرصے بعد مغرب کی طرف سے ایک عرب موسوم بہ ابو البرکات بربری آیا۔ جو بڑا زاہد اور حافظ قرآن مجید تھا۔ اتفاق سے وہ جزیرہ مھل میں ایک بڑھیا عورت کے گھر اُترا۔ چنانچہ ایک دن جب وہ اس گھر میں آیا۔ تو اُسنے گھر کی مالکہ کے ساتھ کئی عورتوں کو ماتم کرتے ہوئے دیکھا۔ عرب نے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ اب ضعیفہ کی باری آئی ہے کہ وہ اپنی لڑکی بھوت کو دان دے۔ مسلمان نے کہا کہ تو کچھ پرواہ نہ کریں آج تیری لڑکی کے بدلے بھوت کے پاس جاؤنگا۔ اگر وہ مجھے لیگیا تو تیری لڑکی بچ گئی۔ اور اگر نہ لے گیا تو سارے جزیرے کی مشکل آسان ہو گئی +
عرب مذکور کو وہ لڑکی کی بجاے بت خانہ میں لے گئے۔ مسلمان بت خانے میں یکہ و تنہا کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ جس وقت وہ بھوت آگ کی طرح شعلے مارتا ہُوا آیا۔ اور اُس نے عرب کو دیکھا فی الفور سمندر میں کود پڑا۔ اور رگم ہو گیا۔ غرض اس طریق سے مغربی مذکور صبح تک تلاوت قرآن کرتا رہا۔ ابھی وہ تلاوت میں مشغول ہی تھا۔ کہ عورت مع رشتہ داروں اور اَور لوگوں کے آئی۔ کہ اس کو نکالیں۔ اور حسب دستور جلا دیں۔ مگر ان کو بہت تعجب ہُوا۔ جب انہوں نے اُسے صحیح سالم تلاوت قرآن میں مشغول پایا۔ بڑھیا نے شہر کے حکام تک یہ ماجرا پہنچایا۔ مسلمان طلب کیا گیا۔ اور بادشاہ نے نہایت اشتیاق سے کل ماجرا اُس کی زبانی سُنا +

بادشاہ کو یہ حقیقت سُنکر اسلام کی عظمت و برکت معلوم ہوئی۔ عرب نے بادشاہ کو اسلام کے اصول سکھلائے۔ مگر بادشاہ نے دعوت اسلام ابھی قبول نہ کی۔ اور جواب دیا کہ تم ایک مہینہ یہاں اور ٹھیرو۔ اگر بھوت نہ آیا یا آیا۔ اور تم نے پھر بھگا دیا تو میں مسلمان ہوجاونگا۔ چنانچہ اس طرح خدا تعالے نے بادشاہ اور اُس کے متعلقین کو نور اسلام سے مشرف ہونے کے واسطے تیار کیا +

غرض دوسرا مہینہ اختتام کو پہنچا۔ اور مسلمان کو حسب دستور بت خانے میں لے گئے۔ صبح کو بادشاہ اور اُس کے امرا و وزرا نے اُس کو اسی طرح تلاوت قرآن میں مصروف پایا۔ چنانچہ فی الفور بتوں کو توڑ ڈالا۔ بُت خانے کو زمین کے برابر کردیا اور سب نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ لوگ ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پیرو ہوئے۔ اور اب تک اسی طریق پر ہیں +

مجھے اس جزیرہ میں آئے ہوئے عرصہ گذر گیا۔ مگر یہ کیفیت معلوم نہ تھی اتفاقاً ایک رات میں نے انہیں زور زور سے حمد و ثنا کرتے اور سروں پر قرآن اُٹھائے سمندر کی طرف جاتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ اُس رات کی یادگار میں یہ رسم بجالاتے ہیں۔ جس رات عرب مذکور کی بدولت اُن کو اس مصیبت سے نجات ملی تھی۔ چنانچہ جو قصہ بیان کرچکا ہوں۔ وہی انہوں نے مجھ کو اس موقع پر سُنایا۔ سال بھر کے بعد جب وہ رات آتی ہے۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے جمع ہوتے ہیں۔ اور رات بھر تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے ہیں۔ اور بہت کچھ خیرات کرتے ہیں +

جب میں اول اول جزیرہ مہل میں آیا۔ تو یہاں ایک عورت بادشاہ تھی۔ کیونکہ بادشاہ سابق کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اور رعایا نے ملکہ اُس کی بڑی لڑکی خدیجہ کو ملکہ بنایا تھا۔ اس کا خاوند مولوی جمال الدین واعظ وزیر اعظم مقرر ہوا +

ان لوگوں کا دستور ہے کہ صرف قرآن اور مذہبی کتابوں کو ہی کاغذ پر لکھتے ہیں۔ چٹھیاں۔ احکام۔ قانونی فیصلے۔ مراسلات۔ وغیرہ اور اَور کتابیں ناریل کے پتوں پر قلمبند کرتے ہیں۔ اس ملکہ کی فوج قریباً ایک ہزار ہے۔ قریباً تمام فوج میں غیر ممالک کے لوگ ہیں۔ قاضی کے احکام ملکی قوانین کے برابر مانے جاتے ہیں۔ اور

جزیرہ کے خراج کا تیسرا حصہ قاضیوں کو ملتا ہے۔ یہ طریقہ اُن کے ایک بادشاہ احمد نے جاری کیا تھا +

جب میں اول ان جزیروں میں آیا۔ تو ہمارا جہاز جزیرہ کالنوس کے بندر پر ٹھیرایا تھا۔ جو ایک خوبصورت مقام ہے۔ اور جس میں کئی مسجدیں ہیں اس موقع پر جزیرہ کے کئی ایک عالم اور زاہد لوگ مجھے اپنے مکان پر لے گئے۔ اور بڑے تپاک سے علیحدہ علیحدہ ضیافت کرتے رہے +

اس کے بعد جہاز کا کپتان مجھے اس جزیرہ کی طرف لے گیا جس میں ملکہ مذکورہ بالا رہتی تھی۔ کئی دن کے بعد ہم اس جزیرہ پر پہنچے۔ یہاں تک آنے میں ہم کو دس دن لگے۔ صبح کو تو ہم کشتی میں سوار رہتے۔ اور ظہر کی نماز جہاز میں پڑھتے۔ اور کشتی ہی میں کھانا کھاتے تھے +

ہمارے پہنچنے پر ملکہ کو اطلاع ہوئی جس کے خاوند جمال الدین نے ہم کو بلایا اور بڑی خاطر و تواضع سے پیش آیا۔ ہماری رہائش کے لئے ایک مکان عطا کیا۔ اور سامان خورد و نوش نہایت افراط سے مہیا کیا گیا +

یہاں کا مروجہ سکہ سیپ ہے۔ یہاں کے باشندوں کی خاص خوراک چاول ہے جو گوشت اور مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ یہ لوگ ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتے۔ چمچے استعمال کرتے ہیں +

اس کے بعد وزیر نے مجھ کو عہدہ قضا پیش کیا۔ اُس نے مجھے ایک عالیشان مکان۔ ایک بڑا باغ جس میں کئی ایک اور عمارتیں تھیں۔ رہنے کے لئے دیا۔ اور میرے لئے فرش اور اَور اسباب ضروری خلعت۔ اور سواری کے لئے گھوڑا بھیجا +

اگرچہ اُن میں رسم ہے کہ سوائے وزیر کے اور کوئی گھوڑے پر سوار نہیں ہوتا مگر میرے ساتھ یہ خاص مہربانی کی گئی۔ امراء صرف پالکی پر سوار ہوتے ہیں۔ اس نے میری خدمت کے لئے چند ایک خادمہ بھی بھیجیں۔ اور میں نے اس عرصہ میں تین عورتوں سے شادی کی +

وزیر اکثر ملاقات کو آتا۔ اور مجھ پر نوازش کیا کرتا تھا جس کے معاوضہ میں میں

صرف اُسے دعائے خیر دیا کرتا۔ مگر باوجود اس کے جب میں نے شادی کرلی اور پیار رسوخ بڑھ گیا۔ وزیر کو اپنا خطرہ ہوا۔ کہ مبادا میں اس سے سبقت لے جاؤں یہ صرف اس کی کمزوری تھی۔ اور فنون جنگ سے ناواقفی۔ اس کے دل میں میری طرف سے حسد بڑھتا گیا۔ ہر ایک امر میں خوامخواہ تشویش کرتا۔ لہذا میں نے اُس مقام کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ بھی اُس کے واسطے بُرا تھا۔ کیونکہ میں اس حالت میں اُس کے ملک پر بادشاہ مالا بار کی طرف سے چڑھائی کرسکتا تھا۔ جو میرا دوست اور جان نثار رفیق تھا۔ میں نے اپنی تمام عورتوں کو سوائے ایک کے جس سے ایک بچہ تھا۔ طلاق دیدی۔ اور اس جزیرہ کو خیر باد کہی +

اس جزیرہ سے میں قرب وجوار کے جزیروں کی سیر کو گیا۔ یہ تمام جزیرے ایک اقلیم کی صورت پر ہیں۔ ان جزیروں میں میں نے ایک عورت صرف ایک چھاتی والی دیکھی۔ مجھ کو بہت حیرت ہوئی +

ان جزیروں میں سے ایک کا نام مکوک ہے۔ اور جہاں پر مالا بار جانے والے جہاز ٹھیرتے ہیں۔ اس جزیرہ کی زمین نہایت سرسبز ہے +

ان جزیروں میں میں نے انار کے درخت دیکھے جن میں شگوفہ سال بھر برابر رہتا ہے +

جزائر مالدیپ اور اضلاع مالا بار میں دن کا تری کا رستہ ہے +

اگرچہ ہوا اس راستہ میں موافق رہتی ہے۔ مگر جب ہم روانہ ہوئے۔ تو بادِ مخالف سے واسطہ پڑا۔ جس کے ہاتھوں ہم قریبًا برباد ہی ہو گئے ہوتے۔ اگر بدقت تمام جزیرہ سیلون میں نہ پہنچتے۔ جس میں پہاڑ سراندیپ واقع ہے یہ پہاڑ ہمیں دور سے دھوئیں کے ایک ستون کی طرح نظر آیا۔ اس وقت ہم اس سے نو دن کی مسافت پر تھے۔ جب ہم نزدیک آئے تو ہم نے لنگر ڈالنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں کے رئیس نے جو جہاز پر تھا ہمیں دھمکی دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لنگرگاہ ایک بت پرست حاکم کے پاس تھا۔ اور وہ کسی مسلمان کپتان جہاز سے راہ و ربط نہیں رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ بڑا شریر تھا۔ اور اپنے جنگی جہاز مسلمانوں کے جہاز تباہ کرنے کے واسطے بھیجتا تھا۔ مگر ہمیں یہاں ڈوبنے کا خطرہ بھی تھا۔

ناچار میں خود رئیس کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا کہ ہمیں کنارے پر آنے دو۔ اور میں قرار ہوں۔ کہ تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ میرے اصرار پر وہ راضی ہو گیا۔ اور میں مع اپنے چند ہمراہیوں کے کنارے پر اتر آیا۔ ہندو لوگ ہمارے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے۔ تم کون لوگ ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں بادشاہ **مالابار** کا رشتہ دار ہوں اور ہمارے جہاز میں اسی کے تحفہ ہیں +

یہ سنکر وہ اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو اس ماجرہ سے آگاہ کیا۔ اس نے مجھے بلوایا۔ وہ **شہر بتالہ** کا حاکم ہے۔ جو ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے تمام ساحل پر جا بجا قرنفل اور لونگ کے درخت لگے ہیں۔ جس سے ہوا معطر رہتی ہے +

اس شہر اور **مالابار** میں ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

سیلون کا حاکم **ایلشکرفی** بہت سی بحری فوج رکھتا ہے۔ جب میں اول اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو اس نے میری نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اور کہنے لگا۔ کہ تم تین دن تک میرے مہمان رہو۔ اور اہل جہاز کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور کہا کہ چونکہ تمہارا رشتہ دار بادشاہ **مالابار** میرا دوست ہے۔ لہذا یہ سب اس کی خاطر ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اس کے پاس تین دن تک مہمان رہا۔ جس عرصہ میں میں نے وزرا فزوں عنایت دیکھی +

ایک دن میں اس کے دربار میں گیا۔ اور اس کے پاس چند ایک موتی دیکھے جو کہ سمندر سے نکالے گئے تھے۔ اور اس کے ہمراہی تقسیم کر رہے تھے +

اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کبھی موتیوں کے غوطہ زنوں کو غوطہ لگاتے ہوئے دیکھا ہے +

میں نے کہا کہ ہاں جزائر قیس میں +

پھر وہ کہنے لگا کہ تم کچھ شرم مت کرو۔ اور جو چاہتے ہو مجھ سے مانگو +

میں نے کہا کہ میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں اس جزیرہ میں اس جگہ کو دیکھوں جسے **پل آدم** کہتے ہیں +

بادشاہ نے میری درخواست قبول کر لی۔ اور کہنے لگا کہ میں کسی شخص کو تمہارے ہمراہ رستہ بتانے کے لئے بھیج دونگا +

میں نے کہا کہ جو جہاز مجھے یہاں لایا تھا۔ وہ تو مالا بار چلا جائیگا۔ اس لئے اجازت دیجئے کہ کوئی جہاز مجھے واپس لیجائے +

رئیس نے کہا بہت خوب +

جب میں نے یہ ذکر اپنے کپتان سے کیا۔ تو اُس نے کہا۔ کہ میں تمہارے بغیر کبھی نہ جاؤنگا۔ خواہ مجھے برس روز تک مقام کرنا پڑے +

یہ میں نے بادشاہ سے بیان کیا۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا۔ کہ جہاز مذکور کا خرچ ہم خود ادا کرینگے +

بادشاہ نے مجھے ایک پالکی عطا کی۔ جسے اُس کے نوکروں نے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ نیز بادشاہ نے چار جوگی بھی میرے ساتھ بھیجے۔ جن کے ساتھ چار برہمن رہا کرتے تھے۔ اور دس بادشاہ کے مصاحب مع پندرہ نوکروں کے میرے ہمراہ ہوئے سڑک پر پانی ہر ایک جگہ افراط سے پایا جاتا ہے +

ہم منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔ اور پہلے دن ایک دریا کو عبور کر کے شہر منڈالے میں پہنچے۔ جو کہ سرحد پر واقع ہے +

پھر ہم بندر سلوات پر گئے۔ اس میں چند ہاتھی چھٹے ہوئے تھے۔ جو کھلے پھرا کرتے تھے۔ مگر کسی مسافر یا اجنبی کو نہیں ستاتے تھے +

پیشتر اس کے یہاں کے بت پرست لوگ مسلمانوں کو زیارت نہیں کرنے دیتے تھے۔ اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتے تھے +

ہاتھیوں کے اجنبیوں کو نہ چھیڑنے کا یہ باعث بیان کرتے ہیں۔ کہ شیخ ابوعبداللہ بن خفیف کی برکت سے جو پہلا مسلمان تھا۔ جس نے یہ سڑک نکالی تھی۔ ہاتھی مسافروں کو نہیں ستاتے +

بیان کرتے ہیں کہ شیخ مذکور کے تمام ساتھیوں کو ہاتھیوں نے مار دیا تھا۔ اور شیخ کو اپنی پیٹھ پر چڑھا کر ایک آباد جگہ لے گئے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بت پرست مسلمانوں سے نفرت بھی نہیں کرتے۔ اور آج تک شیخ کا نام عزت سے لیتے ہیں +

اس کے بعد ہم کنکر میں وارد ہوئے۔ جو شاہ سیلون کا دارالسلطنت ہے

شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی کی مسجد ہے۔ جہاں کہ بادشاہ اور تمام لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں +

یہاں ایک سفید ہاتھی ہے۔ جس کو والئے ملک خاص خاص مقررہ ایام میں خوب سجاتا ہے اور اُس پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ نکلتا ہے +

لعل صرف اسی جگہ ملتے ہیں۔ یہاں لعل قیمتی چیز سمجھی جاتی ہے۔ نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ اور بادشاہوں کے پاس فروخت کے لئے بھیجے جاتے ہیں +

سیلون کی تمام عورتیں لعل پہنتی ہیں +

میں نے اس سفید ہاتھی کے ماتھے پر سات لعل دیکھے۔ جن میں سے ہر ایک مرغی کے انڈے کے برابر تھا +

میں نے بادشاہ کے پاس لعل کا ایک چمچہ بھی دیکھا تھا۔ اور ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر تھا۔ میں نہایت حیران ہوا۔ مگر بادشاہ نے کہا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑے بڑے لعل ہیں +

کنکر میں اسط محمد نامی ایک غار ہے۔ جو گہرائی اور چوڑائی میں اپنا نظیر کم رکھتا ہے +

یہاں سے ہم بوزنہ ند گئے۔ جس کے معنی بندر کے ہیں۔ کیونکہ اس طرف ان جانوروں کی بہت کثرت ہے +

یہ بندر سیاہ رنگت کے ہوتے ہیں۔ ان کی دُم بھی ہوتی ہے۔ داڑھی انسان کی طرح ہوتی ہے +

مجھے ایک معتبر شخص شیخ عثمان نے کہا کہ ان بندروں کا ایک سردار ہوتا ہے جسے وہ بادشاہ کی طرح مانتے ہیں۔ اس کے سر پر بندر ایک پتوں کا تاج بنا کر رکھتے ہیں۔ اور وہ اکثر لکڑی لیکر جیسے عصا کہنا چاہیئے چلتا ہے۔ اُس کے ہمراہ ہمیشہ چار بندر بطور باڈی گارڈ کے رہتے ہیں۔ اور جب وہ بیٹھتا ہے۔ اُس کے پاس کھڑے رہتے ہیں۔ اس کی بیوی اور بچے اور اور بندر اس کے گرد مؤدب ہو کر بیٹھتے ہیں۔ گویا دربار لگتا ہے +

مذکورہ بالا چار بندروں میں سے ایک ان سب کو کچھ کہتا ہے۔ جس پر وہ سب علیحدہ

ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے ہاتھ میں ایک لیموں یا ناریل یا کوئی اور پہاڑی میوہ جو میسر ہو سکے لاکر سردار کے پیشکش کرتا ہے +

اس کو بندر رنڈ کو اپنی بیوی اور بچوں اور چار باڈی گارڈ میں تقسیم کرتا ہے۔ مجھے ایک جوگی نے یہ بھی بتلایا ہے۔ کہ ایک دفعہ یہ چار بندر کسی اور بندر سے سونٹوں سے لڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے سکے بال مارے ڈنڈوں کے اُڑا ڈالے +

میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ بندر اکثر عورتوں پر بھی حملے کرتے ہیں +

اس کے بعد ہم ایک مقام پر پہنچے۔ جس کو بڑی مائی کا گھر کہتے ہیں۔ پھر ہم بابا طاہر سے ہو کر غار سباق میں آئے۔ جہاں کہ ایک بت پرست بادشاہ سلطنت چھوڑ کر پرستش کرنے کے لئے آیا ہوا تھا +

اس کے بعد ہم ایک جگہ آئے جسے سد سکندری کہتے ہیں۔ جہاں ایک غار اور پانی کا چشمہ ہے +

کوہ سرندیپ کا دروازہ یہاں پر بنا ہوا ہے۔ جو بہت بلند پہاڑ ہے جب ہم اس پر چڑھے تو بادل ہمارے سروں پر سے ہو کر جاتے تھے +

دامن کوہ میں دو سڑکیں ہیں۔ ایک تو سڑک بابا کہلاتی اور پل آدم کی طرف جاتی ہے۔ اور دوسری سڑک ماما کے نام سے موسوم ہے +

بابا اور ماما سے حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام مراد ہیں +

یہاں کے دامن کوہ میں ایک درہ ہے۔ جس میں ایک مینار اور ایک چشمہ سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ چند مصنوعی برجوں پر چڑھنے سے جو کہ پہاڑ میں کاٹ کر بنائے ہوئے ہیں۔ ایک غار اور کنواں نظر آتا ہے۔ جو کہ حضرت خضر علیہ السلام کے نام سے معروف ہے۔ جہاں سے دو میل کی بلندی پر پہاڑ کی چوٹی میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان ہے چین کے لوگ دور دور سے اس کی زیارت کو آتے ہیں +

اس جگہ اکثر لعل۔ جواہرات اور سونے کا چڑھاوا چڑھتا ہے۔ جسے فقیر لیجاتے

ہیں۔ہم مقام مذکورہ بالا میں حسب دستور زمین دیکھ کر واپس ہوئے۔

پھر ہم مچھلی پٹن پہنچکر کاڈکون کے گاؤں میں آئے۔اس پہاڑ کے نیچے ایک بڑی خلیج ہے۔جہاں سے موتی بکثرت نکالے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ہم دو دن کی مسافت کے بعد شہر دبیفوہ میں وارد ہوئے۔جو وسیع شہر ہے۔اس میں سوداگر بکثرت ہیں۔یہاں ایک مندر ہے۔جہاں ایک ہزار برہمن پوجاری رہتے ہیں۔اور پانسو جوان عورتیں جو ہندوستان کے بڑے بڑے امیروں کی لڑکیاں ہیں۔اس میں گانے بجانے پر مقرر ہیں۔بُت سونے کا ہے اور اس میں آنکھوں کی بجائے دو لعل لگے ہوئے ہیں۔جو رات کو مثل مشعل کے روشن رہتے ہیں۔

یہاں کی سیر سے فارغ ہو کر میں اپنے مہربان فرمانروا کے پاس آیا۔اور اس سے سفر کی اجازت لیکر رخصت ہوا۔

باب ہفتم

جزائر بحر ہند

پھر ہم اُس جہاز پر سوار ہو کر جو ہماری انتظار میں سیلون کے بندر پر کھڑا تھا ماء بار کو روانہ ہوئے۔ مگر باد مخالف چلنا شروع ہوئی۔ ہم نے بادبان کاٹ ڈالے۔ سب کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ لیکن خدا نے اپنی عنایت سے ہمیں بچا لیا چند بت پرستوں نے اپنی کشتیاں ساحل سے ہماری مدد کے لئے بھیج دیں۔ جن پر سوار ہو کر ہم کنارے پہنچ گئے +

میں نے اُن سے بیان کیا۔ کہ میں شاہ مالابار کا رشتہ دار ہوں اُنہوں نے میری بڑی عزت کی۔ اور بادشاہ کو لکھا۔ میں نے بھی بادشاہ کو چٹھی بھیجی جس پر ایک امیر میرے لئے ایک پالکی اور دس گھوڑے لایا +

غرض ہم شاہ غیاث الدین کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے ضلعجات ماء بار سلطان محمد شاہ ہند کے قبضہ میں تھے۔ مگر جلال الدین حسن شاہ نے انہیں غصب کر لیا۔ جس نے پانچ سال حکومت کی +

اس کے بعد اُس کا ایک امیر الہ دین تخت پر بیٹھا۔ مگر وہ ایک لڑائی میں اتفاقاً مارا گیا +

پھر قطب الدین حاکم ہوا۔ مگر بدچلنی کے باعث قتل کیا گیا۔ پھر غیاث الدین جلال الدین کا ایک امیر حاکم ہوا۔ جس نے جلال الدین کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اور جس لڑکی کی ماں میری ایک بیوی کی بہن تھی۔ جب میں دہلی میں قاضی تھا +

جب میں قریب پہنچا۔ تو اُس نے اپنا ایک مشیر میرے استقبال کو بھیجا۔ جب میں

اندر گیا نہایت خاطر سے پیش آیا۔ اور میری عزت کی +

جس وقت میں اُسے ملا وہ اپنے کیمپ میں تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے نزدیک مجھکو خیمہ دیا۔ اور رسد اور تحفہ وغیرہ میرے پاس بھیجے +

یہ شاہزادہ بڑا جنگجو تھا۔ اُس کا ملک ایک ہندو راجہ کے پڑوس میں تھا جس کی فوج ایک لاکھ اور بیس ہزار تھی۔ اور جس نے ضلاع مسلمانوں سے چھین لینے کی کوشش کی تھی ؛

راجہ نے ماء بار کے ایک شہر کبان پر حملہ بھی کیا۔ اور وہاں کی چھ ہزار فوج کو شکست دیکر شہر کا محاصرہ کر لیا +

یہ خبر سلطان کو پہنچی جو اپنی فوج لیکر مقابلہ کے لیئے آیا۔ مگر اس کے ساتھ کل فوج سات ہزار تھی۔ سپاہیوں نے اپنی پگڑیاں اُتار لیں۔ اور اپنے گھوڑوں کی گردنوں سے لٹکا لیں۔ جس کا یہ مطلب تھا۔ کہ وہ لڑنے مرنے پر تیار ہیں +

چنانچہ ان سات ہزار نے راجہ کی فوج پر دوپہر کے وقت جب وہ محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ مگر اس وقت بیخبر تھی۔ حملہ کیا۔ اور شکست فاش دی۔ بہت کم لوگ جان بچا کر بھاگ سکے۔ بہت مارے گئے۔ راجہ قید کیا گیا۔ اُس کا تمام مال لے لیا گیا۔ اور اُسے مار کر اُس کی نعش شہر کی ایک دیوار پر لٹکائی گئی۔ جسے میں نے خود دیکھا +

میں بادشاہ کو وہاں چھوڑ کر اُس کے شہر میں گیا۔ جو نہایت عمدہ اور بڑا بندرگاہ موسوم بہ پٹن ہے۔ یہاں انگور اور انار عمدہ تھے +

یہاں میں نے شیخ صالح محمد نیشاپوری کو دیکھا۔ جو ایک قلندر فقیر تھے اور جن کے بال شانوں پر گرے ہوئے تھے +

شیخ کے ساتھ تیس اور فقیر تھے۔ جن کے ساتھ بہت سی لومڑیاں کچھ شیر اور غزال تھے۔ جو سب ایک دوسرے کے ساتھ نہایت صلح سے رہتے تھے +

یہاں سے میں سلطان کے ملنے کے لیئے منالہ میں آیا۔ اس شہر میں سخت بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ اور بہت لوگ مرتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بیمار ہو کر شہر میں آیا۔ اور چند روز بعد فوت ہو گیا۔ اُس نے اپنے بھتیجے ناصر الدین کو بادشاہ

سفر کیا +

یہاں مجھے بھی سخت بخار آیا۔ جس نے مجھے بہت مضمحل کر دیا۔ چنانچہ میں نے بادشاہ سے جانے کی اجازت مانگی اور اپنے سفر پر روانہ ہوا +

یہاں سے پھر میں پٹن آیا۔ اور پھر کولم میں جا کر بیماری کے باعث تین مہینے تک رہا +

پھر میں سلطان جمال الدین کو حسبِ وعدہ ملنے کو گیا۔ مگر سمندر میں بارہ ہندوؤں کے جہاز ہمارے مقابلے پر آئے۔ اور ہم سے سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کولم اور فالنوں کے درمیان انہوں نے ہمیں ہزیمت دی۔ اور ہمارے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے ہمارا سب مال و اسباب۔ جواہرات وغیرہ لوٹ لئے۔ اور میرے پاس صرف ایک پاجامہ رہنے دیا +

غرض ہم ننگے دھڑنگے خشکی پر آئے۔ اور یہاں سے کالی کٹ پہنچے۔ اور ایک مسجد میں چلے گئے۔ چند امیروں اور سوداگروں نے جنہوں نے مجھے دہلی میں دیکھا تھا۔ مجھے کپڑے دئیے۔ اور بہت عزت کی +

میں نے چاہا کہ یہاں سے شاہ ہند کے پاس چلا جاؤں۔ مگر اُس کی سختی سے ڈرا۔ کہ مبادا مجھ سے کیفیت طلب ہو کہ تحفے تحائف کیوں ضائع کر دئیے گئے۔ اسلئے میں جزیرہ مالدیپ کی طرف چلا گیا۔ جہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ میں اُسے جا کر ملا۔ جو اپنی ماں کے پاس اچھی طرح سے رہتا تھا +

وزیر نے مجھے سامان سفر وغیرہ کے لئے دیا۔ پھر میں بنگال کی طرف جو ایک زرخیز ملک ہے چلا +

میں نے کوئی ایسا ملک نہیں دیکھا کہ جہاں خوراک وغیرہ کے سامان ایسے سستے ہوں۔ ایک یورپین زاہد نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ میں نے سارے سال کا سامان صرف آٹھ درہم کو خریدا ہے +

اول میں سات گاؤں میں گیا۔ بنگال کا بادشاہ ان دنوں فخر الدین تھا جو ایک مسافر پرور اور اچھا حاکم تھا۔ مگر اُسے اس لئے نہ ملا۔ کہ وہ سلطان ہند کا دشمن تھا اور ان اطراف میں اس کے برخلاف بغاوت کر رہا تھا +

یہاں سے میں سلسلہ کوہ کامرو کی طرف گیا۔ جو ایک مہینے کی مسافت پر تھا۔ یہاں کے باشندے ترکوں سے مشابہ ہیں۔ یہ پہاڑ تبت سے جا ملتے ہیں +

میں اس طرف صرف شیخ جلال الدین تبریزی کو ملنے گیا تھا۔ جو ایک بڑے اولیاء اللہ اور صاحب کرامت تھے۔ ان کی عمر بہت تھی۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ میں نے خلیفہ بغداد معتصم باللہ کو دیکھا ہے +

انہوں نے چالیس برس تک روزہ رکھا۔ یعنی دس دن کے بعد روزہ کھولتے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر پائی +

ان کے پاس ایک گائے تھی جس کے دودھ سے وہ اکثر روزہ کھولتے تھے عموماً ساری رات جاگتے تھے۔ اور انہوں نے اُن علاقوں میں بہت لوگوں کو مسلمان کیا تھا +

بعد ازاں مجھے انکے ایک ہمراہی سے معلوم ہوا۔ کہ مرنے سے ایک دن پہلے انہوں نے اپنے سب مریدوں سے کہا۔ کہ "کل میں رخصت ہونگا۔ الوداع۔ خدا تمہارا حافظ ہو اور وہی صرف سچا خدا ہے" +

جب میں شیخ کو ملنے جا رہا تھا۔ تو شیخ کے ہمراہیوں میں سے مجھے دو شخص ملے جن کو شیخ نے یہ کہکر بھیجا تھا۔ کہ ایک مغربی مسلمان سیاح آ رہا ہے۔ جاؤ اُس کا استقبال کرو +

جب میں شیخ کے غار میں گیا۔ تو وہ کھڑے ہو گئے۔ اور مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ اپنے ہمراہیوں کو میری خاطر اور عزت کا حکم دیا +

میں تین دن تک مہمان رہا شیخ بکرے کے بالوں کا ایک خفتان پہنتے تھے میں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش شیخ یہ مجھے دیدے۔ چنانچہ رخصت کے وقت شیخ نے اتار کر مجھے پہنا دیا +

شیخ کے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ پہلی دفعہ ہے کہ شیخ نے اس طرح کسی کو اپنے ہاتھ سے کپڑا پہنایا ہے۔ اور شیخ ہم سے ذکر کرتے تھے۔ کہ یہ خفتان کوئی مغربی سیاح مجھ سے لیجائیگا۔ اور کسی بادشاہ کو دیگا۔ جس کے پاس سے یہ ہمارے بھائی شیخ برھان الدین کے پاس پہنچیگا +

میں نے کہا کہ میں اسے کبھی کسی بادشاہ کے پاس پہن کر ہی نہ جاؤنگا +

پھر میں شیخ سے رخصت ہوا۔ایک مدت کے بعد اتفاقاً مَیں سفر کرتا ہُوا ملک چین میں جا پہنچا۔اور شہر خانسا تک چلا گیا۔ایک دفعہ بہت بھیڑ بھاڑ کے باعث میرے ہمراہی مجھ سے الگ ہوگئے۔اور وہی خفتان میں پہنے تھا۔اور سڑک پر تھا۔کہ مجھے وزیر ایک جماعت کے ہمراہ ملا۔وہ مجھے بادشاہ کے محل تک بڑے تپاک سے لیگیا۔آخر بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔جس نے مجھ سے مسلمان بادشاہوں کی نسبت بہت سے سوال کئے۔میں نے سب کے جواب مناسب دئیے +

بادشاہ نے جب یہ خفتان میرے پاس دیکھا۔تو اس کی تعریف کرنے لگا اور مجھ سے مانگا۔جائے انکار نہ تھی۔آخر اتار کر دیدیا +

بادشاہ نے مجھے دس خلعت فاخرہ۔ایک گھوڑا مع سازوسامان کے۔اور سفر خرچ دیا۔شیخ کی پیشین گوئی یہاں تک سچ ہوگئی +

ایک سال بعد میری رسائی شاہنشاہ چین کے محلات تک ہوئی۔میں شیخ برہان الدین ساگرجی کو دیکھنا چاہتا تھا۔آخر میں نہیں ملا۔وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔اور وہی خفتان پہنا ہُوا تھا +

میں خفتان کو الٹنے پلٹنے لگا۔انہوں نے مجھ سے سبب پوچھا۔میں نے تمام ماجرا سنایا +

اُنہوں نے مجھے ایک خط دکھایا۔جس میں شیخ جلال الدین نے یہ لکھا تھا۔کہ یہ خفتان فلاں شخص سے تم کو ملیگا۔غرض شیخ کی پیشین گوئی تمام وکمال سچ ہوگئی +

غرض شیخ جلال الدین کے پاس سے روانہ ہوکر میں شہر حبنق میں آیا۔شہر اچھا بڑا اور خوبصورت ہے۔اس کے وسط میں دریا دا زرق بہتا ہے +

یہاں سے میں بنگال آیا۔پھر دریائے لکھنوتی کے قرب وجوار کے علاقوں میں سفر کیا۔یہ دریا نیل کی طرح اپنے گرد بہت سے باغات۔گاؤں وغیرہ کو سیراب کرتا ہے +

پھر میں شہر سنرکاواں میں آیا۔یہاں میں نے ایک قافلہ کو دیکھا جو جاوا کی طرف جو یہاں سے چالیس روز کی مسافت پر ایک جزیرہ ہے۔جا رہا تھا۔غرض

میں بھی ساتھ ہولیا۔ اور پچاس دن کی تری کے سفر کے بعد ملک البرھنکار میں پہنچا +

یہاں کے لوگوں کے منہ کتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نرے وحشی ہیں۔ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ ان کے مکانات سمندری درختوں کی جڑوں کے بنے ہوتے ہیں +

یہاں کیلہ۔ قرنفل اور سپاری کے درخت بکثرت ہیں۔ مردوں کے منہ کتوں کے مشابہ ہیں۔ مگر عورتوں کے چہرے بالکل بے عیب ہیں +

مرد بالکل ننگے رہتے ہیں۔ میں نے صرف ایک کو ایک لنگوٹ پہنے دیکھا تھا۔ عورتیں پتوں سے اپنا بدن چھپاتی ہیں +

مرد عورت فرائض فطری علانیہ سب کے سامنے ادا کرتے ہیں۔ ایک شخص تیس چالیس عورتیں رکھ سکتا ہے۔ مگر بدکاری نہیں کرتے۔ جو کرے اسے پھانسی دے دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی جگہ پر کوئی غلام یا کوئی اور شخص موجود کر دے تو اس کو پھانسی دیتے ہیں۔ اور وہ خود چھوٹ جاتا ہے +

عورت کی سزا یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ کے نوکر اسے اپنے پاؤں میں کچل کر مار دیتے ہیں۔ اور پھر وہ سمندر میں پھینکدی جاتی ہے +

عورتیں مردوں سے عموماً گریزاں رہتی ہیں۔ مگر مرد ان کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں۔ کہ کسی اجنبی کو گھروں کے پاس نہیں آنے دیتے۔ اگر کوئی سوداگر وغیرہ آئے تو دور سے ہی اس سے تجارت یا اور کاروبار طے کر لیتے ہیں۔ اور پانی کھانا لا دیتے ہیں +

جب ہم بندر پر پہنچے تو ان کا بادشاہ ایک ہاتھی پر سوار ہمارے پاس آیا۔ وہ بھیڑ کے چمڑے کے کپڑے پہنے تھا۔ اور سر پر ایک ریشمی پگڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چاندی کی چھڑی تھی +

کوئی اجنبی شخص ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ مگر وہ جو عرصہ تک ان کے ملک میں رہے +

ہم نے دستور کے موافق اسے تحفے بھیجے اگر کوئی جہاز تحفہ نہ بھیجے تو سخت

تکلیف پہنچاتے ہیں +

پھر ہم یہاں سے چلکر جاوا آئے۔ یہ ایک سرسبز اور لہلہاتا جزیرہ ہے۔ درخت عموماً۔ ناریل۔ قرنفل۔ سپاری۔ سیب۔ نرنگسترہ۔ کافور۔ شاکی پار کی کے ہوتے ہیں +

یہاں کے باشندے کچی دھاتیں ٹین اور چاندی دوسرے ملکوں میں بھیجتے ہیں +

بندرگاہ کے نزدیک ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جہاں بادشاہ خود رہتا ہے۔ اور جہاں سوداگروں کی حفاظت کے لئے بارود وغیرہ کا سامان رہتا ہے +

جب میں یہاں پہنچا۔ تو حاکم نے بادشاہ کو میرے آنے کی نسبت لکھا جس نے ایک امیر اور ایک قاضی کو میرے استقبال کے لئے بھیجا۔ جو ایک خاص شاہی گھوڑے میرے لئے لائے +

یہاں کا بادشاہ جمال الدین تھا۔ جو نہایت فیاض اور نیک صفت بادشاہ ہے وہ شافعی فرقہ سے ہے۔ اور مسلمان عالموں سے محبت رکھتا ہے۔ وہ عالموں کو اپنی صحبت میں رکھتا ہے۔ اور انہیں عام طور پر مباحثہ کی اجازت دیتا ہے نہایت دیندار اور متواضع ہے۔ اور پیادہ جمعہ کی نماز کو جاتا ہے +

اردگرد کے بت پرست راجہ سب اس سے دبتے ہیں۔ اور چونکہ رعیت شافعی مذہب کی ہے۔ سب لوگ جنگ میں اسکا ساتھ دیتے ہیں +

بادشاہ کے مکان پر جب میں آیا۔ تو اس کا نائب بڑے اخلاق سے پیش آیا اور مجھے خلعت دی۔ پھر ہمارے لئے کھانا لایا +

اس کے بعد میں اس مکان میں گیا۔ جو میرے لئے تیار تھا۔ اور جو ایک باغ میں واقع تھا +

یہاں کافی سامان رہائش موجود تھا۔ صبح و شام وزیر کی طرف سے ہمارے لئے کھانے اور میوے آتے +

تیسرے دن جمعہ تھا۔ مجھے اطلاع ہوئی۔ کہ نماز کے وقت بادشاہ کی مجھ سے ملاقات ہوگی۔ تیسرے دن میں وہاں گیا۔ سلطان آیا۔ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور

دیر تک مجھ سے ہندوستان کے بادشاہ اور میرے سفر کے حالات پوچھتا رہا ۔
میں نے ہر ایک بات کا جواب دیا ۔ نماز کے بعد مذہبی مباحثہ کرتا رہا ۔ جو شام تک رہا ۔

وہ ہمیشہ مولویوں کی صورت میں مسجد میں آتا ہے ۔ شام کے وقت پھر شاہانہ لباس پہن لیتا ہے ۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر گھر جاتا ہے ۔

پندرہ دن تک میں اس کا مہمان رہا ۔ اس کے بعد میں نے اپنے سفر پر آگے ملک چین کو جانے کے لئے اجازت مانگی ۔

اگرچہ بادشاہ اکثر مہمانوں کو جانے کی اجازت نہیں دیتا ۔ مگر مجھے اس نے اجازت دیدی ۔ اور سفر خرچ ۔ اور میوے وغیرہ عطا کئے ۔ علاوہ ازیں ایک جہاز پر جو چین کو جانے والا تھا سوار کرا دیا ۔

اکیس دن کے سفر کے بعد میں مل جاوا میں پہنچا ۔ جہاں سے بت پرستوں کا ملک شروع ہوتا ہے ۔

اس ملک میں خوشبودار مصالح اور عطریات بہت ہوتے ہیں ۔ خوشبودار مصالح کے درختوں میں ذیل کے درخت مشہور ہیں :۔

لوبان ۔ آدمی کے قد کا چھوٹا سا درخت ہوتا ہے ۔ پتے چھوٹے چھوٹے اور پتلے ہوتے ہیں ۔ لوبان گوند کو کہتے ہیں ۔ جو لکڑی میں ہوتا ہے ۔ اسلامی ممالک میں بھی بہت ہوتا ہے ۔

کافور ۔ اس کا درخت دریائی جڑوں کی طرح ہوتا ہے ۔ جن میں گڑھے پڑے ہوتے ہیں ۔ کافور انہیں گڑھوں سے نکلتا ہے ۔

عمدہ کافور نہایت سرد ہوتا ہے ۔ اور زیادہ کھانے سے دم گھٹ جاتا ہے کافور نکالنے کے واسطے کسی جانور کا خون اس پر ڈالا جاتا ہے ۔ ورنہ ایک قسم کا پھل اس میں لگتا ہے جس کو **خاردانہ** کہتے ہیں ۔

عود ہندی ۔ اس کا درخت درمیانہ اور نہایت نازک ہوتا ہے ۔ اس کی جڑیں لمبی اور خوشبودار ہوتی ہیں ۔ مسلمانوں میں یہ جائداد کے طور پر سمجھا جاتا ہے مگر ہندوؤں میں نہیں ۔

لونگ - اس کا درخت اونچا اور موٹا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے ملک میں بہت ہے۔ اور افراط سے لونگ حاصل ہوتے ہیں ؂

یہاں سے ہم بندرگاہ کاکولہ کو گئے۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ اس کے گرد ایک پتھر کی دیوار ہے۔ جو اتنی موٹی ہے جس پر تین ہاتھی چل سکتے ہیں۔ یہاں میں نے ہاتھیوں پر عود ہندی کے گٹھے کے گٹھے لدے دیکھے۔ جس کو یہ لوگ ایندھن کی طرح جلاتے ہیں۔ کیونکہ سوداگر لوگ ایک لدا لدایا ہاتھی ایک کتان کی پوشاک کے بدلے لیتے ہیں ؂

کتان یہاں ریشم کی نسبت گراں ہے۔ یہاں ہاتھی بڑے کثرت سے ہیں سوداگروں کی دکانوں پر بندھے رہتے ہیں۔ مال اسباب بھی ان پر لادا جاتا ہے۔ اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں ؂

ملول نامی جاوا کا کافر بادشاہ ہے۔ میں اُسے ملا۔ وہ محل سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے امیر سامنے کھڑے تھے۔ میں جب گیا تو اُس نے میرے لئے ایک دری بچھوا دی۔ مگر آپ زمین پر بیٹھا رہا ؂

میں نے اُس کے سامنے دری پر بیٹھنے سے عذر کیا۔ مگر اُس نے کہا کہ تم مہمان ہو۔ اور یہ تمہاری تواضع ہے ؂

پھر وہ مجھ سے امیر جمال الدین کا حال پوچھتا رہا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا۔ کہ آپ تین دن کے لئے میرے مہمان ہیں۔ پھر آپ جا سکتے ہیں ؂

ایک دن میں نے اُس کے دربار میں دیکھا کہ ایک شخص نے ایک تیز چاقو لیکر سب کے سامنے اپنا سر اُڑا دیا۔ حکم ہوا کہ لاش جلا دی جائے ؂

میں نے سبب پوچھا تو اُس نے کہا۔ کہ میرے نوکر بباعث کثرت محبت کے اپنی جان مجھ پر قربان کرتے ہیں ؂

چاقو مارنے سے پہلے اُس نے کچھ تقریر بھی کی تھی جسے میں نہیں سمجھ سکا میں نے سُنا کہ وہ اس مضمون کی تھی۔ کہ میں بادشاہ پر اپنی جان محبت میں فدا کرتا ہوں۔ چنانچہ اُس کے باپ نے موجودہ بادشاہ کے باپ پر اپنی جان قربان کی تھی اور اسی طرح اس کا دادا بادشاہ کے دادا پر تصدق ہوا ؂

پھر میں بادشاہ سے رخصت ہو کر جہاز پر سوار ہوا۔ اور چونتیس دن تک بحرالکاہل میں سفر کیا۔ باد موافق چلتی رہی۔ کسی قسم کا خطرہ نہ پیش آیا +

یہاں کا پانی کچھ سُرخ سا ہے۔ چونکہ نزدیک کے ملک کی مٹی سُرخ ہے سمندر یہاں نہایت اعتدال پر ہے۔ اس لئے ہر بڑے چینی جہاز کے ساتھ تین چھوٹے جہاز بھی لگا دیئے جاتے ہیں۔ جو چپوؤں کے ذریعہ چلائے جاتے ہیں۔ بیس بڑے بڑے چپے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک پر بیس آدمی دو قطاروں میں کام کرتے ہیں +

پھر ہم بلاد طوالیسی میں آئے۔ جو بادشاہ کے نام سے موسوم ہے۔ ملک بہت وسیع ہے۔ یہاں کا بادشاہ چین والوں سے جنگ پر آمادہ ہے۔ اس کے پاس بہت سے بیڑے جہازوں کے ہیں۔ اور اسی گھمنڈ پر وہ لڑائی لڑیگا۔ سب لوگ بت پرست ہیں اور نہایت حسین ہیں +

یہاں کے لوگ بہادر اور قوی ہیں۔ عورتیں گھوڑوں پر چڑھتی ہیں۔ اور مردوں کی طرح لڑتی اور تیراندازی کرتی ہیں +

ہم ایک بندرگاہ کیلوکہ میں اُترے جو نہایت خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کی حاکم مشلی ولسش راجہ کی ایک لڑکی ہے +

جب اُس نے ہمارے آنے کی خبر سُنی۔ ہم سب کو ضیافت کے واسطے مدعو کیا۔ اور جب میرا حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے مجھے بُلایا تخت سلطنت پر بیٹھی تھی عورتیں ہاتھوں میں سلطنت کے کاغذ لئے کھڑی تھیں +

اُس نے ترکی زبان میں مجھ سے گفتگو کی۔ اور قلم دوات منگوا کر کاغذ پر مجھے "بسم اللہ" لکھکر دکھایا +

اُس نے مجھ سے کئی ایک سوال کئے۔ میں نے مناسب جواب دئے۔ پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ ہندوستان میں بڑی دولت ہے۔ میں اُسے فتح کرنا چاہتی ہوں +

اس کے بعد مجھے خلعت اور سفر خرچ دیا۔ اور نہایت اخلاق سے رخصت کیا +

میں نے سنا کہ اس ملک کی فوج میں ایک عورتوں کا دستہ ہے۔ جو میدان جنگ میں برابر کام کرتا ہے ✦

کسی بادشاہ سے اس کی دشمنی تھی۔ اُس سے اس کی لڑائی ہوئی۔ اُس نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ بادشاہ کو شکست دیدی۔ اُس کا مال لوٹ لیا۔ اور بادشاہ کا سر کاٹ کر اپنے باپ کے پاس بھیجدیا۔ جس نے اور مُلک بھی لڑکی کو عطا کیا۔ کئی ایک ملکوں کے شاہزادے اُس سے شادی کے خواستگار ہوئے ہیں۔ مگر وہ انکار کرتی ہے۔ اور یہ شرط پیش کرتی ہے کہ جو شخص مجھ سے جھوٹی لڑائی میں جیت جائے میں اُس سے شادی کرونگی۔ مگر کوئی مغلوب ہونے کے ڈر سے جراُت نہیں کرتا ✦

باب یازدہم

مُلک چین

پھر ہم توالیسی سے روانہ ہو کر سات دن کے بحری راستہ سے مُلک چین کے ساحل پر پہنچے ۔

یہ بہت بڑا مُلک ہے ۔ اور اُس کی بہت سی چیزیں مشہور ہیں ۔ مثلاً میوے اشیا صنعت سونا ۔ چاندی ۔ برتن اور ریشم ۔ غرض یہ دنیا میں بے مثل ملک ہے ۔

ایک دریا اسے دو حصوں میں منقسم کر دیتا ہے ۔ جسے آب حیات اور اکثر نہر السر بھی کہتے ہیں ۔

یہ دریا ملک خان بالق کے پہاڑوں سے نکلکر تمام سرزمین کو سیراب کرتا ہے اس کے گرد نہایت زرخیز زمین ہے ۔ جس میں آبادیاں اور باغات بکثرت ہیں ۔

چین میں گنا مصر کے گنے سے بہت عمدہ ہوتا ہے ۔ ہمارے مُلکوں کے تمام میوے چین میں موجود ہیں ۔ اور سستے ملتے ہیں ۔

چین میں مٹی کے برتن صرف الزیتون میں بنتے ہیں ۔ یہ مٹی ایک قسم کے پتھر کو جلا کر بنائی جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ ایک اور پتھر ملایا جاتا ہے جسے تین دن تک آگ کے سامنے رکھ کر پانی ڈالا جاتا ہے ۔ یہ مٹی کی طرح ہو جاتا ہے ۔ پھر چند دن تک اس کا خمیر ہوتا ہے ۔ عمدہ خمیرہ ۳۰ دن میں تیار ہوتا ہے ۔ یہ برتن دور دور کے ملکوں میں بھی بھیجے جاتے ہیں ۔ چین میں مُرغا دوسرے ملکوں سے بہت بڑا ہوتا ہے ۔

چین کے لوگ سوائے تھوڑے سے مسلمانوں کے سب بُت پرست ہیں ۔

اور اپنے مُردوں کو ہندوستان کی طرح جلاتے ہیں +

ان کا بادشاہ چنگیز خاں (جس نے بہت سے مسلمان ملکوں کو تباہ کیا تھا) کی اولاد میں سے ہے۔ چین کے ہر ایک صوبہ میں ایک شہر مسلمانوں کا ہے + بادشاہ مسلمانوں سے اچھا سلوک کرتا ہے +

چینی لوگ کتے اور سور کا گوشت بہت کھاتے ہیں۔ اور ان کا گوشت منڈیوں میں بکتا ہے +

چینی لوگ بہت عیش پسند ہیں۔ مگر لباس بڑے سے بڑے سوداگر کا بھی بہت موٹا اور سیدھا سادا ہوتا ہے +

یہ لوگ اکثر ایک لکڑی پر ٹیک ٹیک کر چلتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہماری تیسری ٹانگ ہے +

ریشم یہاں کیڑوں کی کثرت کے باعث بہت ہوتا ہے۔ اور کتان سے بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ غریب سے غریب بھی ریشم کا لباس پہنتا ہے +

یہاں سوداگروں کا دستور ہے کہ اپنے گھر میں تمام سونے کو پگھلا کر طاق پر رکھ دیتے ہیں۔ ایک خاص مقدار سونے کے واسطے ہر ایک سوداگر اپنے ہاتھ میں ایک انگوٹھی پہنتا ہے۔ اگر اُس سے دُگنا ہو۔ تو اُس نسبت سے انگوٹھی بھی دُگنی ہوگی +

یہ لوگ کاغذ کے نوٹوں سے تمام کاروبار کرتے ہیں۔ کاغذ کے نوٹ بالکل روپیوں اور دیناروں کی طرح چلتے ہیں۔ اگر کوئی پھٹ جائے تو بادشاہ کی طرف سے اور ملجاتا ہے۔ وہاں درہم اور دینار بازار میں نہیں لیتے۔ بلکہ کاغذ +

چین کے لوگ بڑے صناع ہیں۔ رنگسازی اور مصوری میں کوئی اُن کے ہمپلہ نہیں ہے +

میں نے ایک اور عجیب بات دیکھی۔ ایک شہر میں مجھے آئے دس منٹ بھی نہ گذرے تھے۔ یعنی شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ کہ میں نے دیکھا۔ میری اور میرے ہمراہیوں کی تصویریں کوچوں اور بازاروں میں لگی ہیں۔ اور جو مسافر آتا ہے اس کی تصویر اسی طرح برابر لیجاتی ہے۔ اگر کوئی کسی جرم کا مرتکب ہو کر بھاگ جائے۔ تو دوسرے ملک کے حاکم کے پاس شناخت کے لئے تصویر بھیج دیتے ہیں +

دستور ہے کہ جب چین سے کوئی جہاز روانہ ہوتا ہے۔ تو جس قدر لوگ اُس میں جانتے ہیں۔ ان کا نام۔ کام۔ پتہ اور شکل و صورت لکھ لی جاتی ہے۔ جب جہاز واپس آوے تو بادشاہ کے آدمی ہر ایک شخص کو دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہ آئے۔ یا اور کوئی غلطی ہو تو کپتان جہاز جواب دہ ہوتا ہے۔ پھر وہ کپتان سے جہاز میں ہر ایک چیز کا رجسٹر مانگتے ہیں۔ اگر کوئی درج نہ کی ہو۔ تو سارا جہاز ضبط ہو جاتا ہے ÷

جب کوئی مسلمان کسی مسلمانی شہر میں آتا ہے۔ تو یہ مسافر کا اختیار ہے کہ خواہ وہ سرائے میں رہے اور خواہ کسی مُسلمان سوداگر کے پاس۔ اگر وہ سوداگر کے پاس رہے تو اُس کے تمام اسباب کی پڑتال کیجاتی ہے۔ ہر ایک چیز لکھی جاتی ہے اور سوداگر اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اگر سرائے میں جاوے تو مالک سرائے ذمہ دار ہوتا ہے۔ سب مال لکھا جاتا ہے اگر روانہ ہوتے وقت کوئی چیز گم جاوے تو مالک کو دینا پڑتی ہے ÷

اگر انسان کو عورت کی ضرورت ہو۔ تو وہ ایک لونڈی خرید سکتا ہے جو بہت سستی مل سکتی ہے ÷

یہ لوگ اکثر اپنے بچے بیچ ڈالتے ہیں۔ اور اسے جرم نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کوئی مُسافر اپنے مال کو خراب کرے تو اجازت نہیں دیجاتی۔ اگر وہ شادی کرنی چاہے تو اس کا اختیار ہے ÷

چین میں جس قدر مسافروں کی حفاظت کیجاتی ہے اور کسی مُلک میں نہیں ہوتی۔ مسافر کے واسطے کسی مُلک میں اس سے زیادہ امن نہیں ہے ÷

ایک شخص لاکھوں روپے کے اسباب کو ساتھ لیکر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بیخوف خطر سفر کر سکتا ہے۔ باعث یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں ایک سرائے ہے۔ جو حاکم شہر کے ماتحت ہوتی ہے۔ ہر صبح اور شام حاکم خود سرائے میں آکر مسافروں کی حاضری لیتا ہے۔ اگر کوئی چیز گم جائے یا کم ہو۔ تو حاکم کو سزا دیجاتی ہے۔ علاوہ اسکے مسافر کی ہر ایک ضرورت پوری کیجاتی ہے ÷

پہلا شہر چین میں جس میں میں داخل ہوا۔ الزیتون تھا۔ اگرچہ یہاں زیتون نہیں ہوتا۔ مگر یہاں بہت عمدہ ریشم بنتا ہے۔ اس کا بندرگاہ نہایت عمدہ اور

خوبصورت ہے۔ قریباً ایک سو جہازوں کا بیڑا یہاں کھڑا رہتا ہے +

چین میں ہر ایک شخص کے مکان کے ساتھ ایک باغ ہوتا ہے۔ اور وسط میں مکان۔ اس لئے شہر بہت بڑے ہیں +

سن کیلن سب سے بڑا اور عمدہ شہر ہے۔ اس کے وسط میں ایک مندر ہے جس پر شہر کا خراج صرف کیا جاتا ہے +

اس میں غریبوں۔ اندھوں۔ فقیروں کے لئے کمرے بنے ہیں +

مندر میں بادشاہ کی ایک تصویر لٹکتی ہے۔ جس کی پرستش کیجاتی ہے +

اس ضلع میں مسلمانوں کی ایک بستی ہے۔ جس میں ایک مسجد ہے۔ ایک منڈی اور ایک غریب خانہ ہے۔ یہاں ایک قاضی۔ اور ایک شیخ الاسلام رہتا ہے جو مقدمات فیصل کرتا ہے +

کوئی بت پرست مسلمانوں کی بستی میں نہیں آتا۔ اور کسی کی مذہبی مزاحمت نہیں ہے +

تمام چین کے صوبوں میں اسی طرح مسلمانوں کی بستیاں ہیں۔ اور وہاں بھی یہی دستور جاری ہے +

اب میں پھر شہر الزیتون کی طرف آیا۔ یہاں شاہ چین کا حاکم کے نام حکم آیا کہ میری خاطر کیجائے۔ اور حاضری کے لئے خشکی یا تری کے راستے مع سامان بھیجا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے میرے لئے ایک جہاز آراستہ کیا۔ اور اس میں مجھے روانہ کر دیا +

دس دن کے بعد ہم شہر فنجنفور میں آئے۔ جو ایک خوبصورت شہر ہے۔ اور جس میں باغ بکثرت ہیں۔ اور دمشق سے مشابہ ہے +

یہاں مجھے مسلمانوں کا قاضی بہت سے معزز لوگوں اور سوداگروں کے ہمراہ آکر ملا۔ اور مجھے شہر میں لے گیا +

شہر کے گرد کئی چار دیواریاں ہیں۔ پہلی اور دوسری کے درمیان سلطانی محافظ شہر کی حفاظت کرتے ہیں۔ دوسری اور تیسری کے درمیان فوجی سوار اور حاکم وغیرہ تیسری اور چوتھی کے درمیان مسلمان لوگ رہتے ہیں +

ایک دن عجیب اتفاق ہوا۔ میں شیخ ظہیرالدین کے مکان پر اترا ہوا تھا۔ چند لوگوں نے میری ضیافت کی۔ ضیافت میں ہم بیٹھے تھے کہ ایک مسلمان فقیہ شیخ قوام الدین کے نام سے آیا۔ سب نے اسے عزت سے بٹھایا۔ میں اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب اس نے مجھے اس طرح دیکھا۔ تو مجھ سے اس کا باعث پوچھا۔ اور دریافت کیا کہ کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا وطن کہاں ہے۔ اس نے کہا سیوتا ✦

میں نے کہا کہ میں تنجیر کا رہنے والا۔ اس کے بعد پھر وہ مجھ سے ملا ✦

میں نے پوچھا کیا تم ہندوستان بھی گئے ہو ✦

اُس نے کہا۔ ہاں ✦

میں نے دریافت کیا کس شہر میں۔ جواب دیا دہلی میں ✦

اس وقت میں نے اس کو پہچانا۔ اور پوچھا کیا تمہارا نام البشری ہے اُس نے جواب دیا ہاں۔ در اصل میرا نام یہی ہے ✦

یہ شخص میرے چچا ابوالقاسم المرسی کے ہمراہ دہلی آیا تھا۔ جب یہ جوان تھا۔ قرآن حفظ کرنے میں نہایت ہوشیار تھا ✦

میں نے بادشاہ ہند کے آگے اس کی سفارش کی تھی۔ اور اُس نے منظور کر لی۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔ اور چین جانے کی خواہش ظاہر کی ✦

بادشاہ نے اُسے تین ہزار دینار دئے۔ اور یہ چین کو روانہ ہوا۔ یہاں مسلمان سوداگروں نے اُسے نوکر رکھ لیا۔ تھوڑے عرصہ میں بہت دولتمند ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا بھائی مجھے سوڈان میں ملا۔ دو نو بھائی کس قدر مسافت پر پڑے تھے ✦

یہاں سے چلکر میں شہر کنجنورا میں پندرہ دن تک رہا۔ چار دن کے بعد بیرام قاتلو میں آیا۔ جہاں لوگ بہت مہمان نواز ہیں ✦

یہاں صرف چار مسلمان تھے جن کے پاس چار دن ٹھیر کر میں خانسا کو گیا ✦

میں نے جس قدر شہر دیکھے یہ اُن سب سے بڑا تھا۔ تین دن کی مسافت میں شہر

واقع ہے +

اس شہر کے چھ حصے ہیں۔ ہر ایک کے گرد ایک دیوار ہے۔ جب ہم شہر میں داخل ہوئے۔ تو یہاں کا حاکم اور مسلمان مولوی اور بڑے بڑے سوداگر ہمیں ملنے آئے +

یہاں مسلمان بہت کثرت سے ہیں۔ شہر کے ایک حصہ میں محافظ اور سرکاری آدمی رہتے ہیں۔ جو بارہ ہزار ہیں +

ایک رات میں حاکم کے پاس مہمان رہا +

دوسرے حصہ میں عیسائی۔ یہودی اور ترک ہیں۔ یہ حصہ شہر کا بہت ہی خوبصورت ہے۔ اور یہاں بڑے بڑے امیر رہتے ہیں۔ ان میں بہت سے مسلمان بھی ہیں۔ جن کے ساتھ میں پندرہ دن نہایت آرام سے اچھی طرح رہا +

تیسرا حصہ دارالسلطنت ہے۔ جس میں تمام چین کا حاکم فوج رہتا ہے +

چوتھا حصہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس میں تین دریا بہتے ہیں۔ یہاں کے حاکم نے بڑی دھوم سے میری ضیافت کی۔ گانے بجانے والے بھی موجود تھے مداریوں نے حاکم کے حکم سے اپنے عجیب عجیب کرتب بھی دکھائے۔ اور میں بہت محظوظ ہوا +

اسی رات میں پانچویں حصہ میں داخل ہوا۔ یہاں بڑے بڑے صناع رہتے ہیں جو عجیب عجیب لباس اور برتن اور نادر الوجود چیزیں بناتے ہیں +

یہاں لکڑی کی طشتریاں ایسی صفائی سے بنائی جاتی ہیں۔ کہ اگر ایک میں دوسری اور دوسری میں تیسری اسی طرح دس رکھ دو تو ایک ہی طشتری نظر آتی ہے۔ اور خواہ کتنی بلندی سے گرے نہیں ٹوٹتی +

چھٹے حصہ میں۔ ملاح۔ جہاز بنانے والے بڑھئی وغیرہ رہتے ہیں۔ مجھے چند دولتمند مسلمانوں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ رعیت نے بادشاہ کے برخلاف بڑی سخت بغاوت کی تھی۔ سواروں کی ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔ اور سب نے ملکر بادشاہ کو کہا کہ تخت خالی کر دو۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ آخر لڑائی ہوئی +

بادشاہ کے پاس پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادہ سپاہ تھی۔ مگر بہت سے امیر بھی اُس سے بگڑ گئے تھے۔ کیونکہ بادشاہ نے چنگیز خاں کے بنائے ہوئے قوانین منسوخ کر دئے تھے ✦

اب جب میں اس شہر میں آیا۔ تو اُسی دن خبر آئی کہ بادشاہ تخت سے اُتار کر مارا گیا۔ اور اس کا بھتیجا بادشاہ بنایا گیا ہے۔ اس پر بڑی خوشی منائی گئی۔ اور شادیانے بجائے گئے ✦

لوگوں نے بادشاہ کی لاش کو مع اُس کے مقتول رشتہ داروں کے۔ اور اُس کے گھر کے سونے چاندی کے برتنوں اور اسباب کے۔ اور لونڈیوں۔ اور چار مقرب غلاموں کے دفن کر دیا ✦

دفن کرنے کے دن بت پرست اور مسلمان وغیرہ سب نے ایک سفید چوغہ بطور غم کے لباس پہنا ✦

اس کا بھتیجا جب بادشاہ ہوا۔ تو اُس نے قراقرم کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ کیونکہ اُس کے چچا کا ملک ترکستان اور ماوراالنہر کے نزدیک سے۔ مگر امیروں نے اس پر بغاوت کی اور راستے روک لئے ✦

یہاں مسلمانوں نے مجھے یہ صلاح دی کہ میں زیتون کو واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ حاکم سے میرے لئے حکم لیا گیا۔ اور حسب دستور مجھے زاد راہ ملگیا ✦

غرض میں الزیتون کو واپس آگیا۔ یہاں چند جہاز ہندوستان جانے کو تیار تھے۔ میں ان میں ایک جہاز میں جو ملک طاہر شاہ۔ سوماترا کا تھا سوار ہو گیا۔ کیونکہ اس میں مسلمان ملازم تھے ✦

دس دن تک ہوا تیز رہی۔ آسمان سیاہ نظر آنے لگا۔ اور طوفان آگیا۔ جہاز ایک ایسے سمندر میں چلا گیا۔ جس سے ملاح ناواقف تھے۔ سب لوگ ہراساں تھے۔ نہ آگے کے رہے نہ پیچھے کے۔ ایک دن صبح کو ہم نے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑ دیکھا۔ ہمارا جہاز اس کی طرف جا رہا تھا ✦

جہازراں گھبرا گئے۔ کیونکہ ہم خشکی سے بہت دور تھے۔ اور یقین تھا کہ اگر جہاز ادھر چلا گیا۔ تو ضرور سب برباد ہو جائینگے۔ سب نے اس وقت عاجزی سے استغفار

اور دعا کی۔ سوداگروں نے منتیں مانیں۔ ہوا کچھ آہستہ چلنے لگی۔ اور ہمارا جہاز خیریت سے بچ کر نکل گیا +

دو مہینے بعد ہم جاوا پہنچے۔ جہاں بادشاہ الملک الظاہر سے ملاقات ہوئی جو کوئی لڑائی فتح کرکے اور بہت سے قیدی لیکر آ رہا تھا +

اس نے ہماری عزت کی اور تمام سامان آسائش عطا کیا۔ ان دنوں بادشاہ کے لڑکے کی شادی تھی۔ میں بھی شادی میں موجود تھا۔ یہ ایک عجیب رسم تھی جو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی +

انہوں نے محل کے صحن میں ایک بہت بڑا چبوترہ بنایا۔ اور اس پر ریشمی کپڑے بچھا دئے۔ پھر دلہن اندر سے آکر اس پر بیٹھ گئی اور چالیس عورتیں نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے اس کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ یہ سب عورتیں سلطان کے خاص حرم کی تھیں۔ سب کے منہ ننگے تھے۔ اور کوئی انکو دیکھ سکتا تھا۔ حالانکہ ان میں پردہ کی رسم ہے۔ مگر ایسے موقعوں پر اس کی پابندی نہیں کرتے +

دولہا جب پہلے آیا۔ تو ایک ہاتھی پر سوار تھا جس پر ایک تخت رکھا تھا۔ امیروں امرا کے بیٹے اس کے ہمراہ تھے۔ جو سفید لباس پہنے عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہر ایک کے سر پر سونے اور جواہرات سے مزین ٹوپیاں تھیں سلطان خود بھی یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ شاہزادے کے آنے پر درہم اور دینار لوگوں میں لٹائے گئے۔ پھر شاہزادے نے جاکر باپ کے پاؤں چومے پھر وہ چبوترے پر چڑھا جس پر دلہن نے اس کی تعظیم کی اور اس کا ہاتھ چوما دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو میوے کھلانے لگے۔ ایک دوسرے کے منہ میں میوے ڈالتے۔ پھر چبوترہ کا غلاف ان دونو کے اوپر ڈالدیا گیا اور ان کو اسی طرح لپیٹ کر اندر لے گئے۔ اور لوگ ضیافت کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے +

میں جزیرہ میں بطور مہمان شاہی دو مہینے تک رہا۔ پھر بادشاہ نے مجھے کچھ صندل لونگ۔ کافور۔ وغیرہ اور زاد راہ دیکر ایک بیڑے میں سوار کروا دیا۔ اور میں کولم کی طرف روانہ ہوا جہاں چالیس دن میں پہنچا +

باب دوازدہم

مراجعت وطن

یہاں سے ایک جہاز پر سوار ہو کر اٹھائیس دن میں بندرگاہ ظفار میں جا پہنچا۔ محرم کا مہینہ اور ۷۴۸ہجری مطابق ماہ اپریل ۱۳۴۷عیسوی +

یہاں میں نے الملک الناصر الملک المغیث کے بھائی کو تخت سلطنت پر موجود پایا +

یہاں سے میں براہ بحری مسقط میں پہنچا۔ پھر بندرگاہ شیعم سے کلیہ آیا۔ اور کلیہ سے ملہان۔ یہ سب عمان کے متعلق ہیں۔ پھر میں تبریز جا کر تین دن رہا +

یہاں سے میں بصرہ۔ مشہد علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور پھر کوفہ اور سرسر سے ہو کر بغداد آیا۔ جہاں میں ماہ شوال میں پہنچا۔ یہاں کا بادشاہ اس وقت شیخ حسین۔ سلطان ابو سعید کی پھوپھی کا لڑکا تھا +

یہاں سے میں دمشق میں پہنچا۔ جہاں سے بیس برس ہوئے کہ میں سیر کرنے رخصت ہوا تھا +

شافعی مذہب کا بڑا قاضی اب تقی الدین السبکی تھا +

یہاں سے میں حلب اور دمشق سے ہو کر یروشلم اور پھر شہر الخلیل۔ غازہ اور دمیاط اور اسکندریہ سے ہو کر قاہرہ میں آیا +

اس وقت مصر میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے سنا کہ اکیس ہزار آدمی

وبا سے مر چکا تھا ٭

مصر کا بادشاہ الملک الناصر تھا ٭

پھر میں شمالی مصر گیا۔ اور یہاں سے عیذاب میں۔ ایک جہاز میں سوار ہو کر بعزم حج جدّہ کو روانہ ہوا۔ جہاں ماہ شعبان المعظم میں پہنچا ٭

پھر میں ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں آیا۔ اور زیارت روضہ رسول صلی علیہ وسلم کے بعد حج کر کے ایک قافلہ کے ہمراہ پھر یروشلم میں چلا گیا ٭

صفر ۵۰ھ ہجری المقدس میں اسکندریہ سے سوار ہو کر جزیرہ جاربہ میں پہنچا کیونکہ اب مجھے وطن کا شوق دامنگیر ہوا تھا ٭

یہاں سے میں فیض کی طرف روانہ ہوا۔ اور سفاقس سے ہو کر ملیانہ آیا۔ پھر تلمان سے ہو کر فیض میں پہنچا ٭

اس وقت یہاں کا بادشاہ ابو عنان تھا۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے میری نہایت عزت اور خاطر کی۔ اس بادشاہ کا اپنی رعایا پر بہت رعب داب ہے ٭

اُس کی شان شاہنشاہ ہندوستان سے ملتی ہے۔ اُس کے اخلاق حمیدہ شاہ یمن سے۔ اُس کی بہادری ترکوں سے۔ اُس کی نرم مزاجی شاہ قسطنطنیہ سے۔ اُس کی مذہبی شان و شوکت شاہ ترکستان سے۔ اور اُس کا علم شاہ سوماترا سے ٭

اُس نے اپنی مہربانیوں سے مجھے ایسا فریفتہ کیا کہ میں کسی طرح شکریہ نہیں ادا کر سکتا ٭

فیض میں میں نے اپنا سفر ختم کر دیا۔ کیونکہ یہ دنیا میں سب سے خوبصورت ملک ہے جس کی تعریف میں بڑے بڑے شاعروں نے حصہ لیا ہے ٭

میں اپنے باپ کی قبر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں فیض سے تنجیر آیا۔ تنجیر سے میں سبوتا اور پھر وہاں سے سپین کی طرف جہاز میں روانہ ہوا ٭

اول میں جبل الطارق میں پہنچا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اول سپین میں مسلمانوں نے کافروں کو شکست دی تھی ٭

یہیں طارق ابن زیاد۔ اور موسیٰ ابن ناصر نے اسلامی فوج اتاری تھی۔ اس لئے اسے جبل الطارق کہتے ہیں ÷

اگرچہ اسلامی فوج کو اس ملک میں یہاں پہلی فتح نصیب ہوئی۔ مگر ایک بہت بڑے دشمن نے بیس برس تک پھر اس پر قبضہ رکھا ÷

لیکن سلطان ابوالحسن نے اپنے لڑکے کو فوج دیکر بھیجا جس نے پھر اس پر فتح کیا ÷

اُس نے اس کو دیواروں اور قلعوں سے نہایت مستحکم کیا۔ اور اس میں خزانہ اور جنگی قواے آلیہ مہیا کئے ÷

یہاں مجھے میرا ماموں القاسم ابن بطوطہ جو ایک بڑا عالم اور مشہور و معروف شخص ہے ملا۔ چند دن یہاں رہکر میں بار بیلہ کو گیا جو نہایت مضبوط اور خوبصورت شہر ہے ÷

اس ملک کو خشکی اور تری دونو طرف سے نہایت فیض حاصل ہے۔ زمین نہایت سرسبز۔ اور غلہ اور میوہ نہایت سستا۔ چنانچہ ایک دینار کے آٹھ رطل زکمٹ کے ملتے ہیں۔ یہاں کی انجیر اور انار بے مثل ہیں ÷

یہاں سے میں غرناطہ کو گیا۔ جو سب سے بڑا شہر سپین میں ہے۔ اور اپنی عمارات اور مضافات کے لئے دنیا میں بے نظیر ہے ÷

اس میں دریاے سیئل بہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بہت سے چشمے۔ باغ اور محلات ہیں ÷

اس وقت غرناطہ کا بادشاہ الولید یوسف ابن ناصر تھا۔ میں نے اس سے ملاقات نہ کی کیونکہ وہ نہایت بیمار تھا ÷

مگر اس کی شریف اور فیاض ماں نے سب کے لئے تحفے اور کچھ زاد راہ بھیجا۔ یہاں میں بڑے بڑے عالموں سے ملا۔ مگر ان میں سے ایک عالم بے نظیر ہے۔ میں نے اتنا سفر کیا مگر اس شخص پر مجھ کو حیرت ہے۔ یہ ابھی نوجوان ہی ہے۔ اس کا نام ابو جعفر احمد بن رضوان الجذانی ہے۔ اس میں عجیب بات یہ تھی کہ حالانکہ وہ جنگل میں پیدا ہوا ہے۔ اور کبھی کچھ لکھا پڑھا نہیں۔ مگر وہ ایسے شعر کہتا کہ بڑے بڑے

شاعر تعریف کرتے ہیں +

حافظ بلا کا تیز ہے اور ہر ایک امر پر ایسی مدلل رائے دیتا ہے کہ مستند ہوتی ہے لوگوں سے صرف کتابیں سُنکر ان پر حاوی ہوگیا ہے +

غرناطے سے میں پھر جبل الطارق پر آیا۔ اور یہاں سے جہاز پر سوار ہوکر پھر سبوتا پہنچا۔ اور یہاں سے خشکی کے راستے شہر مراکو کو گیا +

یہ شہر نہایت عمدہ اور خوبصورت ہے۔ تجارت یہاں بہت ہوتی ہے +

یہاں سے میں دوبارہ تلمسان گیا۔ اور سلطان ابو عنان کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ اس کے بعد اس سے میں نے اجازت لی اور رخصت ہؤا +

یہاں سے میں سجلماسہ پُہنچا۔ جہاں کھجوریں بصرہ سے بھی عمدہ ہوتی ہیں۔ یہاں میں **محمد البشیری** کے ہاں رہا جس کا بھائی چین میں ملا تھا +

محرم کے شروع میں یہاں سے بھی روانہ ہؤا۔ اور آخر کار ایک دشوار گذار رستے کو عبور کرکے **سوڈان** پُہنچا +

راستے میں صحرائے افریقہ کا کچھ حصّہ عبور کرنا پڑا۔ جہاں سینکڑوں کوس تک نہ پانی۔ نہ پرند۔ نہ درخت کچھ بھی نہیں۔ صرف ریت ہی ریت ہے۔ روشنی میں ریگستان آنکھوں کو چوندھیا دیتا ہے۔ دس دن اس کے عبور کرنے میں صرف ہوئے +

میں چاہتا تھا کہ یہاں حبشیوں کی اوباش طبعیتوں کا مشاہدہ کرکے واپس آجاؤں حبشی گورے آدمی کو حقارت سے دیکھتے ہیں +

چونکہ یہ جگہ بہت گرم ہے۔ قیام نہ کرسکا +

اس کے بعد میں پچاس دن میں شہر **ابو لاطین** میں پہنچا۔ یہاں کچھ کھجوروں کے درخت ہیں۔ جن کے زیر سایہ خربوزے بوئے جاتے ہیں +

یہاں پانی اُن گڑھوں سے دستیاب ہوتا ہے۔ جو ریت میں کھود دیجاتے ہیں۔ بھیڑ کا گوشت بکثرت ملتا ہے +

یہ لوگ مصر سے اپنے کپڑے مول لیتے ہیں۔ تجار یہاں بہت ہیں۔ عورتیں بہت حسین ہیں۔ اور مردوں سے زیادہ ان کا ادب کیا جاتا ہے +

یہاں کے سنجار بڑے حاسد ہوتے ہیں عرب لوگوں کی طرح سے باپ کا نام بیٹے کے ساتھ نہیں لگاتے بلکہ ماموں کے نام کے ساتھ لگاتے ہیں۔ اور بھانجا بہبت بیٹے بحیثیت وارث ترجیح پاتا ہے۔ اور یہ رسم سوائے مالابار کے ہندؤں کے اور کہیں نہیں دیکھی +

مگر یہ مسلمان ہیں۔ نماز بر زبان ہے۔ دینیات کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں قرآن حفظ کرتے ہیں +

عورتیں مردوں سے پردہ نہیں کرتیں اور نہ کچھ شرماتی ہیں۔ ہر نماز میں اُن کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ جو چاہے ان سے شادی کرے۔ مگر ملک سے باہر نہیں لیجا سکتا۔ خواہ عورت راضی ہی ہو۔ مگر اُس کے عزیز و اقارب اُسے روکتے ہیں +

کوئی شخص کسی دوست کے پاس جائے۔ تنہائی میں اُسکی عورت سے ملاقات کرے گفتگو کرے۔ کچھ پرواہ نہیں کیجاتی +

ایک دن میں ابو لاطین کے قاضی کے پاس گیا۔ جو اس وقت میرا میزبان تھا۔ اس سے میری دوستی ہوگئی۔ وہاں میں نے ایک حسین عورت دیکھی قاضی سے میں نے تخلیہ چاہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ کہ یہ اُس کی عورت نہ تھی۔ عورت میری طرف دیکھ کر مسکرائی +

قاضی نے کہا کہ یہ میری آشنا ہے۔ میں نے اس پر شکایت کی۔ کہ تم قاضی اور مسلمانوں کے منصف ہو۔ یہ غیر عورت ہے کچھ دل میں انصاف تو کرو +

اُس نے کہا کہ یہ ہم میں رسم ہے۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس نے نہ میری نصیحت مانی۔ اور نہ میں اس سے پھر ملا +

ابو لاطین سے میں مالی پہنچا۔ اور چوبیس دن میں سفر طے کیا۔ سڑکیں محفوظ ہیں۔ ایک بدرقہ میں نے ساتھ لیا۔ اور تین ہمراہی لیکر چلا +

راستہ میں درختوں میں میں نے جولاہوں کو کپڑے بنتے دیکھا۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ ان کی کھوہوں میں پانی بھر گیا ہے۔ اور لوگ اُسے پیتے ہیں +

ابن جازی الکلبی بیان کرتا ہے۔ کہ اندلس میں بھی بعض درخت ایسے ہیں جن میں جولاہے کپڑا بنتے ہیں +

سوڈان میں کدو اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ اُس کے برتن بنتے ہیں +

ابو لاطین سے روانہ ہوکر دس دن بعد موضع ذاغری میں ہم پہنچے۔ یہاں عشتی تجار رہتے ہیں۔ کچھ عرب بھی یہاں ہیں +

یہاں سے ہم دریائے نیل پر پہنچے۔ اس پر شہر کارسنجو واقع ہے۔ جہاں سے نیل کا آغاز ہوتا ہے +

پھر ہم زاغہ پہنچے۔ جہاں کے لوگوں نے یہاں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ بڑے دیندار ہیں۔ علم کے شائق ہیں +

یہاں سے میں بومی پہنچا۔ جو سوڈان کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ بادشاہ مختار کل ہے۔ کوئی عرب یہاں نہیں آسکتا۔ اگر آئے تو فی الفور قتل کر دیا جاتا ہے +

یہاں سے میں نوبہ پہنچا۔ جہاں کے باشندے عیسائی ہیں۔ پھر میں دنگولا آگیا۔ جو اُن کے قبضہ میں بڑا ضلع ہے +

یہاں کے بادشاہ کا نام ابن کنزا ہے۔ جو الملک الناصر کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا +

یہاں سے میں ایک شہر سنار کو گیا۔ جہاں بادشاہ رہتا ہے میں نے یہاں پہنچکر عشلوں کی جائے رہائش دریافت کی۔ یہ میرے ساتھ بڑی مروت سے پیش آئے +

حبشیوں کا قاضی ایک مسلمان مشہور حاجی ہے۔ جو میرا میزبان تھا اور جس نے میری بہت خاطر اور عزت کی +

سلطان مالی بڑا حریص اور نکما آدمی ہے۔ اس نے شہر کے سربرآوردہ اشخاص کی ان ایام میں ضیافت کی۔ میں بھی بہت سے عالم مولویوں کے ساتھ اس میں شامل تھا عالموں نے میری اُس سے معرفی کرائی +

جب مکان پر آیا۔ تو قاضی صاحب دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ اٹھو سلطان نے تمہارے واسطے تحفہ بھیجا ہے +

میں اُٹھا۔ اور امید تھی کہ گھوڑا یا کوئی خلعت ملیگا۔ مگر یہاں کل کائنات تین روٹیاں ایک خشک تلی ہوئی مچھلی اور پھٹے ہوئے دودھ کا ایک پیالہ تھا +

ایک دن میں بادشاہ کے پاس گیا۔ اور کہا کہ میں نے تمام دنیا میں سفر کیا ہے تمام بادشاہوں سے ملاقات کی اور اب چار مہینے تمہاری عملداری میں مجھے ہوگئے نہ تم نے میری ضیافت کی اور نہ کوئی تحفہ بھیجا۔ اس پر اُس نے ایک مکان مجھے رہنے کو دیا۔ اور سامان خورد و نوش مہیا کر دیا +

یہاں کے عالم رمضان کے مہینے میں میرے پاس آئے اور ۳۳ مثقال سونا مجھے چندہ کر کے دیا +

تمام لوگوں میں حبشی سب سے زیادہ اس بادشاہ کے سامنے کمینہ پن کرتے ہیں +

جب اس کے سامنے جاتے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنکر عجب سر کنیں کر کے اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ بادشاہ ان پر مٹی اُٹھا کر پھینکتا ہے۔ اور جب تک یہ منہ سے بولے پگڑی سر پر نہیں رکھتے +

مگر یہاں کا انصاف قابل تعریف ہے۔ پرلے درجہ کا امن و امان ہے نہ چور کا کھٹکا۔ نہ رہزن کا ڈر۔ جب کوئی تاجر ان میں مرتا ہے۔ اس کے وارثوں کو ایک ایک حبہ اس کا ملجاتا ہے +

نماز کے سخت پابند ہیں قرآن حفظ کرتے ہیں۔ مگر ان میں قبیح رسم یہ ہے کہ اُن کی عورتیں بالکل ننگی رہتی ہیں اور اپنے بدن کو نہیں چھپاتیں شادی کے بعد بھی اسی طرح رہتی ہیں۔ یہ لوگ سڑی ہوئی اور مردار چیزیں بہت کھاتے ہیں +

مالی سے میں نے اپنے وطن کا رخ کیا۔ اور ایک ہفتہ بعد جمعہ کے دن ماہ محرم ۷۶۹ھ ہجری المقدس میں بخیر و عافیت اپنے گھر پہنچ گیا +

سیرۃ الفاروق

منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی کی تالیف کی ہوئی
جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری جس میں اُن کے بچپن کے زمانہ سے
لیکر وفات کے وقت تک کے تمام حالات مع فتوحات کے جو ان کے زمانہ میں ہوئی ہیں بڑی محنت
اور تحقیق سے مرتب کرکے درج کیگئی ہیں دیباچہ میں سب سے اہم و عظیم الشان امور سے نہایت دلچسپ بحث کیگئی ہے
کسی مسلمان کو ایسے بے نظیر اور عدیم المثال اسلامی بزرگ ہیرو کی حالات کو شوق سے پڑھنے کیواسطے ترغیب دینے
کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس قدر وہ حالات دلچسپ ہیں اسیقدر زمانہ کے مسلمانوں کیواسطے ہادی اور رہنما
اور ناصح ہیں غرض اسلامی سچی شان و شوکت اور اصل جاہ و جلال و بینظیر شجاعت اور زہد کی تصویریں ہیں
جو اس کتاب میں کھینچی گئی ہیں ضخامت تین سو صفحہ سے زیادہ اعلے قسم سفید کاغذ پر قیمت بہ

عہ

منشی **فضل الدین تاجر کتب قومی** کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے

تاریخ اسپین اردو

یہ تاریخ جس میں مسلمانان اسپین (اندلس) کی ترقی و تنزل کے مفصل حالات درج ہیں انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں نہایت خوش اسلوبی سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب کے ۱۴ باب ہیں پہلے ۱۱ باب میں مسلمانوں کی ترقیات۔ فتوحات۔ طرز حکومت۔ جاہ و ثروت۔ اندلس کی ترقی رعایائے اسلام کی بہبودی سرسبزی وغیرہ کا سچا اور صحیح صحیح نقشہ کھینچا ہے اور پچھلے ۳ باب میں عیسائیوں کے بے محابا حملوں سے چمن اسلام کے سرسبز و بارآور پودوں کی تباہی کا بیان۔ نہایت دردآمیز اور سچے واقعات سے قلمبند کیا گیا ہے اسوقت ہندوستان بھر میں یہی ایک اردو کتاب چھپی ہے جس سے مسلمانان اسپین کے جزوی و کلی کل کے حالات مل سکتے ہیں۔ ان تمام حالات کو پڑھتے پڑھتے ان کے ساتھ آپ کو بہت سی اسلامی یادگاریں (عمارتیں) بحالت خستہ دکھائی دینگی جنکے فوٹو (نقشے) نہایت دقت سے بہم پہنچا کر ساتھ چھاپے گئے ہیں سو جو مسلمان جو قومی محبت میں سرشار رہیں اور اپنے اسلاف کے گذشتہ کارناموں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں انکا فرض ہے کہ اس بے نظیر تاریخ کو مطالعہ کریں اور وہ ہمدرد جو اب تک اہل مرحوم کی حالت زار پر دو دو آنسو روتے رہے ہیں انکو چاہیے کہ اب ایک لمحہ اسپین کے لئے وقف کریں۔ ہر ایک اسلامی مجلس ہر ایک محمڈن سوسائٹی۔ ہر ایک علمی انجمن۔ ہر ایک لائبریری کا فرض ہے کہ اس کتاب کو خرید کرے۔ یہ کتاب ۳۱۴ صفحہ پر مع نقشہ جات کے ہے اور نہایت عمدہ کاغذ پر خوشخط چھپی ہے قیمت ایک روپیہ چار آنے عہ ر

حیات سعدی

مصنفہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جس میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری اور جملہ حالات متعلق حیات درج ہیں اور نیز ان کی تمام تصنیفات نظم و نثر پر ریویو کیا گیا ہے اور اس کتاب میں بہت دلچسپ مضامین ہیں عہ ر

خلق الانسان

یعنی انسان کی پیدائش کے متعلق اس میں نہایت ہی عمدہ مضمون قرآن شریف سے لیکر آج کل کے نئے فلسفہ دانوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے مصنفہ سر سید احمد خاں صاحب۔ قیمت دو آنے ۲ ر

ازالۃ الغین عن ذکر ذو القرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق ایک نہایت زبردست کتاب متن مع ترجمہ اردو و حاشیہ تفسیر کبیر عربی مصنفہ سر سید احمد ۵ ر

تفسیر الجن والجان

اس کتاب میں نہایت معقولیت سے بحث کی گئی کہ قرآن شریف میں لفظ جن سے کیا معنی لئے جانے چاہیئے۔ اور قرآن شریف کی تمام آیات اس کے متعلق جمع کرکے بحث کی گئی ہے۔ مصنفہ سر سید احمد خاں صاحب۔ قیمت پانچ آنہ - - - - - - - ۵ ر